

اَسْنُ الْكَلَامِ

فی

تراجم القراءۃ خلف الإمام

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن

رحمہ اللہ

مکتبہ تصنیف و تالیف

نزد مدرسہ نصرتہ العلوم محمدیہ

حیدرآباد، پاکستان

وَلَا تَجْرِعِ الْقُرْآنَ نَسْخًا عَظِيمًا وَلَا تَحْصِيهُ الْاِيَّ
(قرآن کریم)

وَإِذَا قَرَأْتَ فَانصِتُوا (الحديث)

احسن الکلام

فی

ترك القراءة خلف الإمام

جلد اول

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ و تابعین تابعینؓ اور دیگر
جمہور فقہاء اور محدثین عظام سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی بھی قسم
کی قرأت عموماً اور سورۃ فاتحہ کی قرأت خصوصاً ممنوع ہے اور جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے
قرأت کرنا قرآن کریم، حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف ہے اور فی نفسہ منکر اور مذموم ہے اور
جہری نمازوں میں حضرات ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ نیز عقلی اور قیاسی دلائل سے اس مسئلہ
پر فیصلہ کن بحث کی گئی ہے اور فرقہ ثانی کی مسکت جوابات دیے گئے ہیں اور اس طبع میں خیر الکلام
اور الاعتصام میں کیے گئے اعتراضات کے جوابات کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تالیف

ابوالزاہد محمد سرفراز خاں صفدر

جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ گوہر انوالہ محفوظ ہیں۔
 طبع دہم جون ۲۰۰۶ء

نام کتاب: احسن الکلام فی ترک القرۃ خلف الامام

مؤلف: شیخ اکملیٹ حضرت مولانا محمد رفیع از خان صفدر دام مجدہم

تعداد: ایک ہزار

مطبع: فائن بکس پرنٹرز لاہور

ناشر: مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ فقہ العظم گھڑ گھر گوہر انوالہ

قیمت: دو سو پچیس روپے

ملنے کی جگہ

- | | |
|--|--|
| ○ مکتبہ صفدریہ نزد گھڑ گھر گوہر انوالہ | ○ مکتبہ امدادیہ ملتان |
| ○ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی | ○ مکتبہ حقانیہ ملتان |
| ○ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور | ○ مکتبہ مجیدیہ ملتان |
| ○ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور | ○ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور |
| ○ مکتبہ خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی | ○ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایسٹ آباد |
| ○ مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد | ○ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد |
| ○ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیوز روڈ مینگورہ | ○ دارالکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور |
| ○ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ مکی مروت | ○ مدینہ کتب گھر اردو بازار گوہر انوالہ |
| ○ مکتبہ قاسمیہ حبشہ روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی | |
| ○ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوہر انوالہ | |

کتاب گھر شادی مارکیٹ ملتان



تصدیقات علیہ کرام

- حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ۱۰
حضرت مولانا مفتی سید ہمدی حسن صاحب ۱۸
حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ۲۰
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی ۲۰
حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب ۲۱
حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کراچی ۲۳
حضرت مولانا خیر محمد صاحب ۲۴
حضرت مولانا احمد علی صاحب ۲۵
حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب ۲۶
حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی ۲۷
حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب بہبودی ۲۷
حضرت مولانا سلطان محمود صاحب ۲۸
حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ تنگ ۲۹
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھی ۳۰
حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد نصیر الدین صاحب غوثی ۳۱
حضرت مولانا شمس الحق صاحب افتخانی ۳۲
حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی ۳۳
حضرت مفتی رشید احمد صاحب ۳۴
دیب چہ طبع سوم ۳۵

دوبلہ پتہ طبع دوم

- | | |
|----|---|
| ۴۱ | ویب چہ طبع دوم |
| ۵۳ | ویب چہ طبع اول |
| ۵۴ | سخن ہائے گفتنی |
| ۵۴ | سبب تالیف |
| ۵۸ | اختلافی مسائل میں ہمارا نظریہ |
| ۶۱ | قرشیت و تضعیف کا معیار ؟ |
| ۶۶ | اسانید کے ترجمہ کا معیار ؟ |
| ۶۲ | حضرات فقہار و محدثین اور اسکہ دین کا احترام |
| ۶۳ | ضروری التماس |
| ۶۵ | مقدمہ |
| | جو حضرات صحابہ کرام تمام نمانوں میں امام کے |
| ۶۶ | پیچھے قرآء کے قائل نہ تھے۔ |
| ۶۶ | جو ہماری نمانوں میں قائل نہ تھے۔ |
| | جو حضرات تابعین تمام نمانوں میں قرآء |
| ۶۶ | خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ |
| ۶۶ | جو ہماری نمانوں میں قائل نہ تھے۔ |
| ۶۶ | مسئلہ خلف الامام اور حضرات اتباع تابعین |
| ۶۶ | حضرات ائمہ اربعہ اور مسئلہ خلف الامام |
| ۶۶ | حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کا مسلک |
| ۶۸ | امام موصوف فقہار اور محدثین کی نگاہ میں |
| ۷۰ | امام محمد کا مسلک بھی یہی تھا |

- ان کی شخصیت ۷۰
- امام ابو یوسفؒ کا مذہب بھی یہی تھا ۷۱
- ان کی ذات ائمہ کی نظر میں ۷۱
- حضرت امام مالکؒ کا مسلک ۷۲
- ان کی جلالت شان؟ ۷۲
- حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ۷۳
- ان کی دینی خدمات اور امامت ۷۳
- ان کا مسلک سمجھنے میں غلط فہمی ہوتی ہے۔ ۷۳
- امام داؤد بن علی الظاہریؒ کا مسلک ۷۵
- امام شافعیؒ کی اپنی حجارتیں ۷۶
- اس غلط فہمی کا اصلی سبب کیا ہے؟ ۷۷
- مؤلف خیر الکلام کی تاویلات اور ان کے مسکت جوابات ۷۸ تا ۸۵
- حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک، ان کا پایہ؟ ۸۶
- امام ابراہیم نخعیؒ کا مسلک، ان کا درجہ؟ ۸۷
- امام زہریؒ کا مسلک اور درجہ ۸۸
- امام ثوریؒ کا مسلک اور درجہ ۸۹
- امام لیث بن سعدؒ کا مسلک اور شان ۸۹
- امام ابن مبارکؒ کا مسلک اور فضیلت ۸۹
- امام اوڑاعیؒ کا مسلک اور جلالت ۹۰
- امام اسماعیل بن اہوتیہؒ کا مسلک اور درجہ ۹۱
- سفیان بن عیینہؒ کا مسلک اور شان ۹۱
- امام شمس الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ ۹۲
- شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مسلک اور درجہ ۹۳
- شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مسلک اور درجہ ۹۳
- حافظ ابن القیمؒ کا مسلک اور شان ۹۶
- حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مسلک ۹۷
- امام احمد کے زمانہ تک ائمہ اسلام میں اس کا کوئی بھی قائل نہ تھا کہ تارک قراءۃ خلف الامام کی نماز فاسد اور باطل ہے۔ ۱۰۰
- مؤلف خیر الکلام کی توجہات کا جواب ۱۰۱
- حضرت امام ترمذیؒ کی ایک قابل حل عبارت ۱۰۶
- امام عینیؒ کا وہم اور اس کا ازالہ ۱۰۸
- باب اول** ۱۱۰
- قرآن کریم کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ قراءت کے وقت خاموشی اختیار کی جائے ۱۱۱
- قرآن کریم کا سنا بعض اوقات غور پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔ ۱۱۶
- آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ** کے بارے میں نازل ہوتی ہے۔ ۱۱۹
- قرآن کا ہر قول پر مصداق صرف سورۃ فاتحہ ہے ۱۲۰
- حضرات صحابہ کرامؓ کی تفسیر کا حکم کیا ہے؟ ۱۲۱
- آیت کی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ سے ۱۲۶
- فہم تفسیر میں ابن مسعودؓ کا رتبہ حضرات خلفائے راشدین سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ ۱۲۶
- ابن مسعودؓ کی پہلی روایت ۱۲۴

- ۱۵۷ علامہ زنجیزی کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۵۸ حافظ ابن کثیر کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۵۹ علامہ ابو السعود کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۶۰ امام ابو بکر مجتہب ص رو
- ۱۶۱ علامہ محمود لوسی کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۶۲ امام بیہقی کی تفسیر
- ۱۶۳ قاضی شوکانی کی تفسیر
- ۱۶۴ حافظ ابو عمر بن عبد البر کی تفسیر
- ۱۶۵ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تفسیر
- ۱۶۷ اس تفسیر پر فریق ثانی کے اعتراضات
- ۱۶۷ پہلا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۶۹ دوسرا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۶۶ تیسرا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۶۸ چوتھا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۸۱ پانچواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۸۲ چھٹا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۸۳ ساتواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۸۵ آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۹۰ نواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۹۲ دسواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۹۴ استماع کا معنی
- ۱۹۷ انصاف کا معنی
- ۱۹۸ سکوت کا معنی
- ۱۹۹ آہستہ پڑھنا بھی انصاف کا استماع کے
- ۱۲۶ ابن مسعود کی دوسری روایت
- ۱۲۸ حضرت ابن عباس کا رتبہ
- ۱۲۸ ان کی پہلی روایت
- ۱۳۲ حضرت ابن عباس کی دوسری روایت
- ۱۳۴ حضرات تابعین کی تفسیر کا مقام
- ۱۳۴ حضرت مجاہد کا رتبہ اور ان کی تفسیر
- ۱۳۴ ان کی پہلی روایت
- ۱۳۵ ان کی دوسری روایت
- ۱۳۶ ان کی تیسری روایت
- ۱۳۸ حضرت سعید بن المسیب کی روایت
- ۱۳۹ حضرت حسن بصری کی روایت
- ۱۴۰ حضرت ابو صالح ریاحی کی روایت
- ۱۴۱ حضرت امام زہری کی روایت
- ۱۴۲ حضرت عبید بن عیفر اور عطاء بن ابی ریحان کی روایت
- ۱۴۳ محمد بن کعب کی روایت
- ۱۴۵ حدیث مرسل
- ۱۴۹ بعض تابعین اور تبع تابعین کے مراسیل
- ۱۵۲ دیگر تابعین و اتباع تابعین سے اس کی تفسیر
- ۱۵۳ مشہور مفسرین کرام اور محدثین عظام کی تفسیر
- ۱۵۴ ابن السید کا مرسل عن الشافعی بھی صحیح ہے (الشیخ)
- ۱۵۴ قرینہ سے ظاہر مرسل بھی صحیح ہے (جہتہ اللہ بالہد)
- ۱۵۵ امام ابن جریر کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۵۶ امام بغوی کی تفسیر اور ان کا درجہ؟

- چوتھا اعتراض کہ محدثین کا ایک گروہ اس {
 زیادت میں کلام کرتا ہے اور اس کا جواب ۲۵۷
 اس زیادت کو کن کن محدثین نے صحیح {
 کہا ہے؟ ۲۵۷
 پانچواں اعتراض کہ یہ روایت مستند نہیں ہے {
 اور اس کا جواب ۲۶۰
 چھٹا اعتراض کہ اس میں قرأت سے مازاد {
 علی الفا تحمیر اور اس کا جواب ۲۶۳
 دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ سے ۲۶۷
 اس پر پہلا اعتراض ابو خالد کاتفرود اور {
 اس کا جواب ۲۶۹
 دوسرا اعتراض محمد بن عبد اللہ میں کلام اور {
 تدلیس کا جواب ۲۷۰
 تیسری حدیث حضرت انس سے ۲۷۳
 چوتھی حدیث ۲۷۷
 اس پر پہلا اعتراض ابن اکیثم کی جہالت {
 اور اس کا جواب ۲۸۰
 اس پر دوسرا اعتراض کہ یہ زہری کا بیروج {
 ہے اور اس کا جواب ۲۸۱
 اس پر تیسرا اعتراض اور اس کا جواب ۲۸۷
 پانچویں حدیث ۲۸۸
 چھٹی حدیث ۲۹۱
 ساتویں حدیث ۲۹۳

- سراسر منافی ہے ۱۹۹
 گیارھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۰۰
 بارھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۰۶
 تیرھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۰۳
 چودھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۰۸
 سکتات امام کی فیصلہ کن بحث ۲۰۹ تا ۲۱۸
 پندرھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۱۸ تا ۲۲۵
 سولھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۲۵
 سترھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۲۶
 اٹھارھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۲۸
 انیسواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۲۸
 بیسواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۳۰
 باب دوم ۲۳۳
 حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ۲۳۳
 اس کی مختلف سندیں ۲۳۴ تا ۲۳۸
 اس حدیث پر پہلا اعتراض سلیمان تیمی کی {
 تدلیس اور اس کا جواب ۲۳۹
 اس حدیث پر دوسرا اعتراض (کہ وہ متفقہ ہیں) {
 اور اس کا جواب ۲۴۱
 اس حدیث پر تیسرا اعتراض قتادہ کی تدلیس {
 اور اس کا جواب ۲۴۹
 صحیحین میں تدلیس مضر نہیں ۲۴۹
 بعض روایات کی تدلیس مضر نہیں ہے ۲۵۱

۳۲۷	مراسیل صحابہؓ بالاتفاق حجت ہیں	۲۹۵	آٹھویں حدیث
۳۲۸	کیا تابعینؓ کے مراسیل حجت ہیں	۲۹۸	امام بیہقیؒ کا اعتراض، خالد الطحانؒ کی غلطی کا جواب
۳۲۹	اس حدیث پر دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۲۹۹	نویں حدیث
۳۳۰	اس حدیث پر تیسرا اعتراض اور اس کا جواب	۳۰۳	دسویں حدیث
۳۳۱	اس حدیث پر چوتھا اعتراض اور اس کا جواب	۳۰۸	پہلا اعتراض کہ ابو سحاق السبکیؒ مدلس و مختلط تھے اور اس کا جواب
۳۳۲	اس حدیث پر پانچواں اعتراض اور اس کا جواب	۳۱۰	دوسرا اعتراض کہ اسرائیلؑ نے ان سے اختلاط کے بعد عمت کی ہے اس کا جواب
۳۳۳	اس حدیث پر چھٹا اعتراض اور اس کا جواب	۳۱۲	اس حدیث کا شاذ
۳۳۴	اس حدیث پر ساتواں اعتراض اور اس کا جواب	۳۱۳	اس روایت پر تیسرا اعتراض کہ یہ مضطر اور اس کا جواب
۳۳۵	اس حدیث پر آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب	۳۱۵	اس روایت پر چوتھا اعتراض اور اس کا جواب
۳۳۶	اس حدیث پر نواں اعتراض اور اس کا جواب	۳۱۷	اس روایت پر پانچواں اعتراض اور اس کا جواب
۳۳۷	اس حدیث پر دسواں اعتراض اور اس کا جواب	۳۱۸	گیارہویں حدیث
۳۳۸	اس حدیث پر اسی اعتراض اور اس کا جواب	۳۲۰	اس حدیث پر پہلے اعتراض کی پہلی شق کا جواب
۳۳۹	اس حدیث پر دسویں حدیث	۳۲۳	اس حدیث پر پہلے اعتراض کی دوسری شق کا جواب
۳۴۰	اس حدیث پر اسی اعتراض اور اس کا جواب	۳۲۴	اس حدیث پر پہلے اعتراض کی تیسری شق کا جواب
۳۴۱	اس حدیث پر اسی اعتراض اور اس کا جواب	۳۲۵	بصورت مرسل بھی یہ روایت حجت
۳۴۲	اس حدیث پر اسی اعتراض اور اس کا جواب	۳۲۶	حضرت عبداللہ بن شدادؓ و صفار صحابہؓ تھے

- ۳۷۵ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۷۶ حضرت ابن مسعودؓ کے آثار
 ۳۷۸ ان پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۸۰ حضرت ابن عباسؓ کا اثر
 ۳۸۶ { حضرت ابن عباسؓ کا ایکس اور اثر اور
 اس کی وضاحت
 ۳۸۴ حضرات خلفائے راشدینؓ کا اثر
 ۳۸۶ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کا اثر
 ۳۸۸ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۹۰ حضرت سعید بن ابی وقاصؓ کا اثر
 ۳۹۱ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۹۴ لطیف
 آثار تابعینؓ
 ۳۹۵ حضرت علقمہ بن قیسؓ کا اثر
 ۳۹۶ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۹۷ حضرت عمرؓ بن مہموںؓ وغیرہ کا اثر
 ۳۹۸ حضرت اسود بن یزیدؓ کا اثر
 ۴۰۰ حضرت سید بن غفلہؓ کا اثر
 ۴۰۰ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۴۰۱ حضرت نافع بن جبرؓ کا اثر
 ۴۰۲ حضرت سعید بن المستیث کا اثر
 ۴۰۲ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۴۰۳ حضرت سعید بن جبرؓ کا اثر

- ۳۴۸ متر حدیث
 ۳۵۰ اس پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۵۱ اس پر دوسرا اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۵۲ مؤلف خیر الکلام کا صریح بیان
 ۳۵۳ انصار حدیث
 ۳۵۳ کتاب الآثار سے اس کی تائید
 ۳۵۴ اس کی سند صحیح ہے
 ۳۵۴ انیسویں حدیث
 ۳۵۶ بیسویں حدیث
 ۳۵۷ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۶۰ اکیسویں حدیث
 ۳۶۱ بطور شاہد پہلی حدیث
 ۳۶۲ دوسری حدیث
 ۳۶۳ تیسری حدیث
 ۳۶۵ چوتھی حدیث
 ۳۶۸ تیسرا باب
 ۳۶۸ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے آثار اور
 علم و فقہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کی نمایاں اور
 مشہور ہستیاں
 ۳۷۰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر
 ۳۷۱ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
 ۳۷۲ حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کا اثر
 ۳۷۳ حضرت زید بن ثابتؓ کا اثر

- ۴۰۹ جہوں کی روایتوں کا معیار کیا ہے؟
- ۴۱۰ حضرات محدثین کرامؒ اور فقہائے عقیدہ
- ۴۱۲ چوتھا باب
- (عقلیہ، قرجمی اور قیاسی دلائل)
- ۴۱۲ پہلی دلیل دوسری اور تیسری دلیل و ۴۱۲
- ۴۱۵ چوتھی اور پانچویں دلیل و ۴۱۴
- ۴۱۶ چھٹی اور ساتویں دلیل و ۴۱۵
- ۴۱۸ آٹھویں دلیل — نویں دلیل ۴۱۴ و ۴۱۸
- دسویں اور گیارھویں دلیل ۴۱۹
- ۴۲۰ بارھویں دلیل
- فرق ثانی سے اخلاص کے ساتھ استدعا ۴۲۳
- ۴۰۳ اس پر اعتراض اور اس کا جواب
- ۴۰۴ حضرت عروہ بن زبیر کا اثر
- ۴۰۴ حضرت ابراہیم نخعی کا اثر
- ۴۰۵ حضرت قاسم بن محمد کا اثر
- ۴۰۶ حضرت امام اوزاعی کا اثر
- ۴۰۶ حضرت سفیان ثوری کا اثر
- ۴۰۷ حضرت لیث بن سعد کا اثر
- ۴۰۷ حضرت عبداللہ بن مبارک کا اثر
- ۴۰۷ حضرت عبداللہ بن وہب کا اثر
- ۴۰۸ حضرت سفیان عیینہ کا اثر
- ۴۰۸ حضرت اسحاق بن راہویہ کا اثر

آخری التماس ۴۲۴

لَا تَعْلَوْنَ اللَّهَ تَعَالٰی

تصدیقاتِ علماءِ کرام

فخر الامثال قدوة الصالحا حکیم الاسلام الحاج الحافظ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب امت کاتم

مہتمم دارالعلوم، دیوبند۔

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنونہ نیل زمقرون۔ گنگھر سے رخصت ہو کر بعافیت لاہور اور وہاں سے دیوبند پہنچا۔ احسن الکلام کا مطالعہ یاد اور شوق طبعی دامن گیر تھا۔ ماشاء اللہ تعالیٰ مسئلہ فاسخ میں اسے ایک بحرِ ذخار پایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی و محنت کو قبول فرمائے اور امت کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں نے حسب وعدہ تقریظ لکھنے کا ارادہ کیا۔ لکھنے بیٹھا تو غیر متوقع طریق پر تحریر طویل ہو گئی جو احسن الکلام سے متاثر ہونے کا نتیجہ تھا۔ تقریباً پانچ صفحے فل سکیپ کے ہو گئے۔ اور تقریظ کی صورت نہ رہی۔ اب دو صورتیں ہیں یا تو آپ اس میں سے وہ زائد حصہ حذف فرمائیں جس میں خالی اہل حدیث کو نا صحانہ خطاب ہے اور اگر اسے غیر ضروری نہ سمجھیں تو دوسری صورت یہ ہے کہ اسے تقریظ کے بجائے کتاب کا مقدمہ بنا دیجیے جو میری طرف سے ہو جائے گا۔ مقدمہ کے لیے یہ تحریر موزوں رہے گی، جو بھی صورت مناسب ہو کر لی جائے۔

میں بحمد اللہ تعالیٰ بعافیت ہوں۔ اُس شب کی مہل نوازی کا شکر گزار ہوں۔ والسلام

محمد طیب

دیوبند
۱۳/۴/۷۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَيُشْرِعُ عِبَادَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (سورة الزمر)

محترم الفاضل مولانا محمد سرفراز خاں صاحب دام بالمجد والفاضل کی لطیف ترین تالیف احسن الکلام
فی ترک قرآۃ الفاتحہ خلف الامام سے استفادہ کا شرف میسر ہوا۔ مطالعہ کے وقت ہر اگلی سطر پر
آئینکوں میں نور دل میں سرور اور روح میں ملیج یقین بڑھاتا تھا، اثبات مسئلہ کے سلسلہ میں مصنف
نے سلاست بیان، زور استدلال، منصفانہ تنقید اور عادلانہ مدافعت سے مسئلہ کے تحقیقی اور
ازامی دونوں پہلوؤں کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کا مثبت حصہ بہت زیادہ
دل آویز ہے جس میں متین انداز کے ساتھ مضبوط دلائل اور مؤکد شواہد سے مسئلہ کے کسی پہلو کو
تشنہ نہیں چھوڑا اور ساتھ ہی مسئلہ کے دفاعی پہلو سے بھی صرف نظر نہیں کیا۔ کیونکہ مثبت پہلو کے
ساتھ جب تک اس کا منفی پہلو صاف نہ ہو مسئلہ من کل الوجوہ مستحکم نہیں ہوتا۔ مصنف نے جہاں مثبت
پہلو سے ماننے والوں کے لیے سینہ کی ٹھنڈک کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ وہیں منفی پہلو کے دفاع
سے نہ ماننے والوں اور ان طعنے زلوں کا منہ بند کر کے ان پر حجت بھی تمام کر دی ہے جنہیں فاتحہ اور
ترک فاتحہ سے زیادہ صرف گروہی تعصب اور اس کا تفوق ہی زیادہ سے زیادہ پیش نظر ہے۔
لیکن ان کے مقابلے میں یہ تردید مسئلہ کے کسی اجتہادی پہلو کی تردید نہیں بلکہ ان کے تخیلات اور غیر
معتدل رویہ کی تردید ہے ورنہ ایک فروعی اور ایک اجتہادی اور اوپر سے مختلف فیہ مسئلہ کے
ایک پہلو کے اثبات و تحقیق پر اتنا زور دیا جانا تاہر ہے کہ مسئلہ کی جانب مخالف اور اس کے
ماننے والوں کی تردید یا مخالفت کے لیے نہیں ہے نہ ہونا چاہیے اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس
قسم کے فروعی مسائل نہ تو تبلیغی ہیں کہ انہیں دوسروں تک پہنچایا جانا اور ان کا متوایا جانا ضروری
ہو اور نہ معاذ اللہ تکذیبی ہیں کہ مخالف راستے رکھنے والوں کو جھٹلایا جانا اور ان کی تکذیب کی جانا

روا ہو بلکہ محض ترجیحی ہیں جن میں حق و باطل کا نہیں محض خطا و صواب کا اختلاف ہے وہ بھی علی الاطلاق نہیں بلکہ اپنا صواب بھی احتمال خطا کے ساتھ اور دوسروں کی خطا بھی احتمال صواب کے ساتھ مفید ہے اور پھر اس میں بھی دوسرے کی یہ متحمل خطا اس یقین کے ساتھ ہے کہ وہ اور اس کے ماننے والے اس پر مستحق اجر و ثواب اور مستوجب نجات و فلاح بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے دو جہتیں مسائل میں جن میں جانب مخالف باطل بھی نہ ہو وہ خطا قطعی بھی نہ ہو اور پھر سے نجات و اجر کا استحقاق بھی یقینی ہو کسی فریق کو یہ حق کیسے مل سکتا ہے کہ وہ مسئلہ کی مخالف سمت کے ساتھ طعنہ زنی اور تشنیع سے پیش آئے یا اسے باطل قرار دے کر ماننے والوں کو باطل قرار دے۔ اور اس کے بالمقابل اپنی مسئلہ جانب کی دعوت و تبلیغ کرنے لگے۔ فریقین کو اگر حق پہنچتا ہے تو صرف یہ کہ وہ وجوہ دلائل سے اپنی مسئلہ جانب کے مسلک سنت ثابت کرتے ہوئے اس کی ترجیح واضح کر دیں جس کا منہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے کو تہمت بدعت سے بری ثابت کر کے دائرہ سنت میں محمول دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ کہ مسئلہ جس سمت کو انھوں نے اختیار کیا ہے وہ ہوائے نفس سے نہیں بلکہ وجوہ شرعیہ سے۔ اس ترجیحی سلسلہ میں فریق ثانی کا ابطال یا معاذ اللہ تعالیٰ اضلال کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا کہ اس کی طرف التفات کی کوئی وجہ ہو بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ان فردی اختلافات میں سرے سے فریق بندی ہی نہیں ہے کہ فریق اول اور فریق ثانی کی بحث شروع کر کے بل میں مبارزہ کی زور آزمائیاں دکھلائی جائیں۔ فاتحہ خلف الامام ہو یا آپ میں بالجہ و بالستر رفع یدین ہو یا ترجیح اذان وغیرہ ان میں ہر مسئلہ کا مثبت اور منفی پہلو ایک ہی مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ مسئلے دو نہیں ہیں اور وہ پہلو بھی روایتی اور درایتی بحث سے سامنے آتے ہیں۔ شریعت لے بالا استقلال ابتداء ہی سے یکدم دو متضاد پہلو عمل کے لیے سامنے نہیں رکھے۔ اب یہ دو پہلو خواہ زمانے کے تفاوت سے سامنے آئے کہ ابتداء میں ایک پہلو صاحب شریعت کے زیر عمل آیا اور آخر میں دوسرا جس سے ناسخ و فسخ کی بحث پیدا ہوئی یا عزیمت و رخصت کے فرق سے سامنے آئے جس سے اولیٰ غیر اولیٰ کی بحث پیدا ہوئی یا تساوی کے ساتھ سامنے لائے گئے جس سے دونوں پہلوؤں میں

تعمیر کی بحث پیدا ہوئی، بہر حال کسی بھی معیار سے سامنے آنے ہوں ایک ہی مسئلہ کے دو پہلو رہیں گے۔ جس میں ناسخ منسوخ اولیٰ غیر اولیٰ افضل غیر افضل غریبت، رخصت تخیر و عدم تخیر کے معیار سے پہچان سامنے آتی رہیں گی اور وہ اپنے اپنے وقت اور ظرف اور کیف و کم کی ترجیحات کے ساتھ امت کے زیر عمل آتے رہیں گے جس سے پیغمبر صادق و مصدوق کا کوئی ارشاد اور ارشاد کا کوئی پہلو متروک العمل نہ رہے گا بلکہ ہر پہلو امت کے کسی نہ کسی طبقہ میں زیر عمل رہے گا اور اس طرح پوری امت نبی کے پورے ارشادات کی حامل اور عامل رہے گی۔ اندر میں صورت ایک روایت دوسری روایت کی ایک حدیث دوسری حدیث کی اور ایک آیت دوسری آیت ہی کی خود ہی فریق نہیں ٹھہرتی چہ جائیکہ رجال حدیث یا حاملین آیت و روایت باہم ایک دوسرے کے فریق قرار پائیں اور آپس میں نبرد آزما ہوں۔ اور ہل من مبارزہ کہ پہلوانوں کی طرح اکھاڑوں میں اتریں اور زور آزمائی کے جوہر دکھلائیں گویا آیات و روایات اسلحہ ہیں۔ حاملین آیات و روایات جنگی سپاہی اور شریعت ان کا میدان مبارزہ و مقابلہ، ظاہر ہے کہ حتیٰ طور پر سب سے پہلے اسلحہ نکراتے ہیں پھر سپاہی تو اس مبارزت طلبی کا مطلب یہ ہوا کہ خود آیات و روایات میں کوئی حقیقی تعارض اور تضادم ہے جس کی مجبوری سے حاملین آیات و روایات کو بھی باہم ٹکرائنا پڑا۔ حالانکہ یہ صورت حال خود کتاب و سنت مدفوع ہے اگر عیاذ باللہ تعالیٰ ان مختلف ذیہ مسائل کی ذاتی خاصیت ہی یہ نبرد آزمائی اور مبارزت طلبی ہوتی تو حضرات صحابہ و تابعین و آئمہ مجتہدین اور علمائے اربعین کو تو اس لڑائی بھڑائی اور جلیجوں سے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہ ملتی۔ کیونکہ وہ تو ان مسائل میں مجتہد اور مدعی کی حیثیت رکھتے تھے اور مدعی کو اپنے دعوے پر نسبت ناقض اور تابع کے زیادہ وجود اور استقلال ہوتا ہے جب ناقض اور تابع محض ہو کر ہمیں ان لڑائیوں سے فرصت نہیں تو مدعیوں کو تو ایک سیکڑ کے لیے بھی ان بل من مبارزہ کے جلیجوں سے مہلت نہ ملنی چاہئے تھی۔ اور ان کی لڑائی ہم سے کہیں زیادہ شدید اور مدہد ہوئی چاہئے تھی۔ لیکن صورت واقعہ برعکس ہے کہ قرون اولیٰ میں ان علمی اور فروعی مسائل کی جو اہم و شقوق میں ترجیح و اختلاف کے باوجود ان حضرات کے قلوب میں ہل من مبارزہ اور تہنجر کا تصور تک نہیں ملتا چہ نیکہ تضادم کا کوئی عمل دستیاب ہو اس لیے بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہماری مبارزہ طلبیاں اور شرعی لائنوں میں زور آزمائیاں ان مسائل کی خاصیت نہیں بلکہ محض ہمارے نفوس کی شرارتیں ہیں جن میں جذبات نفس

لگانے کا جب کہیں اور موقع نہیں ملتا تو ہم یہ کار خیر اس شرعی میدان میں انجام دے لیتے ہیں۔ بنیے کی مار ترانہ کی ڈنڈی۔ اس لیے میں تو اس تصور پر ہوں کہ جب صورت تعارض کے باوجود ایک حدیث دوسری حدیث کا فریق نہیں تو ان مسائل کے سلسلے میں مرجعین کا کوئی طبقہ کوئی دوسرے طبقہ کا فریق کیسے قرار پا سکتا ہے؟ میرے خیال میں کوئی شافعی، مالکی، اہل حدیث ان مسائل کی ترجیح کی حد تک نہ حنفی کا فریق ہے اور نہ حنفی ان میں سے کسی کا ان میں اگر ترجیح جاتی بحثیں ہیں تو وہ علمی اور فطری طور پر ایک حق کو دوسرے حق پر راجح قرار دینے کی ہیں۔ نہ کہ حق کو باطل کے مقابلے پر اختیار کرنے کی جن کا لڑائی چیلنجوں سے تعلق ہو۔ ہاں اگر ان مرجعین کے مقابلے میں کوئی طبقہ فریق کی حیثیت رکھتا ہے تو وہ طاعنوں تشیع کنندوں اور ان افراد کا ہے جو کسی بھی اجتہادی شق کی تبلیغ اور مذمت کے لیے مذہب و مشرب کے نام پر کھڑے ہوں۔ سو اس قسم کے طاعن اور تبرائی حضرات جس طرح تارکین فاتحہ خلف الامام کے فریق ہیں۔ اسی طرح قارئین فاتحہ خلف الامام کے بھی فریق ہیں۔ کیونکہ فاتحہ اور ترک فاتحہ تو حدیثی مسلک ہے لیکن طعن پر فاتحہ یا ترک فاتحہ ایسا طور کہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کو معصوم کیا جائے نہ حدیثی مسلک ہے نہ قرآنی نہ فقہی نہ کلامی۔ اس لیے اگر تارکین فاتحہ اور قارئین فاتحہ حامل بالحدیث ہونے کی وجہ سے اہل حق ہیں تو یہ طاعنیں فاتحہ و ترک فاتحہ کسی سمت کے بھی ہوں۔ ان اہل حق کے فریق ہیں جن کا تقابل نہ فاتحہ سے ہے نہ ترک فاتحہ سے بلکہ حق اور اہل حق سے ہے۔ پس ایسے لوگ بلاشبہ تردید کے بھی مستحق ہیں اور تکذیب کے بھی درحالیہ کہ یہ تردید و تکذیب نہ کسی مسئلہ کی ہوگی نہ مسئلہ کی کسی اجتہادی شق کی بلکہ صرف ان افراد کی اور ان کے غیر معتدل کلام اور کلام کے اس رویہ کی جس کا تعلق کسی حق سے نہیں بلکہ صرف ان کے جذبات نفس سے ہے۔

مصنف مدوح نے اپنی اس متین کتاب میں اگر کہیں رد و قسح سے کام لیا ہے تو وہ درحقیقت اسی طبقہ کے مقابلے پر ہے جو مسائل کو مسائل کی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ جذبات نفس کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ بقدر شخصے کہ وہ نہ آئین بانجھر پر لڑتا ہے۔ نہ آئین بانسپر بلکہ صرف آئین بالشپر اس لیے وہ دونوں قسم کی آئین والوں کا فریق مقابل ہے۔ کیونکہ آئین کی پہلی دو قسمیں تو روایات میں ملتی ہیں لیکن تیسری سے قرآن و حدیث خالی ہیں۔ اس کا وجود اگر ہے تو صرف ان لوگوں کے نفس میں ہو سکتا ہے اور بس۔ پس مصنف کو یقیناً کسی اجتہادی مسئلہ کی شق کی بھی تردید کا حق نہیں لیکن بالیقین

ایسے طعنہ زن اور ان کی ایسی غلط روشوں اور مطاعن کی تردید بلکہ تکذیب کا حق ضرور پہنچتا ہے۔ جو مسئلہ کے بجائے اپنے نفس کی مصلحت کو آگے رکھتے ہوں اور دلائل سے گزر کر جذبات کو مسئلہ کی کافی دلیل خیال کر رہے ہوں اگر مصنف نے ایسے لوگوں کی تردید کا فرض احسن الکلام کے ساتھ ادا کیا تو بلاشبہ انھیں اس کا حق تھا اور انھوں نے حق ادا کر دیا۔

اگر طعنہ زن حضرات کو حدیث کے نام پر زور آزمائی کا ایسا ہی شوق دامن گیر ہے تو انھیں چاہیے کہ وہ پہلے منکرین حدیث سے نہیں اور نفس حدیث کے موقف کو تھامنے میں بیوقوف رہ کر آزمائشیں دکھلائیں۔ وہ ان سے کیا شنا چاہتے ہیں جو خود ہی حدیث، فن حدیث، وفقہ حدیث اور ائمہ حدیث کے نتیجے اور ایک فانی گرویدہ و معتقد کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے یہاں حدیث رسول ہی نہیں رجال حدیث تک کی بے پناہ عظمت و بزرگی اور مخلصانہ پیروی کے جذبہ کو قائم رکھنا ایمان کا جزو و اعظم ہے۔ نیز ان طعنہ زن حضرات کو اگر واقعی تبلیغ حق کا جذبہ بے چین کیے ہوئے ہے تو وہ منکروں کو اصول اسلام اور اصل دین کی تبلیغ فرمائیں جس کی تبلیغ ضروری ہے تو فروعی مسائل کب ہیں کہ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو اس کے غمخوار کی جانب سے ہٹا کر اپنی غمخوار جانب پر لانے کی کوشش کرے نیز اگر تردید ضروری ہے تو غیر اسلامی اصول کی ضروری ہے نہ کہ کسی اجتہادی شق کی سمت فی لف کی جس میں ہمہ وقت صواب کا احتمال قائم رہتا ہے اور اس پر چلنے والا ہر وقت اجر و نجات کا مستحق ہوتا ہے۔ پس تبلیغی سرگزشتیاں اور بغض فی اللہ کے مجاہدانہ چیلنجوں کو اگر کام میں لانا ہے تو مختارین دین، متفرقین کتاب و سنت اور مستحضرین اسلام کے مقابلہ میں لانا چاہئے نہ کہ فاتحہ وغیرہ جیسے فروعی اور اجتہادی مسائل کی ترجیحی شقوق و جوانب کے نام پر خود معتقدین دین و ائمہ دین کے مقابلہ پر ہیں تو سمجھتا ہوں کہ جو حضرات ان فروعی مسائل کو محض ترجیحی اور عملی مسلک جان کر ان پر سچے دل سے عمل پیرا ہیں خواہ وہ اہل فقہ ہوں یا اہل حدیث۔ انھیں اس دوران میں کسی خفی غیر خفی اور اس کی تسلیم کردہ جانب کا قصور تک بھی نہ آتا ہو گا۔ چہ جائیکہ وہ اس کے خلاف غم و غصہ سے مغلوب ہو کر چیلنجوں کی عبارتوں سے اپنے ذہنوں کو مشتوش کرتے ہوں اور ہل من مبارز کے دھیان میں غرق ہوں۔ استفسار مسئلہ کے وقت دیا تھا اپنے نزدیک جو پہلو رائج ہو اسے رائج بتلانا اور مرجح کو مرجح کہنا اور چیز ہے اور مرجح کا ابطال اور افساد کرنا یا اس کے ماننے والے کی تفسیر و

تفسیق کرنا اور چیز ہے۔ پہلا کام اہل حق کا ہے اور دوسرا اہل حق کے مقابل فریق کا۔ بہر حال جیسا کہ ایک
 حنفی کو فاتحہ خلف الامام کے ماننے والے کو مبطل یا باطل پرست کہنے کی جرأت نہ ہونی چاہیے
 ایسے ہی کسی غیر حنفی کو ترک فاتحہ اور اس کے ماننے والوں کو باطل پرست یا مبطل یا ضال یا
 فاسق کہنے کی جرأت نہ ہونی چاہیے کہ یہ اسم فسوق بعد الایمان اور غیر مختاط تعبیر ہم نالانقوس
 ہی تک محدود نہیں رہتی ورنہ تک جاتی ہے جس کی زد سے کوئی بڑے سے بڑا بھی نہیں بچا رہتا۔
 کیونکہ عیاذ باللہ اگر ترک فاتحہ خلف الامام کوئی ضال یا گمراہ ہے تو یہ ضلالت بہت پرانی اور
 بہت سوں کی ہے۔

مرا برندی عشق آن فضول عیب کند

کہ اعتراض بر اسرار علم غیب کند

ہاں اس حد تک ہم طعنہ زنیوں کے ممنوع کرم بھی ہیں کہ اگر وہ طعن و تشنیع کی راہ سے اس
 مسئلہ کو اپنے جذبات اور شکوک کی آماجگاہ نہ بناتے اور ایک فریق کی حیثیت سے سامنے نہ
 آتے تو مصنف محترم مولانا محمد سرفراز خان صاحب کے ان دقیق علوم اور سالیب بیان سے
 ہم مستفید بھی نہ ہو سکتے جو اس جیلہ سے انھوں نے اپنی کتاب احسن الکلام میں رقم فرمائے
 ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر جہل علم سے نہ بکرائے تو علم کے غنی گوشے واشگاف نہیں ہو سکتے
 اگر کذب۔ صدق سے نہ کھائے تو صدق کی غنی قوت نمایاں نہیں ہو سکتی، اگر کفر اسلام سے
 نہ بکرائے تو اسلام کے غنی گوشے دنیا کو اپنا نور نہ دکھا سکتے بہر حال جب تک اخلاقی اصول
 سے نہ بھڑیں اصول کا وجود و ثبوت نمایاں نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اس عالم کو عالم
 اخلاقی بنایا ہے اور ہر اصول کے پیچھے اس کی ضد لگا دی ہے تاکہ وہ اس سے ٹکراتی رہے
 اور اس جیلہ سے اصول کی عظمت و قوت لپکتی رہے بایں معنی تکوینی طور پر طاعتوں اور
 منکروں کا وجود بھی مجموعہ کائنات کے لیے ایک حسن ہے اور ضروری ہے وہ اگر دونوں میں سے
 دو شبہات نہ ڈالیں تو اہل عرفان سے ان کے دھیان کی علمی تدبیریں بھی نمایاں نہ ہوں میشل
 مشہور ہے کہ ”ادب سیکھا جاتا ہے بے ادبوں سے“ یعنی وہ ذریعہ ادب دانی بن جاتے ہیں سو
 علم بھی بہت حد تک جہل سے ہی سیکھا جاتا ہے۔ یعنی جہل اور اس کے پیدا کردہ شکوک و شبہات

بھی بہت حد تک ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اہل علم کی گرم جوشی آمادگی اور ان کے انکارِ علم کا جس سے مخلوق خدا علم سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ بس اس حد تک اس طبقہ کا ہم سب ہی کو ممنون ہونا چاہیے کہ علم کے بہت سے مخفی گوشے ان کے سبب سے سامنے آگئے اور اس فسر میں سے ایک خیر ہمارے لیے نکل آئی۔ شر اپنی ذات سے شر مہی مگر مجموعہ عالم اور اہل معاملہ کے لیے نسبتاً وہی خیر ہے۔ مگر محض خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ کہ شر کے خیر برنے سے۔ اس لیے تگورینی طور پر تو ہم طعنہ زنیوں کے ممنون ہوں گے کہ ان کی بدولت کتنے ہی علم کے مخفی گوشے ہمیں دستیاب ہو گئے مگر حقیقی طور پر ہم مصنف احسن الکلام کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس حیلہ سے مسئلہ فائقہ کے تحقیقی اور دفاعی دونوں پہلوؤں کو بہت حد تک صاف کر دیا ہے جو موافق اور مخالف دونوں طبقوں کے لیے علمی حیثیت سے کارآمد ہوں گے۔ اگر خلاف رائے رکھنے والے حضرات کے لیے ان دلائل سے شفا ہو گئی تو ان کے خلاف میں شدت باقی نہ رہے گی خواہ وہ اپنے ہی مسلک پر عمل پیرا ہیں سو یہ کونسا کم نفع ہے اور اگر ان دلائل کے کسی مقدمہ کو کمزور یا کراںھوں نے جواب کے طور پر اسے واضح کیا تو ہم سب کے لیے ایک مزید علم کا اضافہ ہو گا اور یہ کونسا قلیل نفع ہے جو زندقہ علی کا مصداق ہو، بہر صورت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب اس تالیف لطیف کے لیے سرفراز ہوئے ہیں تو وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں اور احسن الکلام بحیثیت مجموعی حقیقتاً احسن الکلام ہے۔ حق تعالیٰ اس احسن الکلام کو حسن قبول سے سرفراز فرمائے اور اسے یثبعون حسنہ کا مصداق بنائے۔ آمین

محمد طیب غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

یکم ربیع الثانی ۱۴۷۵ھ

سید الناظرین سید العلماء

حضرت مولانا سید مہدی حسن رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق مفتی اعظم دارالعلوم، دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

و بعد۔ آج دنیا جس دور سے گزر رہی ہے خصوصاً مسلمان عام جن کٹھن مراحل سے گزر رہے ہیں۔

اس کا وقتی اور ہنگامی اقتضایہ تھا کہ وہ امت جس کا خدا ایک۔ رسول ایک، قرآن ایک۔ کعبہ ایک ہے

سرچڑ کر بیٹھتی اور ان امراض کا علاج تلاش کرتی جن امراض میں مسلمان مبتلا ہیں جن کی وجہ سے ان پر

زندگی دو بھرا اور وبال ہے۔ تحریکات گمراہ کن اور فتنہ خیز دین کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ نہیں، نہیں بلکہ

دریا کی موجوں طرح پلے بپے موجیں مار رہے ہیں جن کی لہروں کا اثر ساحل دریا سے باہر بھی کافی ہے:۔

بحرِ مگن کو ش کہ اس راستے پر نہ خط بست

بہیں کہ ابر بہار چمن تصور کن

بجائے اس کے آج بھی تشقت و افتراق کی صورتیں پیدا کر کے شقاق و خلاف کے راستے کو ہموار کیا

جاتا، ع وہ بچنے کس طرح بیٹھیں کب بیٹھائیں جاتا

اس پر طرہ یہ کہ اس کو دینی خدمت تصور کیا جاتا ہے جو مسائل برسہا برس سے ایسے چلے آتے

ہیں جن پر ہر زبان میں خامہ فرسائی ہو چکی ہے اور قلوب کی روشنائی خشک ہو چکی ہے۔ انھیں اقدانی

مسائل میں سے فاتحہ خلف الامام کا پرانا مسئلہ ہے کوئی نئی اور جدید تحقیق نہیں ہے جس کو دنیا کے سنا

پیش کیا جاتے اور وہ اس سے مستفید ہو۔ لیکن جن حضرات کی طبیعت ثانیہ یہ ہو گئی ہو کہ اختلاف

وسیع ہوتا رہے وہ کب گوارا کر سکتے ہیں کہ خاموش رہیں اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرتے رہیں لیکن

ایسا نہیں بلکہ دورِ حاضر کے ہمارے دینی بھائی اہل حدیث حد اعتدال سے باہر ہو کر اسی کے دپے

ہو گئے کہ جو امام کے پیچھے۔ اٹھ نہ پڑے اس کی نماز باطل ہے اور جب نماز ہی نہیں ہوتی تو

تارکین صلوٰۃ ہیں بلکہ قصد اس جرم کے مرتکب ہیں جو بجائے خود باعث نجات ہونے کے

موجب خسران اخروی ہے۔ یہ اپنی جگہ پر کہاں تک صحیح ہے۔ اس کو انھیں کے قلوب زیادہ محسوس کرتے ہوں گے کہ امت محمدیہ کی ایک بہت بڑی جماعت کی نمائندہ پر بطلان کا حکم لگا کر کیا دین کی خدمت ہے، جن میں حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؓ و تبع تابعینؓ وغیرہم کی کافی تعداد داخل ہے۔ ایسی صورت حال پر اس کی ضرورت تھی کہ اس مسئلہ کے ہر پہلو پر از سر نو متانت و سنجیدگی، مہذب و شائستگی کے ساتھ عمدہ انداز طریق سے روشنی ڈالی جائے جو پہلو اجاگر نہیں ان کو اجاگر کر دیا جائے تاکہ انصاف پسند اور علم پرور حضرات کی بصیرت و قیصر اس کو دیکھ کر اَحْسَنُت کہ اٹھے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آخر آمدن پس پردہ تشہیر پدید !

اس ضرورت کا احساس انجی محترم فاضل نور جان مولانا محمد سرفراز خان صفدر سرحدی خطیب جامع مسجد گنگوٹھ منڈی سے کیا اور اس مسئلہ پر محققانہ و منصفانہ بحث کر کے کتابی صورت میں اس کو شائع کیا جو احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الاحام کے نام سے موسوم ہے جس کے دو حصے ہیں۔ میں نے جزو اول کا اول سے آخر تک لفظ بہ لفظ اور جزو ثانی کا مختلف مقامات سے مطالعہ کیا ہے۔ خوبی اسلوب و انداز بیان، زبان کی صفائی کے ساتھ دلائل و براہین پر منصفانہ نظر ڈالی ہے۔ فاضل موصوف نے کسی پہلو کو تشذیب نہیں چھوڑا، معترضین کے شبہات کا جواب عالمانہ دیا ہے اور تحقیق کے ساتھ مجادلہ نہ طریق اختیار نہیں کیا کہ کتاب کی افادیت میں کمی واقع ہو۔ اپنے ہر دعویٰ کو براہین سے مدلل کیا ہے کہ مخالفین حضرات کو بھی اگر ان کے یہاں علم و انصاف کی قدر و قیمت ہے تو تسلیم کر لینے اور سکوت اختیار کر لینے کے سوا چارہ کار نہیں ہے اس محنت و حق ریزی اور تحقیق و تنقید کی جملہ، خات کی طرف سے فاضل موصوف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور سب انصاف خائفین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور مخلوق کے طریق رشد و ہدایت کا رہبر بنائے۔ طلباء و عام کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ علماء بھی اس کتاب کے مطالعہ سے دریغ نہ فرمائیں کہ براہین و دلائل اور آثار و اقوال ائمہ کی کجائی طور پر اس کتاب میں ملیں گے۔ بعض مباحث ایسے بھی اس کتاب میں ملیں گے جو بڑی عرق ریزی اور کافی مطالعہ کتب

بمشکل حاصل ہو سکتے ہیں جن کو فاضل مولف نے بہت خوبی کے ساتھ اپنے اپنے موقع پر پیش کیا ہے اس لیے ہر اس شخص کو اس کتاب سے استفادہ کرنا چاہیے جو حقیقت سے وابستہ ہو تاکہ اپنے مذہب کی صداقت خصوصاً مسئلہ فتنہ خلف الامام میں ہویدا اور نمایاں ہو جائے۔ طباعت و کتابت کی کہیں کہیں کوتاہیاں ہیں جو اس شہت آئندہ میں دور ہو جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

احقر الزمن

السید مہدی حسن غفرلہ خادم دارالافتاء الواقعہ

بدارالعلوم دیوبند۔ ۳/۷/۱۳۵۵ھ

شیخ العرب العجم رأس الاقنیا مجاہد ملت
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب کی تحریر سے میں حرف بحرف موافقت کرتا ہوں و ردعا کرتا
ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا محمد سرفراز خاں صاحب موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین
تنگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
مدرس دارالعلوم، دیوبند

رئیس المحققین قامع البدعت محی السننہ شیخ الحدیث
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم (میتھام گڈ بیل)

میتھ

۱۲ فریقہ، ۳۴۴ھ

فاضل محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
آپ کا قیمتی ہدیہ (احسن الکلام) مجھے بروقت مل گیا تھا۔ اس عنایت کے لیے میں

آپ کا دل سے شکر گزار ہوں۔ اپنی بے اطمینانی کی وجہ سے میں اب تک آپ کی کتاب پڑھی نہیں پڑھ سکا پھر بھی متعدد مقامات سے کئی کئی ورق پڑھے، آپ کی محنت و جانکاہی پر دل سے دعا تھی۔ میں نے آپ کی کتاب کو اس لحاظ سے بہت زیادہ پسند کیا کہ آپ نے انہیں اصول کو سامنے رکھ کر جوابات دیے ہیں جن اصول کی بنا پر معترضین نے اعتراضات کیے ہیں۔ بالخصوص آپ نے تحقیق الکلام کی طرف جو خصوصی توجہ فرمائی اس کے لیے آپ خاص طور پر مستحق مبارکباد ہیں۔ اس لیے کہ ہماری جماعت کے سب اہل و عاقل کی وجہ سے اس کو لا جواب سمجھا جا رہا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

چونکہ یہ کتاب مقابلہ پر لکھی گئی ہے اور فریق مخالف صرف ٹکٹہ چینی ہی کے خیال سے اس کو دیکھے گا، اس لیے مخالف کی نگاہ پڑنے سے پیشتر بعض ایسی باتیں جو میرے خیال میں صحیح نہیں معلوم ہوتیں۔ ان کی نشاندہی کرتا ہوں۔ آپ بھی غور فرمائیں۔ اگر آپ کو بھی مجھ سے اتفاق ہو تو فیہا ورنہ جانے دیجیے۔

چونکہ میں نے مسلسل پوری کتاب نہیں پڑھی اس لیے کیف ما اتفق جہاں جہاں جوابات مجھے کٹکی ہے اس کو میں نے نوٹ کر لیا ہے۔

حبیب الرحمن الاعظمی

نوٹ: حضرت نے تین صفحات پر مشتمل تحریر میں متعدد غلطی کی نشاندہی کی تھی جن کی اب بھرا اللہ تعالیٰ تصحیح کر لی گئی ہے۔ صدقہ

حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رضا رحمۃ اللہ علیہ

سابق مفتی اعظم جامعہ رشیدیہ منگل پور ٹیلیڈو مرید خورشید اللہ

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد سرفراز خاں صاحب، ارباب اللہ تعالیٰ فی عمرہ و علمہ و عملہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد گزارش کہ احسن الکلام، تیرید النواظیر، گلدستہ توحید، دل کا سرور میں نے پڑھا کر سنی ہیں۔ ماشاء اللہ تعالیٰ آپ بہت وسیع النظر ہیں اور ذہین۔ حافظہ و فہم بہت پایا ہے، مگر معام نہیں یہ سب کتب جن کے حوالے آپ

نے دیے ہیں۔ کیا یہ سب آپ کے پاس موجود ہیں؟ جب میری بیانی تھی تو انوار السنن و جامع الاما
 نیوی والیضاح الادلہ و ہدایت المعتدی۔ والفرقان دیوبندی۔ و انوار نعمانیہ و ستہ ضروریہ فیض لوی
 کا مطالعہ کیا تھا۔ مگر تحقیق الکلام کا جواب مصنف مرحوم کی زندگی میں کسی نے نہ لکھا۔ اسب
 البکار المنن کا جواب مولانا عبدالرشید ابن نبوتی نے لکھا تھا۔ جس کا قلمی نسخہ انھوں نے مجھ کو بھی
 بھیجا تھا۔ جو جالندھر مولوی خیر محمد صاحب کے مکتبہ میں انقلاب کے وقت وہیں رہ گیا۔ ہمارے
 مدرسہ کی سب کتب اور مولوی خیر محمد صاحب کے مدرسہ کی کتب انقلاب میں سب ضائع
 ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ ایک مجلسی طلاق ثلاثہ کی بابت آپ کتاب شائع کرنے کو ہیں؟ تیار ہونے
 پر پتہ کرنا۔ مولوی حبیب الرحمن اعظمی مدرس مدرسہ میو بھجن ناتھ ضلع اعظم گڑھ نے طلاق ثلاثہ
 کی بابت دو جلد میں کتاب لکھی ہے۔ جس میں علامہ ابن قیمؒ و غیر مقلدین کے جواب دیے ہیں۔
 وہ کتاب بھی وطن میں ضائع ہو گئی۔ شاید آپ کی نظر سے گزری ہے یا نہیں۔ البکار المنن کا جواب
 ابن نبوی طبع نہیں کرا سکے۔ غریب ہونے کے سبب قلمی تین نسخے تیار کیے تھے۔ ایک نسخہ
 مجھ کو بھیجا اور ایک مبارک پوری صاحب کو اور ایک اپنے پاس رکھا۔ حضرت شیخ الہند فرماتے
 تھے کہ امام بخاریؒ بڑے ذہین تھے۔ تھوڑا سا ذہن اور ہوتا تو امام ابو حنیفہؒ کے برابر ہوجاتے۔
 امام نوویؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کا ذہن طویل و عریض تو بہت ہے مگر امام اعظم رحمہ
 کے عمیق ذہن تک پہنچ نہیں سکتے۔ فقط آپ کے حوالہ جات بقید صفحات لکھنے سے یہ
 معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر تھنڈا کے مکتبہ میں لکھ رہے ہیں یا مکتبہ مدرسہ دیوبند میں کیا یہ سب
 کتب آپ کے پاس ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام فقط

خادم حبیب اللہ خلف حضرت مفتی رح

خادم طلبہ جامعہ رشیدیہ۔ ۵ شوال ۱۳۷۴ھ

فقیر وقت المحقق المدقق
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان
بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

مولانا ابوالزہاد محمد سرفراز خاں صاحب عقیدہ کی محققانہ تازہ تصنیف "احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام" دیکھنے کا موقع ملا جو اپنے موضوع میں بے نظیر کتاب ہے۔ طرز بیان نہایت سلیس ہے اور اس مسئلہ میں غلو و تعدی کرنے والوں کا بہترین جواب ہے۔

مسئلہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام ان مسائل میں سے ہے جن میں حضرات صحابہ و تابعین کے زمانے سے اختلاف اور بحثیں چلی آتی ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں مستقل کتابیں اور رسالے اس موضوع پر لکھے گئے ہیں اور ایسے اجتہادی اختلافات میں تمام اہل حق کا مسلک یہی ہوتا ہے کہ ان کے جس پہلو کو وہ رائج سمجھتے ہیں اس کو اختیار کر لیتے ہیں اور دوسری جانب پر طعن و تشنیع اور زبان درازی جائز نہیں سمجھتے۔ علمی بحث و تحیص کا مقام آتا ہے تو اس میں مناظرانہ بحثیں بھی ہوتی ہیں مگر اس نظر سے نہیں کہ ان کا حریف باطل پرست یا گمراہ ہے۔ اور اجتہادی اختلافات کا تمام اہل سنت و الجماعت کے نزدیک یہی مقام ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آج کل کی فضا میں جہاں کفر و الحاد کے طوفان نئی نئی شکلوں سے اٹھ رہے ہیں۔ سرے سے حدیث ہی کو ناقابل عمل ٹھہرایا جا رہا ہے۔ قرآن میں طرح طرح کی معنوی تحریفیات کے لیے ادارے بنائے جا رہے ہیں، کسی خدا ترس ذی علم کے لیے اس کا کوئی موقع نہ تھا کہ ان پرانی بحثوں کو تازہ کر کے ایک نیا فقہ قرآن و حدیث کے ماننے والوں اہل سنت میں پیدا کرتا۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بعض ناواقبت انیش کم علم لوگ جو اپنے آپ کو فرقہ اہل حدیث سے منسوب کرتے ہیں اور حقیقتاً نصاب پسند اہل حدیث بھی ان کے طرز عمل سے متنفر ہیں۔ کفر و الحاد کے دنیا میں پھیلنے سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کی فکریں صرف اس میں مبذول رہتی ہیں کہ خفی مسلمان کو گمراہ، بے نماز بلکہ کافر و مشرک قرار دیں۔ اسی قسم کے بعض لوگوں نے حال میں کچھ رسائل شائع کر کے مسلمانوں

میں انتشار و اختلاف کا دروازہ کھولا تو ہمارے محترم مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خاں صاحب نے ضرورت محسوس فرما کر زمانہ حال کے طرز اور سلیبس اردو زبان میں اس موضوع پر دو جلدوں میں یہ ضخیم کتاب تصنیف فرما کر مسئلہ کے ہر پہلو کو خوب واضح فرمادیا۔ اس سے پہلے جتنی کتابیں اردو زبان میں بھی اس مسئلہ کے متعلق نظر سے گذری ہیں اول تو ان میں پوری مباحث کے لیے جامع کم ہیں، پھر خالص تعلیمی زبان میں ہیں آج کل عوام کہتے ان سے استفادہ مشکل ہے اس کتاب کا فاضل نے ماشاء اللہ تعالیٰ بڑی خوبی سے تمام جوانب کی رعایت رکھ کر اس کے حسن کو دو بالا کر دیا ہے۔ جزاء اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء وقبّل منه مسعاہ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۲۵ شوال ۱۳۷۲ھ

علامہ عصر امام المناظرین استاد العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سابق مہتمم مدرسہ عربیہ شمید المدارس، ملتان، مغربی پاکستان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بعد حمد و صلوة۔ مسئلہ قرأت خلف الامام سلف و خلف میں ہمیشہ مختلف فیہا رہا ہے۔ مگر اس کا اختلاف اولیت و غیر اولیت تک محدود رہا۔ مثبتین حضرات نے تارکین قرأت پر بطلان صلوة کا جارحانہ حربہ کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ البتہ ہمارے زمانے کے اکثر غیر معتدل اہل حدیث علما جمہور سلف و خلف کے خلاف بڑی شد و مد سے اپنی تحریر و تقریر میں اس دکاندار حربہ کو استعمال کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ بایں ضرورت جمہور کی طرف سے بھی اصلاحی طور پر تحقیقی و جوابی رسائل کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو معاندین کے لیے مسکت اور منصفین کے لیے قانع تھا۔ مگر بعض رسائل میں جزوی مباحث پر کلام تھا اور بعض میں قدر ضرورت پر اکتفا تھا۔ اس لیے ہنوز ضرورت تھی کہ اس مسئلہ میں ایسی جامع اور مسکت کتاب شائع ہو جو تمام مباحث پر حاوی ہو۔ سو بھگد اللہ تعالیٰ فاضل نوجوان حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب سرحدی خطیب جامع مسجد گھر منڈی ضلع

گو جز انوالہ نے کتاب احسن الکلام فی ترک القرآۃ خلف الامام ہر دو جلد تصنیف فرما کر احسن طریق سے اس ضرورت کو پورا فرمادیا۔

امام شافعیؒ کے مذہب کی تحقیق اہل حق اور رواۃ احادیث کے تراجم ووفیات اور ہر ہر مبحث پر محققانہ و منصفانہ تفصیلی دلائل و براہین اس کتاب کی خصوصیات ہیں مجھے سفر و علالت کے دوران میں صرف جلد اول کے مطالعہ کا حرفاً حرفاً موقع مل سکا۔ بفضلہ تعالیٰ اس مسئلہ کے متعلق فریقین کے بہت سے رسائل دیکھنے کا موقع مجھے بھی میسر آیا ہے اس لیے بلا تکلف عارض ہوں کہ میرے نزدیک یہ کتاب اس مسئلہ کے تمام مباحث پر جامی اور جامع ہے۔ کوئی مبحث اس میں تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ فریقین کے لیے اس کا مطالعہ نافع ہوگا۔ خصوصاً حنفی المذہب علماء و طلباء کو خود زیر مطالعہ رکھنا اور اس سے استفادہ کرنا ضروری ہے اور اس کی اشاعت میں سعی کرنا مذہبی فریضہ کے مرادف ہے۔ حق تعالیٰ اس کتاب کو مفید عام اور نافع تام بنادے۔ اور حضرت مولف علامہ دام فیضہ کو جزا و احسن عطا فرماتے ہوئے اس قسم کے دیگر مسائل پر محققانہ رسائل تصنیف فرمانے کی توفیق مزید شامل حال رکھے۔ آمین ثم آمین۔

احقر خید محمد عفا اللہ عنہ

مستتم مدرسہ عربیہ خیر المدارس، عمان، و فی القعدہ ۱۴۱۲ھ

شیخ کامل رئیس المجاہدین مفسر قرآن کریم
حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
امیر انجمن خدام الدین شیر انوالہ درازہ

بِسْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ اَتَابِعُ
میں نے احسن الکلام فی ترک القرآۃ خلف الامام محقق مولانا ابوالزہاد محمد سرفراز خاں صاحب
دامت معالیہم کی دونوں جلدوں کو متعدد مقامات سے بغور پڑھا ہے، مولانا ممدوح نے بحث
اور عرق ریزی سے اپنے مجرہ موضوع کو دلائل و براہین سے مدلل فرمایا ہے۔ اگر اس عنوان

کے مخالفین انصاف اور تقویٰ سے کام لیں تو انہیں سوائے سکوت اور تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔ بارگاہ الہی میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور مخالفت کرنے والوں کی ہدایت فرمائیے۔ آمین یا الہ العالمین۔

العارض احقر الانام احمد علی عفی عنہ لاہوری ۱۷ شوال ۱۳۷۲ھ

امید موحدین سید المناظرین الحافظ الحجۃ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب دام فیضہم سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و حال شیخ الحدیث گوجرانوالہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد عرض ہے کہ مجھے محترم دوست مولانا محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب لاجواب احسن الکلام فی ترک القراءة خلف الامام کے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا جس کے بعد میں کتاب موصوف کی مندرجہ ذیل خوبیوں اور خصوصیات پر مطلع ہوا:

- ۱۔ استیعاب اطراف میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ ۲۔ زور استدلال میں بے مثال ہے۔
- ۳۔ جامعیت مضامین میں بحر محیط ہے و معترضین کے اعتراضات کے جوابات میں دیوار فولاد ہے۔
- ۴۔ مصنف کے تبحر علمی کا زندہ ثبوت ہے۔

و بارک اللہ فی عمرہ و علمہ و مث نہ و صلاتہ و عا شان و حفظہ من آفات الزمان و عصمہ من شر ای سیدہ و اصحاب العدوان۔

العبد ابو عبید اللہ شمس الدین عفی عنہ ۵ شوال ۱۳۷۲ھ

شیخ طریقت حافظ الحدیث علامہ حضرت مولانا شیخ القرآن الحدیث محمد عبد اللہ صاحب
درخواستی دام مجدہم مہتمم مدرسہ عربیہ مخزن العلوم خانپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وحدہ و الصلوٰۃ والسلام علی من و علیٰ آلہ وصحبہ و جمیع من اقتفی اثنہ۔ اما بعد، فقد رأیت رسالۃ احسن الکلام

من تليف ابو نوى محمد سرفراز خان صفدر فراتى موشى به (مثل و خطايا عن
الجدل فجزى الله تعالى المؤلف، حسن الجزاء وارجو من الله تعالى ان يستفيع به العوام
والخواص وان يترك اهل الجدل الجدل قال النبى صلى الله عليه وسلم ما ضل
قريعه هدى كانوا عليه الا وتوالجدل الخ بكل شجرة الاسلام من علمه فنه
اكثر لى لمارا وامر بكائهم - فاكثرتهم مستحسن لخطا فستفيع لى صواب غيره -
فايهم المرجوفينا ليه وايهم الموثوق فينا برأيه هداة لذين ضلوا وقد بنت
خسارتهم فبالدين بالدين فما رجحت تجارتهم -

حزبه الفقرا لى الله محمد عبد الله در خواستى

مهتم مدرسة العربية مخزن العلوم خانپور

استاذ الاساتذ محقق وقت الفقيه حضرت مولانا شيخ الحديث محمد عبد الرحمن صاحب
سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور

بسم الرحمن الرحيم - الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى - اما بعد -

احقر نے رسالہ احسنی، الکلام مؤلف مولانا محمد سرفراز خان صاحب بعض مقامات سے
دیکھا۔ اس مختصر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مؤلف سلمہ نے استدلال اور تنقید میں تحقیق اور ثبات سے
کام لیا ہے۔ طعن و تشنیع سے (جو آج کل کے بعض حضرات نے اختیار کر رکھا ہے) اجتناب کیا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ ایسے مسائل مختلف فیہا میں طعن و تشنیع ایک امر قبیح کا ارتکاب ہے۔ اللہ
تعالیٰ مسلمانوں کو اور خصوصاً حضرات علما کو اس سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف سلمہ کی اس
تالیف کو قبول اور مخلوق خدا کو اس سے مستفید و مستفیض فرمائے۔ اللہم وفقہ لما تحب
وترضی من القول والعمل والہدی انک علی کل شئی قدير۔

العبد الاحقر

عبد الرحمن غفرلہ

از بیہودی ملک مالاکیمیل پور ۶ شوال ۱۳۷۳ھ

شیخ المعقول والمنقول علامہ و ہر فرید عصر حضرت مولانا شیخ القرآن

والحدیث محمد سلطان محمد صاحب ^{تعالیٰ}

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام على رسولنا الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين

اما بعد۔ میں کتاب احسن الکلام کو بلا استیعاب تو نہیں دیکھ سکا لیکن اس کی دونوں جلدوں کے بعض بعض مقاموں کو نہایت غور و تدبیر کے ساتھ پڑھا ہے اور پڑھنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ درج ذیل ہے :

۱۔ مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں مولانا محمد سر فراز خاں صاحب کے دو فریضے تھے۔ پہلا فریضہ اپنے دعوے کو دلائل سے واضح کرنا۔ دوسرا فریضہ فریق مخالف کے دلائل کا جواب دینا۔ مؤلف صاحب نے ان دونوں فریضوں کے ادا کرنے میں کمال کر دیا ہے۔ اپنے دعوے کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔ فریق مقابل کو ان کے دلائل کے جوابات عقلیہ و نقلیہ کا وہ نظارہ دکھایا ہے جو تادم زیست ان کی نظروں سے غائب ہو ہی نہیں سکے گا۔

۲۔ طرز بیان نہایت ہی سلیس و عام فہم ہے صرف اردو خواں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۳۔ اس مسئلہ کے متعلق بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں لیکن احسن الکلام جیسا مفصل و جامع دلائل عقلیہ و نقلیہ میری نظر سے کوئی دوسرا رسالہ نہیں گزرا۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

آمین۔ و آخر دعا مولانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خادم العلماء

سلطان محمد عفی عنہ

ناظم مدرسہ علوم نبوت (کھیلانہ شیخاں انجمن)

سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی

نمونہ سلف بقیت الخلف حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحب فاضل

مہتمم مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خشک ضلع پشاور

حضرت علامہ زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ وصول پایا۔ حسب
الحکم احسن الکلام کے بعض مقامات دیکھے گئے۔ افسوس کہ نہایت حدیم الفرصتی کی وجہ سے
مکمل کتاب کا مطالعہ نہ ہو سکا۔ تاہم جستہ جستہ مقامات کو بغور دیکھا گیا۔ بزرگوار ام ایسی
جامع اور مسئلہ کے سر پہلو پر حاوی کتاب پر تقریظی جملے لکھنا میرے خیال میں سورج کے
سامنے چراغ دکھانا ہے لیکن محض تعمیل حکم کی غرض سے چند جملے تحریر کیے جاتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اَحْمَدُ لِمَنْ تَقَوَّدَ بِالْقَدَمِ۔ فَكُلُّ شَيْءٍ مَّا سِوَاهُ مُسْتَبَوٌّ بِالْعَدَمِ وَالْقِلَّةِ

وَالسَّلَامِ عَلَى سَيِّدِ الْعَرْبِ وَالْعَجَسْرِ وَعَلَى آلِهِ وَآحِبَائِهِمْ مَصَابِيحُ الْفَلَاحِ

اما بعد تمام مشاغل میں افضل و بہترین مشغلہ غلو ص نیت کے ساتھ علوم دینیہ اور مسائل شرعیہ

کی تحقیق ہے جو افضل العبادت میں محسوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف نے اسی کو اپنی زندگی کا اہم
نصب العین اور اپنی تمام سرگرمیوں کا محور قرار دیا تھا۔ اور قسمتی عمروں کو اسی مبارک مشغلہ میں فنا کیا ہے۔

بالخصوص ایسے مسائل شرعیہ میں علمی تحقیقات کو امت کے سامنے پیش کرنا جن میں امت کے نقطہ ہائے
نظر سلف و خلف مختلف ہے ہوں۔ علوم دینیہ کی بہترین خدمت اور امت کے ساتھ انتہائی درجہ کی فیضی

ہے جو ہر طرح قابل قدر اور لائق تیش ہے کہ اسی میں امت کے مختلف انخیال حضرات کے خیالات

کی ایک حد تک اصلاح اور طالب عمل کے لیے ایک واضح شاہراہ متعین ہو جانے کے قوی امکانات
پائے جاتے ہیں۔ مسئلہ قرابت خلف الامام بھی چونکہ ان معرکہ الارار مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔

جس میں ہرزمانے کے اکابرین ملت نے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ اور اس پر طبع آزمائی فرمائی

ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ عنائیر الجزار لیکن زیادہ تر پردہ ملامت اس مسئلہ میں علماء اخلاف ہی کو بنایا

جا چکا ہے اور بنایا جا رہا ہے کہ صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے بھی علماء اخلاف قرآنہ خلف الامام

پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ اور احادیث نبویہ سے کھلی ہوئی مخالفت کر رہے ہیں

حالانکہ مسئلہ کے تحقیقی اور استدلالی پہلو پر اگر انصاف سے نظر ڈالی جائے تو اخاف اس مسئلہ میں نہ اپنی رائے میں متفرق ہیں۔ اور نہ شاہراہ اور جادۂ حق سے ان کے قدم ہٹتے ہیں۔ ضرورت تھی کہ اس اہم موضوع پر ایک ایسی علمی تحقیق پیش کی جائے جو نہ صرف توضیح مسئلہ کے لیے مفید ہو۔ بلکہ اظہار حق فی ہذا الباب کے لیے برہان ساطع کی حیثیت بھی رکھتی ہو۔ خدا تعالیٰ جزا و خیر دے۔ مصنف احسن الکلام حضرت علامہ مولانا ابو الزادہ محمد سر فراز خاں صفدر صاحب کو کہ اس نے اس ضرورت کو پورا فرما دیا۔ اور اپنی علمی تحقیقات کو اس مسئلہ کے بارے میں ایک ایسی کتاب کی شکل میں علماء امت کے سامنے پیش فرمایا جس کے متعلق یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پچھلی تمام ان کتابوں سے یہ کتاب مستغنی کر دینے والی ہے۔ جو اس مسئلہ کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ کتاب اپنے حسن ترتیب اور مضامین کی شائستگی اور مکمل تشریح مسئلہ کے علاوہ اور بھی بہت سی خصوصیات کی حامل ہے جن کی وجہ سے کتاب اس قابل ہو گئی ہے کہ اہل انصاف عموماً اخاف خصوصاً اس کو اپنے لیے بیش بہا تحفہ اور مبارک ہدیہ سمجھیں۔ سب سے زیادہ قابل ستائش اور لائق تحسین خصوصیت یہ ہے کہ ملت کے بلند پایہ علماء کرام اور ائمہ عظام کے صحیح اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ مدعی کے اثبات اور تحقیق انساب کے لیے مستند نقول سے کام لیا گیا ہے۔ نیز مخالفین حضرات کے اعتراضات کے جوابات ایسے تسلی بخش طریقہ سے دیے گئے ہیں جو انصاف پسند حضرات کے لیے موجب تسکین ہیں۔ امید کہ اہل علم حضرات اس کتاب سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف مدظلہ کی اس سعی و کوشش کو قبول فرمائیں اور اس کا رخیر کے بدلہ میں ان کو اجر جزا یا عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين۔

عبدالحی عفی عنہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹھٹک ضلع پشاور (سرحد) ۱۳۶۴ھ

پیر کامل عالم بمبیل حامی سنت ماحی بدعت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

سابق مہتمم مدرسہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَمَرَ بِتَحْقِیْقِ بَعْدَهُ۔ اَبَدًا دُنْیَا مِیْنِ مَقُولَات

ور تعالٰی کو دیکھ جاتا ہے۔ قرآن خلف الامام کے بارے میں قرن اقل سے لے کر آج تک اہل اسلام کا عدم فرضیت پر جمہور کا تعالٰی رہا ہے۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ سترے نمازوں میں (وجوب قرآن فاتحہ کے دعوے میں) منفرد ہیں۔ اسی واسطے محققین شوافع اس کے قائل نہیں۔ منقولات میں سے جہری (بلکہ جملہ) صلوات میں واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا نقص قطعی ہے۔ اطلاق الفاظ سے قطع نظر خود شان نزول بھی آیت کا بتصریح ائمہ کرام حصہ نماز ہے۔ سترے نمازوں میں آثار مر فرعہ و موقوفہ کے تبادر سے عدم قرآن مقتدری ثابت ہوتی ہے بلکہ بعض آثار میں وعیدیں بھی موجود ہیں۔ مجتہزین حضرات کی جانب سے (اصولۃ الزواجر) تہذیب الکتب پیش کی جاتی ہے جو حضرت جابرؓ اور امام احمد اور سفیانؓ جیسے جلیل القدر حضرات منفرد کے حق میں فرما رہے ہیں۔ باقی جتنی حدیثیں قرآن خلف الامام کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں بعض صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں وہ دلالت علی المقصود پر صریح نہیں۔ بایں ہمد اخاف کی طرف سے جب کبھی اس مسئلہ پر کچھ لکھا گیا ان کی اس میں دفاعی حیثیت ہے۔ اقدام ہمیشہ مجتہزین حضرات سے ہوتا رہا وہ بھی اس طعن کیساتھ کہ اخاف کی نماز مردود اور باطل ہے وغیرہ وغیرہ۔ بقول متباکیا نہ کرتا۔ مجبوراً کچھ نہ کچھ لکھنا پڑا۔ حضرت محقق مولانا محمد سر فراز خاں صدقہ زید علیہ نے اس بارے میں ایک مبسوط کتاب احسن الکلام لکھی ہے۔ اس میں بلا مبالغہ محقق مصنف نے بغیر تعصب کے میر حاصل بخیش فرمائی ہیں اور اس مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر کلام مشہج فرماتی ہے: ع

آخر آمد بود فخر الاولین!

شاید اس کے بعد کسی راہ اور مردود کو قلم اٹھانے کا موقع ہی نہ رہے۔ اللہ تعالٰی مولانا کے صالحی باقیات میں اس تصنیف لطیف سے اضافہ فرمادے اور عامۃ المسلمین کو متمتع فرماوے آمین۔
احقر ابو سعید محمد شفیع عفی عنہ سرگودھا۔

اموۃ صاحبین شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحب غور غشتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفَّ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الْاَذْدِیْنِ اصْطَفٰی۔ میں نے کتاب حسن الکلام کی دونوں جلدوں کا مطالعہ کیا نہایت عمدہ اور مفید کتاب ہے اہل اسلام کو مناسب ہے کہ اس کا

مطالعہ کریں خصوصاً اخاف کو (اور ان اخاف کو تو علی الخصوص) اس کا مطالعہ ضروری ہے جو کہ اپنے مذہب کے معتبرات سے ناواقف ہیں۔ وصلى الله على رسوله وخير خلقه محمد وعلى آله واصحابه وجميع امتہ اجمعین۔

مسکین نصیر الدین غورغشوی

اُستادُ العلماءِ رَأْسُ الْمُتَحَقِّقِينَ حضرت مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی دستبر کاظم

ترجمہ زفی ضلع پشاور

سابق وزیر معارف شرعیہ ریاست ہائے متحدہ بلوچستان شیخ التفسیر العلوم دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بجیل، حالاً شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ نَحْمَدُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الْكَرِيمُ مَا بَعَثَ أَحْسَنَ الْكَلَامِ فِي تَرْكِ الْقِرَاءَاتِ خَلْفَ الْأَمَلِ تصنيف مولانا ابوالزاد محمد سرفراز خان صفدر کو میں نے بغور ملاحظہ کیا۔ اس مسئلہ پر قبل ازیں نفاذ و اثبات کافی رسائل و اجزاء لکھ گئے ہیں لیکن ان سب میں زیر تبصرہ کتاب کی شان نزالی ہے۔ مصنف علام کو حفاظت اصول و فروع دین و رد غلو غالین و تحریفات مبتدعین میں ایک ممتاز ملکہ حاصل ہے۔ فکرا اللہ تعالیٰ مساعیا حسنہ الکلام کے دو حصے ہیں اور بنیادی اجزاء آٹھ ہیں۔ پہلے حصہ میں مذہب حنفی یعنی منہجیت فاتحہ خلق الامام کو کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و آثار صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور اولہ عقلیہ قیاسیہ و اجتہادیہ ثابت کیا گیا ہے۔ یہ اس حصے کے بنیادی چار اجزاء ہیں۔ دوسرے حصہ میں مخالفین کی دعویٰ کثرت فاتحہ کے دلائل قرآنیہ، حدیثیہ، اثریہ اور عقلیہ کا جواب دیا گیا ہے۔ یہ دوسرے حصے کے بنیادی چار اجزاء ہیں۔ گویا پہلے حصے میں مذہب حنفیہ کے مثبت پہلو کا بیان ہے اور دوسرے

صفحہ میں منفی پہلو کا۔

بہر حال یہ کتاب بلحاظ کثرت مواد، سلاست بیان و ضبط و لائق و رد اشکالات مخالفین اور جامعیت جمیع ابکات متعلقہ بالموضوع کے لحاظ سے اپنی شان میں بے نظیر ہے۔
میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف علام کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور مسلمانوں کو اس کتاب سے نفع اٹھانے کی توفیق بخشے۔ آمین

شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ
جامعہ اسلامیہ بہاولپور

۲۵ محرم ۱۳۹۶ھ

۱۶ مئی ۱۹۷۶ء

محقق جلیل فاضل لبیب حضرت علامہ مولانا محمد عبدالرشید صانغی دہلوی

باسمہ بجا نہ و بجزہ اباعد

بگرامی خدمت مخدوم و مکرم حضرت مولانا صدقہ صاحب متع اللہ تعالیٰ المسلمین بفیضہم
اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
دبر کا تہم۔

بفضلہ تعالیٰ آپ کی گراں قدر تصنیف نبیہ احسن الکلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا گیا۔
سرسری تھا قیلولہ کے وقت تاہم استفید ہوا۔ دل سے دعا نکلی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی مشکوٰۃ فرماتے۔ آپ نے بحث کا خوب احاطہ کیا۔ بڑی اچھی کتاب لکھی۔ تحقیق الکلام کے جواب کا قرض جو حنفیوں کے ذمے چلا آتا تھا مع شے زائد ادا کر دیا۔ جزاک اللہ تعالیٰ عتاد عن سائر المسلمین خیراً۔
گو بعض جگہ بحث کا رنگ غیر مقلدوں (نام نہاد اہل حدیث) کی طرح متعنتانہ ہو گیا، مگر اس سلسلہ میں غالباً آپ کا اندر یہ ہو گا کہ خصم نے اس طرز پر مجبور کیا کہ قدیم زمانے سے خصم نے ظلم کا یہی طریق اپنا رکھا ہے۔ والہا دی الظلم۔ والسلام

خاکسار نعمانی از کراچی

۲۹ شعبان ۱۳۹۵ھ

نوٹ: حضرت علامہ نے چند غلطیوں کی نشاندہی فرمائی جن کی اب اصلاح کر لی گئی ہے۔ (صدقہ)

حضرت العلام فقیہ جلیل مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

مہتمم اشرف المدارس ناظم آباد کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احسن الکلام کی تحقیق عمیق اور جامعیت دیکھ کر

بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائیں۔ فقط والسلام

رشید احمد

از اشرف المدارس ناظم آباد کراچی

۱۳ رمضان ۱۳۹۸ھ

نوٹ: حضرت مفتی صاحب نے بھی چند غلطی کی اصلاح کا مشورہ دیا۔ جن کی

اس طبع میں اصلاح کر دی گئی ہے۔ (مقدر)

دیباچہ طبع سوم

مُبَسِّلاً وَحَمْدًا وَ مَصَلًیًّا

ابا بعد راقم اشیم اللہ تعالیٰ کے بے حد و لا شمار انعامات و احسانات کا شکریہ کس زبان سے ادا کئے کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس گنہگار کو جہاں اور جتنی اور معنوی انعامات سے نوازا وہاں دین کی خدمت اور تالیف کتب کا زترین موقع بھی مرحمت فرمایا اور بفضلہ تعالیٰ راقم اشیم کی ہر کتاب اپنی اپنی جگہ مفید ثابت ہوئی۔ فی اللہ تعالیٰ الحمد زیر نظر کتاب احسن الکلام کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی سے جو شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی۔ وہ پاک و بلند کے جتید اور نامی گرامی علم و کرام کی عمدہ آرا اور بلند پایہ تصدیقات سے بالکل عیاں ہے اور ان حضرات میں سے بعض وہ بزرگ ہستیاں ہیں کہ علمی اور تحقیقی طور پر وہ بین الاقوامی شہرت و حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے علم پر عوام تو کیا بلکہ خواص اور مزید بزرگ خواص ان خواص کو بھی گلی اعتماد دیئے۔ اس دیباچہ میں ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ چند ضروری باتیں عرض کرتے ہیں۔

۱۔ طبع دوم کے دیباچہ میں ہم نے یہ گزارش کی تھی کہ جو حضرات (ان کا نقطہ نظر خواہ کچھ ہی) ہماری کوتاہیوں پر ہمیں آگاہ کریں گے تو ہم ان کا شکریہ ادا کریں گے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ خاصی مفید رہی ہے۔ چنانچہ فاضل جلیل محقق العصر حضرت العلامة مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی دامت برکاتہم اور عالم سحر پر نور سلف فقید مرزا

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت فیوضہم کراچی نے بعض اغلاط کی نشاندہی کی جن کی اب تصحیح کر دی گئی ہے اور ہم ان حضرات کے ممنون احسان ہیں۔ اسی طرح ہمارے کرم فرما معتمد صاحب نے ترجمان الحدیث میں ایک ردوی کی تعیین کے بارے میں غلطی بتائی ہے۔ ہم نے اس کی بھی اصلاح کر دی ہے اور وہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں بایں ہمہ اب بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ طبع ہذا اغلاط سے بالکل مبتلا ہے۔ مجلات انسان کا کام اور وہ بھی راقم اٹیم جیسے بلہ بضاعت اور پرتقصیر کا کام غلطی سے کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ

تم تو چٹھوں کے طلب گار نظر آتے ہو

مستند دامن میں تو کانٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں

مگر اب بھی ہم شرح صدر کے ساتھ کہتے ہیں کہ معقول اغلاط کی نشاندہی پر ہم ہر وقت شکرگزاری کے لئے تیار ہیں۔

۳۔ احسن الکلام کے معرض وجود میں آنے کی وجہ سبب تالیف میں باحوالہ مفصل مذکور ہے کہ فریق ثانی امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض قرار دیتا ہے اور نہ پڑھنے والوں کی نماز کو ناقص کا عدیم، بیکار اور باطل قرار دیتا ہے۔ اور خفیوں کو بے نماز اور مفسدین صلوة کے خطاب سے نوازتا ہے اور حتیٰ کہ احناف کی عورتوں سے بلا طلاق غیر مقلدوں کا نکاح جائز قرار دیتا ہے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو کافر اور ٹھکانہ النار تک ناروا فتوؤں سے رگیدتا ہے۔ اور ظاہر امر ہے کہ فرضیت قطعی دلیل کے بغیر تو ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اور اہل علم جانتے ہیں کہ قطعی دلیل نص قرآنی، خبر متواتر اور اجماع ہی ہے ان کے علاوہ اور کوئی دلیل قطعی نہیں مگر یقین جانیے کہ فریق مخالف اپنے اس باطل اور بے بنیاد دعوے پر ایک بھی حوالہ اور دلیل نہیں پیش کر سکا اور نہ تاقیامت پیش کر سکتا ہے اور جو غیر متعلق اور بے جان دلائل انھوں نے پیش کیے ہیں ان کا حال احسن الکلام سے بفضیلتاً بخیر فی واضح ہو چکا ہے اور کتاب کو پڑھنے والا ہر منصف مزاج اس کو سمجھ سکتا ہے۔

۴۔ ترجمان الحدیث میں عین اس دور میں جبکہ تحریک ختم نبوت اپنے عروج پر تھی مسلمان تو کیا حتیٰ کہ خود کو مسلمان کہلانے والے طبقے بھی مرزائیوں کو کافر قرار دینے کے سلسلے میں

قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے اور ہمارے کرم فرما ترجمان الحدیث میں قسط وار احسن الکلام پر برسے میں اور اس میں کثیرے نکالنے میں مصروف تھے اور تحریک ختم نبوت کے قائد اور روح رواں حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری المتوفی ۱۳۹۷ھ کو ان کے استاد محترم کی کتاب "نبیل الفرقین" ص ۷۷ کے ایک حوالہ کے پیش نظر بلاوجہ ان الفاظ سے خطاب کیا جا رہا تھا کہ یہ حضرت (مولانا سید محمد انور شاہ صاحب) کا شیرازی اور ان کے تلامذہ بالخصوص حضرت بنوری یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اہل بینہ کا مسلک ترک رفع الیدین تھا؛ بلکہ (ترجمان الحدیث) بابت ماہ نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۱۳۷۔ ہر سہ ماہی آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ایک خالص اسلامی اور مذہبی تحریک کے قائد کو تحریک کے دور میں ان کے استاد محترم کا حوالہ نکال کر کوسنا اور مطعون کرنا اور وہ بھی محض ایک فرعی مسئلہ میں کیا معنی رکھتا ہے؛ لیکن اس متعصبانہ کاروائی سے اُن کی شخصیت اور عظمت میں کیا فرق پڑا؟ آخر انہیں کی مبارک قیادت میں یہ مشکل ترین مسئلہ حل ہوا اور قانونی طور پر مرزائیوں کے ہر دو فرقے (قادیانی اور لاہوری) کا فرقہ قرار دیے گئے۔ و نعم ما قیل۔

جنہیں حقیقہ سمجھ کر بھجا دیا تم نے

وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

۴۔ جہور اہل اسلام اور ان میں سے علی الخصوص اخوان کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم اس مسئلہ کو اخلاقی مسئلہ سمجھتے ہیں اور صرف یہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ سمیت کسی بھی قسم کی قرأت ممنوع اور مکروہ ہے۔ نہ تو وہ اس مسئلہ میں کسی کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ کسی کی منکوحہ بیروی چھیننے کا فتویٰ دیتے ہیں اور نہ کسی کو اس مسئلہ کی وجہ سے فی النار و السقر تک پہنچاتے ہیں مگر فریق ثانی کو لفظ مکروہ بھی خاصا اچھا ہے۔ چنانچہ ترجمان الحدیث ص ۱۸ بابت ماہ جولائی ۱۹۷۳ء میں مشہور مؤرخ اسلام اور حنفی عالم کا شکوہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی سے سبھی اہل علم واقف ہیں کسی دور میں ان کا مشہور قول تھا کہ آدمی عیسائی ہو سکتا ہے، غیر مقلد نہیں ہو سکتا یہ بزرگ فاتحہ خلف الامام کو مکروہ خیال کرتے تھے ابو بکر نقل حضرت مولانا شبلی مرحوم کا مشہور قول آخر بلاوجہ توہرگز نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اس کی تہ میں کچھ ہو گا اور انہوں نے فرد کچھ محسوس کیا ہو گا۔ نیز اگر واقعی اخوان کی نماز کا احکم، بے کار اور باطل ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ

فاتحہ نہیں پڑھتے اور کلاس کے قائل ہیں۔ اور مبتدی طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ جو حکام امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کا ہے وہی حکم نہ پڑھنے کا حکم دینے کا ہے اور ہر محقق حنفی یہی کچھ کہتا ہے تو غیر مقلدین حضرات اپنے شیخ النکل مولانا سید زبیر حسین صاحب (المتوفی ۱۴۲۰ھ) کی زندگی بھر کی جمعہ کی نمازوں کے بارے میں کیا فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ آیا ان کی نمازیں ادا ہوئیں یا نہیں؟ کیونکہ لکھنے والوں نے ان کے حارات میں لکھا ہے کہ بلکہ مدت العرش ابی مسجد (دہلی) کے حنفی امام کے پیچھے نماز جمعہ ادا فرماتے رہے۔ (مقدمہ معیار لجنہ صحت) اس سے یہ بات بالکل روشن اور عیاں ہو گئی کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ النکل نہ صرف یہ کہ حنفی امام کو مسلمان سمجھتے بلکہ ان کو اپنے سے بہتر قرار دے کر مدت العمر ان کی اقتداء میں جمعہ کی نماز ادا کرتے رہے۔ لہذا غیر مقلدین حضرات کو اس ناروا غلو اور بے بنیاد دعوے فوراً رجوع کر لینا چاہیے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت نہ کرنے والے اور اسی طرح اس کو ضروری نہ قرار دینے والے مسلمان نہیں یا کم از کم بہتر مسلمان نہیں یا بے نماز اور مفسدین صلوٰۃ ہیں کیونکہ اس باطل نظریہ سے اخلاف کا تو کچھ نہیں بچتا۔ البتہ خود ان کے اکابر اس کی زد میں آتے ہیں اور اس باطل دعوے سے خود ان کے بزرگوں کا دامن علم و تقویٰ مطعون و مجروح ہوتا ہے۔ غور کرنا خود ان کا کام ہے۔

اگر کچھ کم ہے جو کچھ ہو چکا بیدار کرنے کو
تو کل افسانہ عبرت کے عنوان اور بھی ہوں گے

۵۔ ترجمان الحدیث میں کئی قسطوں میں احسن الکلام پر اکثر وہی اعتراضات قدرے تشریح کے ساتھ بد مزہ سے بد مزہ کر کے پیش کیے گئے ہیں جن کے اصولی طور پر مدلل جوابات یا حوالہ احسن الکلام میں مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت قتادہ مدلس ہیں۔ حضرت ابواسحاق مختلط اور مدلس ہیں۔ محدث ابوالنیر مدلس ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ ضعیف ہیں۔ محمد بن اسحاق اور نافع اور علامہ ابن عبد الرحمن ثقہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ انہیں یہ کہ فلاں راوی کے بارے میں احسن الکلام میں تضعیف یا تخریق کا فلاں جملہ نقل نہیں کیا گیا اور فلاں عبارت کا معنی غلط کیا ہے اور فلاں موقوف حدیث کو مرفوع بنا دیا ہے اور فلاں حوالے میں کتب بیہودہ کی ہے اور فلاں عبارت کا صحیح مطلب مولف احسن الکلام اپنی جہالت

کی وجہ سے نہیں سمجھ سکا اور فلاں جگہ دجل و تبلیس سے کام لیا ہے اور فلاں عبارت کو سیاق و سباق سے الگ کر کے مطلب لیا ہے اور فلاں مقام پر راوی کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن اسی راوی کو ثقات اور شاہدین پیش کر کے اس سے احتجاج کیا ہے اور ہمارے فلاں راوی کو ضعیف کہہ دیا ہے اور فلاں راوی کو اپنے ہاتھ کے کرب سے ثقہ کر دکھایا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بھلا اللہ تعالیٰ اہل علم اور سمجھدار حضرات احسن الکلام کے مضبوط اور محسوس دلائل اور روشن حوالوں اور اس کی عمدہ ترتیب اور سلاست سے بخوبی واقف ہیں اور ان تمام رکیک شبہات کا رد اس میں مذکور ہے۔ ہمیں مزید کچھ کہنے اور کہنے کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ محض کیشے نکالنے اور اعتراضات کرنے سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ پتھرت دیا نہ سر سوتی سننے اپنی کتاب سینا تھ پر کاش کے چودھویں باب میں بسم اللہ سے لے کر والناس تک قرآن کریم پر اعتراضات کیے ہیں۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) لیکن اس سے کلام اللہ تعالیٰ کی صداقت و عظمت پر کیا زبردستی یا پڑ سکتی ہے؟ منکرین حدیث مجبوشی طور پر کتب حدیث پر ہستے رہتے ہیں مگر اس سے دینی کتب کے اس عظیم ذخیرہ میں کیا کمی اور نقص پیدا ہو سکتا ہے؟ خود غیر مقلد حضرات فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کتابوں پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ ان کی کتاب حقیقۃ الفقہ اور نتائج الثقلید وغیرہ میں اس امر کا واضح اور واضح ثبوت موجود ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری پر ان کی طرف سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ تو قریب کے حلقوں میں پان فروشوں اور ائمہ فروشوں تک پہنچ چکے ہیں لیکن اس سے ان کو بجز اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکالنے کے اور کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تمام کتابیں بھی موجود ہیں اور ان میں مذکور ہزار مسائل بھی موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق برابر فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اسی طرح اگر بعض مہربانوں کی طرف سے احسن الکلام پر بھی کچھ لایعنی سوالات ہوئے ہیں یا ہوتے ہیں تو اس سے اس کے صحیح دعوای اور قوی دلائل اور حکم پر ہر مہربان میں کیا فرق پڑتا ہے۔ اہل خرد جانتے ہیں کہ نری لفاظی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

الف لظ کے سچوں میں الجھتے نہیں مانا

غواص کو مطلب کا صدف سے کہ گہر سے

۱۔ ہماری دانست میں ترجمان الحدیث میں احسن الکلام پر کیے گئے جملہ اعتراضات میں

صرف دو باتیں علمی طور پر قابل توجہ ہیں۔ ممکن ہے بعض اہل علم کو ان سے مغالطہ پیدا ہو۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہاں نقل کر کے قدرے تفصیل سے ان کے جوابات عرض کر دیے جائیں تاکہ کسی کو غلط فہمی پیدا نہ ہو اور صحیح بات بھی سامنے آجائے۔

اقل ہم نے احسن الکلام میں اسرائیل عن ابی اسحاق کی ایک سند سے استدلال کیا تھا۔ اس گزشتہ کرتے ہوئے ترجمان الحکامیٹ ماہ جون ۱۹۷۴ء میں صفحہ ۷۸ تا ۷۹ اس مشہور محدث اور صحیحیہ کے مرکزی راوی امام ابواسحاقؒ کے اختلاط اوردان کی تہذیب پر خاصی ملاحظہ حاصل بحث کی ہے جس کی چند اہم اور مرکزی باتیں یہ ہیں:

(۱) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ بخاری میں ان سے بجز ان کے اصحاب قدمائے اور کوئی روایت میں نہیں دیکھی۔ (ہدی الساری جلد ۲ ص ۱۹۹)

(۲) ابواسحاق مدلس تھے اور ان کا غنہ صحت حدیث کے منافی ہے۔ در آخر عمر میں اختلاط اور تغیر کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (ترجمان مذکور ص ۲۸)

(۳) زہیرؒ کی روایت عن ابی اسحاق امام بخاریؒ اور محدث ثبارؒ کی پوری کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ امام ابو داؤدؒ زہیر عن ابی اسحاقؒ کو اسرائیل عن ابی اسحاقؒ سے بدجہا بہتر قرار دیتے ہیں اور بقول امام احمدؒ اسرائیلؒ نے ابواسحاقؒ سے اختلاط کے بعد بھی سنا ہے۔ (ص ۲۷) لہذا ان کو ان پر کوئی مزیت حاصل نہیں۔ الجواب: یہ جو کچھ کہا گیا ہے دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں ترتیب وار جوابات ملاحظہ کیجیے:

(۱) خود حافظ ابن حجرؒ ہی امام ابو زرعہؒ امام ابو حاتمؒ امام احمدؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ زہیرؒ نے ابواسحاقؒ سے آخر عمر میں ابواسحاقؒ کے غلط ہونے کے بعد سماعت کی ہے۔ (ملاحظہ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۵۲)

اور زہیرؒ کی ابواسحاقؒ سے بخاری ج ۱ ص ۲۷۷ ج ۱ ص ۱۳۹ ج ۱ ص ۲۲۷ وغیرہ میں بیہتیں موجود ہیں اور حافظ ابن حجرؒ زکریا بن ابی نائندہؒ کے بارے میں امام احمدؒ اور محدث عجمیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ابواسحاقؒ سے آخر عمر میں سماعت کی ہے۔

(دیکھیے تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۷۰)

اور زکریا بن ابی نائندہؒ کی ابواسحاقؒ سے روایت بخاری ج ۱ ص ۲۲۷ وغیرہ میں موجود ہے۔

اور خود معترض مذکور امام ابو داؤد درجہ کی تحقیق کے پیش نظر اسرائیلؑ کی ابو اسحاقؑ رحمہ سے روایت ان کے اختلاط کے بعد بھی تسلیم کرتے ہیں اور بخاری ج ۱ ص ۵۶۵ و ۵۷۵ و ۵۱۲ وغیرہ میں اسرائیلؑ عن ابی اسحاقؑ رحمہ کی سند سے کئی روایات موجود ہیں پھر یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ بخاری میں ابو اسحقؑ کے ان قدیم شاگردوں کی روایات ہی مذکور ہیں جنہوں نے ان سے اختلاط سے قبل سماعت کی ہے۔ بس یہی کہا جائے گا کہ ابو اسحقؑ رحمہ ایسے مختلط ہوئے ہی نہیں کہ ثقاہت سے گریز کریں اور اسرائیلؑ رحمہ کی روایت ابو اسحاقؑ رحمہ سے اثبت اور راجع ہے۔ ہاں بعض کے نزدیک اگر آخر عمر میں ان کے حافظہ میں کچھ تغیر ہوا ہے تو اس دور میں زیتر نے ان سے سماعت کی ہے۔

(۱۶) اگرچہ امام بخاری رحمہ اور مبارک پوری صاحبؒ کے نزدیک زہیر عن ابی اسحقؑ رحمہ کی روایت راجع ہے مگر امام ابو زرعہ رحمہ، امام ابو حاتم رحمہ، امام احمد رحمہ اور امام ترمذی رحمہ وغیرہم حضرات کی تحقیق کے لحاظ سے زہیر کی ابو اسحاقؑ رحمہ سے روایت کمزور ہے اور ابو داؤد رحمہ کے علاوہ باقی تقریباً تمام حضرات اسرائیلؑ رحمہ عن ابی اسحاقؑ رحمہ کو اصح اور راجع قرار دیتے ہیں اور اس کے متعلق احسن الکلام میں واضح حوالے موجود ہیں وہیں ملاحظہ کر لیں۔ یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۷) اسرائیلؑ رحمہ کے بارے میں امام احمد رحمہ کی یہ رائے کہ انہوں نے ابو اسحاقؑ رحمہ سے آخر عمر میں سماعت کی منفرد رائے ہے اور باقی حضرات اسرائیلؑ رحمہ عن ابی اسحاقؑ رحمہ کو اثبت کہتے ہیں لہذا جمہور کے نزدیک اسرائیلؑ رحمہ عن ابی اسحقؑ رحمہ کی سند بلاشبہ صحیح اور راجع ہے۔

دوم۔ احسن الکلام میں ابوالزبیرؑ عن جابرؑ کی ایک سند سے احتجاج کیا گیا تھا اس پر کلام کرتے ہوئے ترجمان الحدیث ماہ فروری ۱۹۷۴ء ص ۲۹ تا ۳۰ و ماہ مارچ ۱۹۷۴ء ص ۳۸ تا ۳۹ میں مشہور محدث ابوالزبیرؑ (محمد بن مسلم بن تداسؑ) کے عنعنہ پر طویل اور ناکام بحث کی ہے جس کے مرکزی نکات یہ ہیں:

(۱) ابوالزبیرؑ مدلس تھے اور محدثین کرام رحمہ کی خاصی جماعت نے ان کے مدلس ہونے کا ذکر کیا ہے اور بعض محدثینؑ کے حوالے بھی انہوں نے ذکر کیے ہیں۔

(۲) ابوالزبیرؑ کی سیث رحمہ کے طریق اور سند سے عنعنہ والی روایت تو صحیح اور قابل قبول ہے مگر اس کے علاوہ ابوالزبیرؑ رحمہ کی کوئی روایت جو عنعنہ سے ہو قابل قبول نہیں ہے اس پر

بھی چند حوالے انھوں نے نقل کیے ہیں۔

(۳) ابوالزبیرؓ کی جن روایات میں تحدیث ہے وہ تو قابل قبول ہیں اور جن روایات میں ان کا عنعنہ ہے اور وہ لیث کے طریق سے بھی نہیں تو چونکہ دیگر حضرات صحابہ کرام رض سے بھی وہ روایات مروی ہیں۔ بنا بریں اگر ابوالزبیرؓ کے سماع کی تصریح ان مخصوص اشخاص سے نہ بھی ملے تب بھی صحت حدیث پر کوئی حرف نہیں آتا۔ (محصلاً)

الجواب۔ معترض صاحب نے یہ جو کچھ بھی کہا ہے ان کو سود مند نہیں ہے۔

اول تو اس سے کہ بلاشبہ ابوالزبیرؓ کا نام مدلسین کی فہرست میں موجود ہے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں جتنے حوالے اس سلسلہ میں معترض صاحب نے نقل کیے ہیں اگر ہم چاہیں تو مجدداً اللہ تعالیٰ ان سے دو گئے حوالے مزید نقل کر سکتے ہیں لیکن ابوالزبیرؓ ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مفسر نہیں اور احسن الکلام میں توجہ النظر کے حوالے سے اس کی بحث موجود ہے جس کی قدر سے تفصیل یہ ہے کہ علامہ جزائریؒ نے حافظ ابن حزمؒ کے حوالے سے مدلسین کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم ان مدلسین کی ہے جو حافظ و حامل ہوں اور ان کے بارے میں وہ تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وسواء قال اخبرنا فلان او قال عن فلان	اور برابر ہے کہ وہ مدلس اخبرنا فلاں کہے یا
او قال فلان عن فلان كل ذلك واجب قبوله	عن فلاں کہے یا قال فلاں عن فلاں کہے ان سب
ما لم يتيقن انه اور حديث بعينه	صورتوں میں اس کی روایت واجب القبول ہے
ايراد غير مسند فان ايقنا ذلك	جب تک کہ یہ یقین نہ کر لیا جائے کہ اس نے کوئی
تركنا ذلك الحديث وحده فقط و	حدیث غیر مسند پیش کی ہے اور جب ہمیں اس کی
اخذه ناساثر رواياتهم	یقین ہو جائے کہ اس نے فلاں حدیث مسند بیان
وهذا النوع منهم كان حيلة	نہیں کی تو ہم صرف وہی روایت اس کی ترک کریں گے
اصحاب الحديث واثمة المسلمين	اور باقی اس کی تمام روایات لیں گے
كالحسن البصري وابي اسحاق	اور اس قسم میں بڑے بڑے محدثین اور ائمہ المسلمین
السبيعي وقتاده بن دعامه وعمر	شامل ہیں جیسے حسن بصریؒ ابواسحاق السبیعیؒ
بن دينار وسليمن الامش وابي	قائدہ بن دعامہؒ عمرو بن دينارؒ سليمانؒ الامشؒ

الزبیر وسفیان الثوری وسفیان بن عیینہ
عیینہ اھ (کتاب الاحکام فی

اصول الاحکام ج ۲ ص ۱۲۱ لابن

حزم وتوجیہ النظر ص ۲۵۱ للجزائری) لابن حزم وتوجیہ النظر ص ۲۵۱ للجزائری

۱ اہل علم جانتے ہیں کہ بیشتر صحیح احادیث کے روایات یہی حضرات ہیں اس عبارت سے یہ ضابطہ معلوم ہوا کہ ان مذکور حضرات کی جن میں ابوالزبیر رحمہ بھی شامل ہیں معنعن احادیث مطلقاً قابل قبول ہیں اور ان کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ چوٹی کے محدثین نے ان حضرات کی معنعن روایات سے استدلال کیا ہے چنانچہ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ

وفي الصحيح قطعة من الاحتجاج

بعلقته المدلس كابي الزبير عن جابر

وسفیان عن عمرو بن دينار ونظائر

كثيرة لذلك - (تمهذيب سنن ابی داؤد)

جند ۷ ص ۹۸

۱ امام بخاریؒ نے ابوالزبیرؒ کی مقرون بعطل کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ جلد ۱ ص ۲۹۱ اور

جلد ۱ ص ۹۸ و جلد ۱ ص ۲۳۳ میں ابوالزبیرؒ عن جابرؒ کو متابعات میں پیش کیا ہے اور اسی طرح جلد

ص ۱۷۶ میں بھی لیکن کتابت کی غلطی سے ابوالزبیرؒ کی جگہ ابوزید لکھا گیا ہے۔

(دیکھیے مصری نسخہ بخاری مع شرح فتح الباری جلد ۳ ص ۲۳۱ و عمدة القاری جلد ۸ ص ۱۷۶)

بلکہ امام بخاریؒ نے ابوالزبیرؒ عن جابرؒ کی سند سے احتجاج بھی کیا ہے۔ اہل علم بخیر جانتے

ہیں کہ امام بخاریؒ رحمہ فقہی مسائل بیان کرنے کے لیے باب ترجمہ اور عنوان قائم کرتے ہیں اور علماء

کا مشہور مقولہ ہے فقہ البخاری فی الابواب والتراجم۔ پھر اس دعوے کے اثبات کے لیے

کبھی تو وہ مسند اور مرفوع روایت پیش کرتے ہیں اور کبھی معلق روایت اور کوئی اثر

نقل کرتے ہیں اور اس طریقے سے وہ اپنے دعوے کو مدلل اور مبرہن کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ

فہر جلد ۲۲۴ میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ باب الاہلال من البطحاء وغیرہا للمکی الخ یعنی مکہ مکرمہ میں رہنے والے کا بطحا وغیرہا سے احرام باندھنے کا باب۔ (مہنی کے قریب ایک جگہ ہے جس میں بکثرت سنگ مرمرے ہیں اس کو بطحہ، ابطح، محصب، حصہ اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔ اس وقت اس کے قریب کلیہ عبدالعزیز یعنی عبدالعزیز (کالج چیم) اور امام بخاری رحمہ اللہ کے اثبات کے لئے وقال ابو الزبیر عن جابر بن عبد اللہ من البطحاء کے اثر سے احتجاج کیا ہے باب میں پیش کردہ اس دعویٰ کے اثبات کے لیے اور کوئی دلیل انھوں نے پیش نہیں کی انصاف شرط ہے کہ احتجاج اور استدلال اور کیا ہوتا ہے؟ اگر امام بخاری رحمہ اللہ اس دعویٰ کے اثبات کے لیے کوئی اور مسند اور مرفوع حدیث پیش کی ہوتی اور ساتھ یہ اثر بھی پیش کیا ہوتا تو ہم سمجھتے کہ ابو الزبیر رحمہ اللہ جابر بن عبد اللہ کا اثر صرف متابعت میں پیش ہوا ہے مگر ایسا نہیں ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

والفتح الجمہور بحديث ابی الزبیر
عن جابر رض وهو الذی علقه المصنف
فی هذا الباب..... الخ

جمہور نے ابو الزبیر رض عن جابر رض کی روایت سے
استحاج کیا ہے اور وہ یہی حدیث ہے جس کو امام بخاری
نے اس باب میں معلق بیان کیا ہے۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ۲۵۶)

الغرض جب مور محدثین کو امراء ابو الزبیر عن جابر رضا کی سند سے احتجاج کرتے اور اس کو بالکل صحیح سمجھتے ہیں۔

دوئم اس لیے کہ اگر صرف لیث رحم عن ابی الزبیر رحمہ کی سند سے ہی ابوالزبیر کی معنعن حدیثیں صحیح ہیں اور باقی نہیں تو پھر مسلم شریف کی ان تمام روایات کی صحت کا انکار کر دیا جائے، جو ابوالزبیر رحمہ سے من غیر طریق لیث معنعن مروی ہیں۔ مثلاً جلد ۱ ص ۳۲۳ و ص ۳۲۴ و ص ۳۶۲ و ص ۳۶۵ و جلد ۲ ص ۲۷ و ص ۲۸ و ۳۲ و ۳۸ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۷ و ۴۸ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ و ۶۰ و ۶۱ و ۶۲ و ۶۳ و ۶۴ و ۶۵ و ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹ و ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴ و ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ و ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ و ۸۸ و ۸۹ و ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ و ۹۳ و ۹۴ و ۹۵ و ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳ و ۱۰۴ و ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۰۹ و ۱۱۰ و ۱۱۱ و ۱۱۲ و ۱۱۳ و ۱۱۴ و ۱۱۵ و ۱۱۶ و ۱۱۷ و ۱۱۸ و ۱۱۹ و ۱۲۰ و ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۲۴ و ۱۲۵ و ۱۲۶ و ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰ و ۱۳۱ و ۱۳۲ و ۱۳۳ و ۱۳۴ و ۱۳۵ و ۱۳۶ و ۱۳۷ و ۱۳۸ و ۱۳۹ و ۱۴۰ و ۱۴۱ و ۱۴۲ و ۱۴۳ و ۱۴۴ و ۱۴۵ و ۱۴۶ و ۱۴۷ و ۱۴۸ و ۱۴۹ و ۱۵۰ و ۱۵۱ و ۱۵۲ و ۱۵۳ و ۱۵۴ و ۱۵۵ و ۱۵۶ و ۱۵۷ و ۱۵۸ و ۱۵۹ و ۱۶۰ و ۱۶۱ و ۱۶۲ و ۱۶۳ و ۱۶۴ و ۱۶۵ و ۱۶۶ و ۱۶۷ و ۱۶۸ و ۱۶۹ و ۱۷۰ و ۱۷۱ و ۱۷۲ و ۱۷۳ و ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۷۶ و ۱۷۷ و ۱۷۸ و ۱۷۹ و ۱۸۰ و ۱۸۱ و ۱۸۲ و ۱۸۳ و ۱۸۴ و ۱۸۵ و ۱۸۶ و ۱۸۷ و ۱۸۸ و ۱۸۹ و ۱۹۰ و ۱۹۱ و ۱۹۲ و ۱۹۳ و ۱۹۴ و ۱۹۵ و ۱۹۶ و ۱۹۷ و ۱۹۸ و ۱۹۹ و ۲۰۰ و ۲۰۱ و ۲۰۲ و ۲۰۳ و ۲۰۴ و ۲۰۵ و ۲۰۶ و ۲۰۷ و ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۱۰ و ۲۱۱ و ۲۱۲ و ۲۱۳ و ۲۱۴ و ۲۱۵ و ۲۱۶ و ۲۱۷ و ۲۱۸ و ۲۱۹ و ۲۲۰ و ۲۲۱ و ۲۲۲ و ۲۲۳ و ۲۲۴ و ۲۲۵ و ۲۲۶ و ۲۲۷ و ۲۲۸ و ۲۲۹ و ۲۳۰ و ۲۳۱ و ۲۳۲ و ۲۳۳ و ۲۳۴ و ۲۳۵ و ۲۳۶ و ۲۳۷ و ۲۳۸ و ۲۳۹ و ۲۴۰ و ۲۴۱ و ۲۴۲ و ۲۴۳ و ۲۴۴ و ۲۴۵ و ۲۴۶ و ۲۴۷ و ۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰ و ۲۵۱ و ۲۵۲ و ۲۵۳ و ۲۵۴ و ۲۵۵ و ۲۵۶ و ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۲۵۹ و ۲۶۰ و ۲۶۱ و ۲۶۲ و ۲۶۳ و ۲۶۴ و ۲۶۵ و ۲۶۶ و ۲۶۷ و ۲۶۸ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۷۱ و ۲۷۲ و ۲۷۳ و ۲۷۴ و ۲۷۵ و ۲۷۶ و ۲۷۷ و ۲۷۸ و ۲۷۹ و ۲۸۰ و ۲۸۱ و ۲۸۲ و ۲۸۳ و ۲۸۴ و ۲۸۵ و ۲۸۶ و ۲۸۷ و ۲۸۸ و ۲۸۹ و ۲۹۰ و ۲۹۱ و ۲۹۲ و ۲۹۳ و ۲۹۴ و ۲۹۵ و ۲۹۶ و ۲۹۷ و ۲۹۸ و ۲۹۹ و ۳۰۰ و ۳۰۱ و ۳۰۲ و ۳۰۳ و ۳۰۴ و ۳۰۵ و ۳۰۶ و ۳۰۷ و ۳۰۸ و ۳۰۹ و ۳۱۰ و ۳۱۱ و ۳۱۲ و ۳۱۳ و ۳۱۴ و ۳۱۵ و ۳۱۶ و ۳۱۷ و ۳۱۸ و ۳۱۹ و ۳۲۰ و ۳۲۱ و ۳۲۲ و ۳۲۳ و ۳۲۴ و ۳۲۵ و ۳۲۶ و ۳۲۷ و ۳۲۸ و ۳۲۹ و ۳۳۰ و ۳۳۱ و ۳۳۲ و ۳۳۳ و ۳۳۴ و ۳۳۵ و ۳۳۶ و ۳۳۷ و ۳۳۸ و ۳۳۹ و ۳۴۰ و ۳۴۱ و ۳۴۲ و ۳۴۳ و ۳۴۴ و ۳۴۵ و ۳۴۶ و ۳۴۷ و ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۵۰ و ۳۵۱ و ۳۵۲ و ۳۵۳ و ۳۵۴ و ۳۵۵ و ۳۵۶ و ۳۵۷ و ۳۵۸ و ۳۵۹ و ۳۶۰ و ۳۶۱ و ۳۶۲ و ۳۶۳ و ۳۶۴ و ۳۶۵ و ۳۶۶ و ۳۶۷ و ۳۶۸ و ۳۶۹ و ۳۷۰ و ۳۷۱ و ۳۷۲ و ۳۷۳ و ۳۷۴ و ۳۷۵ و ۳۷۶ و ۳۷۷ و ۳۷۸ و ۳۷۹ و ۳۸۰ و ۳۸۱ و ۳۸۲ و ۳۸۳ و ۳۸۴ و ۳۸۵ و ۳۸۶ و ۳۸۷ و ۳۸۸ و ۳۸۹ و ۳۹۰ و ۳۹۱ و ۳۹۲ و ۳۹۳ و ۳۹۴ و ۳۹۵ و ۳۹۶ و ۳۹۷ و ۳۹۸ و ۳۹۹ و ۴۰۰ و ۴۰۱ و ۴۰۲ و ۴۰۳ و ۴۰۴ و ۴۰۵ و ۴۰۶ و ۴۰۷ و ۴۰۸ و ۴۰۹ و ۴۱۰ و ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۱۳ و ۴۱۴ و ۴۱۵ و ۴۱۶ و ۴۱۷ و ۴۱۸ و ۴۱۹ و ۴۲۰ و ۴۲۱ و ۴۲۲ و ۴۲۳ و ۴۲۴ و ۴۲۵ و ۴۲۶ و ۴۲۷ و ۴۲۸ و ۴۲۹ و ۴۳۰ و ۴۳۱ و ۴۳۲ و ۴۳۳ و ۴۳۴ و ۴۳۵ و ۴۳۶ و ۴۳۷ و ۴۳۸ و ۴۳۹ و ۴۴۰ و ۴۴۱ و ۴۴۲ و ۴۴۳ و ۴۴۴ و ۴۴۵ و ۴۴۶ و ۴۴۷ و ۴۴۸ و ۴۴۹ و ۴۵۰ و ۴۵۱ و ۴۵۲ و ۴۵۳ و ۴۵۴ و ۴۵۵ و ۴۵۶ و ۴۵۷ و ۴۵۸ و ۴۵۹ و ۴۶۰ و ۴۶۱ و ۴۶۲ و ۴۶۳ و ۴۶۴ و ۴۶۵ و ۴۶۶ و ۴۶۷ و ۴۶۸ و ۴۶۹ و ۴۷۰ و ۴۷۱ و ۴۷۲ و ۴۷۳ و ۴۷۴ و ۴۷۵ و ۴۷۶ و ۴۷۷ و ۴۷۸ و ۴۷۹ و ۴۸۰ و ۴۸۱ و ۴۸۲ و ۴۸۳ و ۴۸۴ و ۴۸۵ و ۴۸۶ و ۴۸۷ و ۴۸۸ و ۴۸۹ و ۴۹۰ و ۴۹۱ و ۴۹۲ و ۴۹۳ و ۴۹۴ و ۴۹۵ و ۴۹۶ و ۴۹۷ و ۴۹۸ و ۴۹۹ و ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ و ۵۰۳ و ۵۰۴ و ۵۰۵ و ۵۰۶ و ۵۰۷ و ۵۰۸ و ۵۰۹ و ۵۱۰ و ۵۱۱ و ۵۱۲ و ۵۱۳ و ۵۱۴ و ۵۱۵ و ۵۱۶ و ۵۱۷ و ۵۱۸ و ۵۱۹ و ۵۲۰ و ۵۲۱ و ۵۲۲ و ۵۲۳ و ۵۲۴ و ۵۲۵ و ۵۲۶ و ۵۲۷ و ۵۲۸ و ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۱ و ۵۳۲ و ۵۳۳ و ۵۳۴ و ۵۳۵ و ۵۳۶ و ۵۳۷ و ۵۳۸ و ۵۳۹ و ۵۴۰ و ۵۴۱ و ۵۴۲ و ۵۴۳ و ۵۴۴ و ۵۴۵ و ۵۴۶ و ۵۴۷ و ۵۴۸ و ۵۴۹ و ۵۵۰ و

احتجاج کیا ہے کیا ان میں سے ہر ہر روایت کسی اور صحابی سے بھی امام مسلمؒ نے روایت کی ہے تاکہ ان کی معنی روایات پر حرف نہ آئے؟ اگر معترض صاحب صحیح مسلم میں سے انہیں مضامین کی روایت جو ابوالزہرہ رحمہن جابرؓ کے طریق سے مروی ہیں دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات سے باحوالہ بتادیں تو ہم علمی اور تحقیقی طور پر ان کے احسان مند بنوں گے۔ دو چار روایتوں میں ایسا کر دکھانا کوئی کمال نہ ہوگا۔ ہر ہر روایت اور مضمون میں یہ مطلوب ہے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے اور یقین طے نہ کر دے ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے تو اس سے لازماً یہی سمجھا جائے گا کہ مسلم شریف کی بے شائبہ شہادتیں ان کے اس غلط نظریہ سے غیر صحیح قرار پائیں گی اور صحیحین کی صحت کے بارے میں ان حضرات کا دعویٰ محض زبانی جمع خیر تصور ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی سطحی قسم کے اعتراضات اور زعم خود جو اب بات ترجمان الحدیث میں موجود اور مذکور ہیں ایک ہمارا دینا تا یہ نظریہ ہے کہ ان سے کسی اہل علم اور صاحب بصیرت آدمی کو کوئی شبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہم ان کو نقل کر کے قارئین کرام کے اذہان کو بلبلہ اور بے ضرورت پریشان نہیں کرنا چاہتے۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه واتباعه
ابی یوسف الدین وبارک وسلم۔

احقر الناس

ابوالزہرہ محمد سرفراز

۱۴ صفر ۱۴۰۰ھ

۵ جنوری ۱۹۸۰ء

دیباچہ طبع دوم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

(۱) بعض غیر مقلدین حضرات نے یہ بے جان دعویٰ کیا تھا کہ جس شخص نے ہر رکعت میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نازبے کار، باطل اور کالعدم ہے اور اس پر تمام دنیا کے احناف کو کھلا چیلنج بھی کیا تھا۔ راقم اشیم نے ان کے اس غلو کے رد میں ٹھوس دلائل کے ساتھ دو جلدوں میں مبسوط کتاب احسن الکلام لکھی جس کو نہ صرف یہ کہ عام تعلیم یافتہ حضرات ہی نے پسند کیا بلکہ ہندو پاک کے متبحر اور نامور علما و کرام نے اس کی بجا تعریف کی اور اپنی مزین اور قیمتی آراء اور تصدیقات سے راقم کی عزت افزائی کی اور کتاب کی اغلاط کی طرف بھی توجہ دلائی جو بمقتضائے بشریت کچھ تو راقم سے اوچکے کتابت کی وجہ سے اور بعض کاپیروں اور پروفروں کی کما حقہ تصحیح نہ ہو سکتے کی وجہ سے باقی رہ گئی تھیں جن حضرات نے نمایاں غلطیوں کی نشاندہی کی ان میں علی الخصوص منہ العلماء رئیس المحققین حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا ابو عبیدہ غلام سرور صاحب دام مجید (چمن ضلع گجرات) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور راقم تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

(۲) جہاں ان حضرات نے اس کتاب کے مضبوط دلائل اور براہین اور حسن ترتیب کی شاندار تحمیں کی وہاں غیر مقلدین حضرات نے اس پر ضرورت سے زیادہ غم و غصہ کا اظہار فرمایا چنانچہ

ان کی جماعت کے چوٹی کے مدرس عالم اور سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد نے ایک مستقل کتاب خیر الکلام تحریر فرمائی جس میں جوابات کا بیشتر حصہ محض سینہ زاد جوابات اور صدی نسخوں پر مشتمل ہے۔ اس کا یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یوں لینا چاہیے۔ اور اس کا مطلب یوں بھی لیا جاسکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر بات ہے کہ احسن الکلام کے ٹھوس اور معنی خیز جوابوں کا جواب محض احتمالات اور سینہ زاد باتوں سے نہیں ہو سکتا یہاں ٹھوس حوالہ جات درکار تھے اور یہی ان کے بس کا روگ نہ تھا اور روایات کے بارے میں وہ ساری کتاب میں ایک ہی ضابطہ سے کام لیتے رہے ہیں وہ یہ کہ جرح مفسر کو بھی جرح مبہم گردان کر اور ایک مدحوالے راوی کی توثیق کے نقل کر کے یہ فیصلہ صادر فرماتے سمجھتے ہیں کہ لہذا جو جرح مؤلف احسن الکلام نے کی ہے وہ مبہم ہے اور توثیق کے بعد اس کا کوئی اعتبار نہیں اور کہیں تشریق کا سہارا لیکر حدیث کو حسن بنا ڈالا ہے۔ خیر ہم نے بقدر وسعت طبع ثانی میں اس کا خوب جائزہ لیا ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے احسن الکلام کو لوگوں کی نظروں سے گرانے کیلئے اور اپنی جماعت کے جذباتی حضرات کے جذبات کو ابھانے کیلئے آخر میں سترہ عدد مناقشہ صحیحی درج فرمائیں جن کا ذکر کتاب میں پہلے بھی ہوا ہے خیال میں مناسب مقامات پر کر چکے ہیں اور یہ چیز ان کے پیش نظر ہی ہے کہ احسن الکلام کی اغلاط ان کے حواریوں کے ذہن میں انکسار فی البحر ہو جائیں اور اس کتاب سے اور اس کے مصنف سے بدظنی پیدا ہو جائے۔ مثلاً ایک جگہ یہ تھا کہ حضرت امام عبداللہ بن المبارک حضرت امام بخاریؒ کے استاد استاد تھے۔ الاستاد کا لفظ کتابت سے چھوٹ گیا تو اس پر مناقشہ کھڑا کر لیا گیا کہ اس مؤلف کو یہ بھی معلوم نہیں کہ امام ابن مبارکؒ، امام بخاریؒ کے استاد نہیں ہیں۔ اور ایک مقام پر فقہاً اعمامہ کا جملہ غلطی سے رہ گیا تو اس پر بھی خوب مصالحہ لگا کر مناقشہ کی عمارت کھڑی کر دی گئی اور ایک جگہ قتادہ کا نام سند سے چھوٹ گیا تو اس کو کئی مقامات پر انھوں نے اجاگر کیا اور یہ لکھا کہ چونکہ یہ تیسرے درجہ کے مدرس تھے۔ تب ان کو گرا دیا گیا ہے۔ حالانکہ راقم نے خود احسن الکلام میں باحوالہ یہ لکھا ہے کہ قتادہؒ کی تدلیس سرے سے مضر ہی نہیں تو پھر اس کو حذف کرنے کا راقم کو کیا فائدہ تھا؟ علیٰ ہذا القیاس۔ اکثر مناقشہ اسی نہج کے ہیں اور جہاں بعض عبارتیں محمل اور مختصر تھیں۔

اب ان کی تشریح کر دی گئی ہے اور جہاں اغلاط معقول نظر آتیں۔ ان کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ ہم نے جب ان کی کتاب میں اسی نہج کے بلکہ ان سے سنگین تر مناقشات کا تتبع کیا تو تقریباً ساٹھ سے زیادہ نظر آئے۔ اگر ضرورت پڑی اور ہم مجبور کر دیے گئے تو الگ ان کو شایع کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ورنہ علمی اور تحقیقی میدان میں ہم اس طعنہ باری کو پسند نہیں کرتے اور نہ اس کا اثر اچھا رہتا ہے۔ ان مناقشات کو انھوں نے فہرست کتاب میں غلط بیانیوں، تحریفیات اور مغالطات وغیرہ سے تعبیر کر کے اپنے دل کی خوب بھڑاس نکالی ہے۔ سچ ہے کُلُّ اِنَّا عِیَ تَرَّ شَعْبٌ بِمَا فِیْہِ۔

(۲) غیر مقلدین حضرات جب بخوبی یہ محسوس کر لیا کہ خیر الکلام تو احسن الکلام کا معقول جواب نہیں اور علماء کو کیا جذباتی مزاج جماعتی کارکن بھی اس سے مطمئن نہیں ہو سکتے تو ایک صاحب نے الاعتصام میں قسط دار احسن الکلام کی تردید شروع کر دی جس میں انھوں نے علمی اور تحقیقی سطح سے بہت ہی نیچے اتر کر محض تعصب مذہبی کا مظاہرہ کیا ہے اور اس میں بیشتر وہی باتیں دہرائی ہیں جو پہلے حضرات مسئلہ خلف الامام کے مسئلہ میں کہہ اور کہ چکے ہیں۔ ہاں البتہ یہ سب کچھ انھوں نے صرف جذبات اور نقل کی صورت میں ادا کیا ہے ان کی قابل جواب باتوں کا ذکر ہم نے کتاب میں کر دیا ہے۔ باقی لایعنی باتوں کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی۔ البتہ انھوں نے الاعتصام اور مغالطات احسن الکلام میں جو باتیں خوب کھل کر چیلنج باری کی شکل میں کہی ہیں وہ اصولاً و اختصاراً یہ ہیں:

(۱) مؤلف احسن الکلام نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت سے دھوکا دیا ہے

..... الخ

اس کا جواب اور حضرت شاہ صاحب کی پوری عبارت ہم نے طبع دوم میں ذکر کر دی ہے اور واضح کیا ہے کہ غلطی کس کی ہے؟

(۷) کہ مؤلف احسن الکلام نے محمد بن خازم کی امام ابن حبان سے یہ توثیق تو نقل کر دی ہے کہ وہ ثقہ اور متقن تھا مگر آخر کا یہ قول نقل نہیں کیا کہ وہ خبیث مرجی تھا اور یہ بدویانتی ہے۔ (محصلہ)

مگر یہ پیارے اصول حدیث سے بالکل کورے ہیں۔ محمد بن خازمؒ بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں اور اصول حدیث کے رو سے ثقہ راوی کا خارجی یا بھی معتزلی یا مرجئی وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا اور صحیحین میں ایسے راوی بکثرت موجود ہیں۔ تدریب الراوی اور ہدایت السائل میں ان کی کچھ نشاندہی کی گئی ہے اور خود مؤلف خیر الکلام ص ۲۹۰ میں لکھتے ہیں: ”کہ ارجاء وغیرہ بدعات کے اعتراضات سے ثقہ ہونے میں خلل پیدا نہیں ہوتا..... الخ“

یہ قاعدہ ہمارے پیش نظر تھا اور اس لیے ہم نے یہ جملہ نقل نہیں کیا اور خود جناب قاضی مقبول احمد صاحب کا یہ عالم ہے (اور حیرت ہے کہ الاعتصام کے ذمہ داروں نے بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کی) کہ عبدالرحمن بن محمد بن زیاد جو صحاح ستہ کے راوی ہیں ان سے متعلق لکھا ہے کہ: ”انتہا درجہ کے ضعیف ہیں۔“ (الاعتصام ۸ ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۸ کالم ۳۔
(۳) کہ مؤلف احسن الکلام نے راویوں کے بارے میں توثیق و تضعیف نقل کرنے میں خیانت اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔ مثلاً فلاں ضعیف راوی کے بارے میں فلاں امام نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے مگر اس قول کو وہ نقل نہیں کرتا اور فلاں ثقہ راوی کو فلاں امام نے ضعیف یا وہمی وغیرہ کہا ہے۔ اس کو بھی وہ پی گیا ہے۔ (مصل)

اور الاعتصام میں ان صاحب کا بیشتر مضمون اسی عمارت پر کھڑا ہے اور خوب جذباتی رنگ میں صفحہ صفحہ پر اس کو نمایاں کیا گیا ہے مگر صد افسوس ہے کہ احسن الکلام کی اس عبارت کا ذکر تک نہیں کیا حالانکہ ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اس کا حوالہ دیتے۔ چنانچہ عبارت یوں ہے: ”ہم نے بعض مقامات پر ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیے ہیں، لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو وہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے تو اس کو بھی درخور اعتدال نہیں سمجھ کر ہرگز رجحان سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے حضرات بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ ایسا کوئی بھی ثقہ جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک شخص نے بھی ثقہ نہ کہا ہو کبریت احر کے مترادف ہے۔ حضرات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس سے مخفی ہے؟ اور الصحابة کلہم عدول کے جملہ سے کون اہل علم ناقص ہے؟ مگر خوارج و روافض کا نظریہ بھی ان کے بارے میں پوشیدہ نہیں ہے۔ بایں ہمہ ہم نے توشیح و تضعیف میں جہورائے جمع و تعدیل اور اکثرائے حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا مشہور ہے کہ: ع زبہن خلق کو نق رہ حندا سمجھو اتنی بلفظہ

(احسن الکلام جلد اول، طبع اول ص)

یہ عبارت بار بار پڑھیے اور دیکھیے قاضی مقبول احمد صاحب کے وارید کی کہ مؤلف احسن الکلام نے روایت کے بارے میں بددیانتی کی ہے فلاں راوی کے بارے میں فلاں قول ترک کر دیا ہے اور فلاں راوی کے بارے میں فلاں امام کا حالہ چھوڑ دیا ہے اور الاعتصام میں قاضی صاحب کا زیادہ زور اسی پر صرف ہوا ہے۔ ان کو یہ توحی تھا کہ اس قاعدہ کو دلائل سے غلط ثابت کرتے۔ لیکن اس واضح عبارت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مؤلف احسن الکلام کو بددیانت ثابت کرنا خالص تعصب کا مظاہرہ یا اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش کرنے کا ایک مذموم ڈھنگ ہے۔ بھلا اللہ تعالیٰ مؤلف احسن الکلام کو کالمین سے خوشہ چینی کا موقع ملا ہے اور اصول و ضوابط کو سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے اس کو اہلیت مرحمت فرمائی ہے۔ (۴) عبد اللہ بن نافع بن عمار کے متعلق جو توشیح کے الفاظ مؤلف احسن الکلام نے نقل کیے ہیں اس میں دھوکہ اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔ (محصلاً)

الحواہ۔ اصل بات یہ ہے کہ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۵۰ اور ۵۱ میں (نمبر ۹ اور ۹۸) دو راوی ہیں۔ ایک کا نام عبد اللہ بن نافع بن عمار ہے اور دوسرے کا نام عبد اللہ بن نافع بن ابی نافع اصناف الخزومی ہے غلطی سے ثانی کا ترجمہ پہلے کے ترجمہ میں نقل ہو گیا ہے۔ اور اب طبع دوم میں اس کو بالکل کاٹ دیا گیا ہے۔ ایسے ہم نام راویوں کے بارے میں بڑے بڑے اکابر محدثین سے غلطیاں چلی آ رہی ہیں۔ نہ تو ان کو کسی نے دعوت مبارزت دی اور نہ بددیانت کہا ہے اور ان کی بات ہی چھوڑیے خود مؤلف خیر الکلام بعض مقامات میں اس غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ خیر الکلام ص ۴۴۴ میں لکھتے ہیں: کہ دوسرا راوی اس میں علی بن احمد الحامی مقرئ ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں ابن ابی الفوارس کہتے

ہیں۔ ضعیف جدا سخت ضعیف ہے۔

(میزان جلد ۲، ص ۷۱۷، لسان المیزان جلد ۴، ص ۱۹۴)

لیکن یہ مؤلف خیر الکلام کی غلطی اور نرا وہم ہے۔ کیونکہ ابن ابی الفوارسؒ نے جس کی تضعیف کی ہے وہ علی بن احمد بن ابی القیس المقرئ الرفاعیؒ ہے جس کی وفات ۳۵۲ھ میں ہوئی ہے۔ دیکھیے: (لسان المیزان جلد ۴، ص ۱۹۴) اور ہماری پیش کردہ سند میں علی بن احمد بن عمر بن حفص ابو الحسن المقرئ المعروف بابن الحامیؒ ہیں جن کی وفات ۳۱۷ھ میں ہوئی ہے۔

(ملاحظہ ہو بغدادی جلد ۱۱، ص ۳۳۰)

الغرض ہم نام راویوں کے بارے میں ایسے ادھام کا پیش آجانا کوئی مستبعد بات نہیں ہے اور نہ کسی دیانت دار عالم نے آج تک ایسے امور میں کسی کو چیلنج کیا ہے۔

(۵) بایں ہمہ ہم نے الاعتصام میں پیش کیے گئے اعتراضات میں سے جو قابل جواب تھے ان کی قدر سے وضاحت کر دی ہے اور ہم ان غیر مقلدین حضرات کے ممنون ہیں کہ انھوں نے احسن الکلام پر ناقدانہ نگاہ ڈالی گو ان کا نظریہ ان کا مذہبی تعصب ہے تاہم وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔

(۶) مؤلف خیر الکلام سے ہم بجا توقع رکھ سکتے تھے کہ وہ اپنی جماعت کے مدرس عالم اور شیخ الحدیث ہیں کہ وہ اپنی جماعت کے ان غالی لوگوں کو ناصحانہ طور پر ترک غلو کا کوئی مفید مشورہ دے دیتے اور چند سطریں اس پر بھی تحریر فرما دیتے کہ جو لوگ ترک قرآن خلف الامام کی صورت میں لوگوں کی نمازوں کو باطل، بے کلام اور کالعدم کہتے ہیں وہ اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ اختلافی مسائل میں یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے لیکن یقین جانیے کہ انھوں نے صحیح طور پر آج کل کی عدالتی وکالت کا حق ادا کر دیا ہے کہ ہر طرح سے اپنے مؤکل کو خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو سچا ثابت کیا جائے یہ الگ بات ہے کہ عدالت اس کی رائے سے متفق نہ ہو اور اس کو مجرم گردان کر قرار واقعی سزا دے۔ اپنی جماعت کے تمام حبیبوں پر پردہ ڈال کر اس کو برحق قرار دینے پر بلاوجہ ایٹری چوٹی کا زور لگانا کوئی مستحسن امر نہیں ہے۔ ان سے تو خیر الکلام کے صاحب مقدمہ ہی قدرے اچھے رہے کہ انھوں نے صدمہ میں کچھ اشارہ

کیا ہے اگرچہ اپنی جماعت کے چیلنج کو مدافعت کہہ کر حق پوشی کی گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ
مجھے اعتراف ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے بھائیوں کے حلوں کی مدافعت میں روکے
طور پر جماعت اہل حدیث کے ایک قلیل طبقے کا ایسا رویہ ضرور رہا کیا جو غیر مقتدل ہونے
کے علاوہ مسلک اہل حدیث کے شایان شان نہ تھا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ غلو کے مقابلہ
میں غلو ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔“ ۱۰

اگر تو کسی حنفی نے تمام روئے زمین کے غیر مقلدین حضرات کو ایسا کوئی چیلنج کیا ہے
کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے۔ اس کی نماز باطل ہے، بیکار ہے،
کالعدم ہے۔ تو وہ بلا شک اس کو مدافعت سے تعبیر کر سکتے ہیں اور اگر ایسا نہیں کیا تو یہ
خالص جاہلی بلی بھگت ہی ہے کہ سیدھی سادھی بات میں تاویل کا پیوند لگا کر اس کو
حق ثابت کیا جائے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوفِ الْفَسَاکَا۔

(۴) اگرچہ اپنی دانست کے مطابق ہم نے اب کتاب کو اغلاط سے پاک کر دیا ہے۔ تاہم
ان حضرات کا (خواہ ان کا نقطہ نظر کچھ ہی ہو) شکریہ ادا کریں گے جو ہمیں ہمارے کوتاہیوں کا آگاہ
کریں گے۔ اور ہمیں معقول اغلاط کی دستی میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ وَصَلَّى
اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهِ وَآصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ ؕ

ابوالتراب
۲۴ شوال ۱۳۸۲ھ
۲۸ فروری ۱۹۶۵ء

دیباچہ طبع اول

کتاب احسن الکلام جلد اول و دوم کی تالیف و ترتیب میں گو بڑی محنت اور کوشش سے کام لیا گیا تھا مگر اس کا وہ ہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس کو صنف اول کے محقق اور جید علماء کرام بھی بے حد پسند فرمائیں گے جیسا کہ تصدیقات اور تقاریر سے بھی ظاہر ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے اس حقیر سے یہ خدمت لی ہے۔ ورنہ سن آٹھ کہ سن دہم میں اپنی اس کتاب کا حضرت الاستاد المحقق، المدقق، الفقیہ، المحدث، شیخ المعقول، والمنقول مولانا عبدالقدیر صاحب کیمبل پوری دامت برکاتہم (حال اذکارہ) کے نام گرامی سے انتساب کرتا ہوں کیونکہ اس حقیر کا دینی کتب کے ساتھ تھوڑا بہت تعلق حضرت موصوف کی خالص توجہ اور نوازش کا رہین منت ہے اور اکثر بڑی اور دقیق کتابیں راقم نے حضرت سے ہی پڑھی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو تادیر سلامت رکھے اور دین کی خدمت کا مزید موقع دے۔

وَيَرْحَمُ اللَّهُ عَبْدَهُ عَبْدَ اللَّهِ قَالَ أَمِينٌ

احقر

ابوالزاہر

۱۸ ذوالقعدہ ۱۳۷۴ھ
۹ جولائی ۱۹۵۵ء

سخن ہائے گفتنی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ط

عالم انسانی میں ہر چیز کا وجود اسباب و علل اور حرکات و دواعی کے وجود پر موقوف ہے۔ جب تک علت وجود اپنے تمام لوازم کے ساتھ معرض وجود میں نہ آجائے کسی چیز کا عالم وجود میں آنا ممکن نہیں یہ ایک عقلی اور فطری قاعدہ ہے۔ اور انسانی افعال و اغراض کا ناگزیر محور جس کے گرد انسان کے سب افعال چکر لگاتے اور گھومتے رہتے ہیں۔

سبب تالیف

علمی اور عقلی، فنی اور تحقیقی لحاظ سے قرآنہ الفاتحہ خلف الامام کا مسئلہ اپنے مثبت اور منفی پہلو کے اعتبار سے قرن اول سے تا ہنوز بحث و تحقیق اور تطبیق و ترمیم کا محتاج رہا ہے۔ حضرات ائمہ دین و محققین علماء نے مختلف زمانوں اور متعدد زبانوں میں اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ محرم اور صبیح پہلو اور راج و مرجوح گوشہ کی تلاش اور جستجو میں انھوں نے انتہائی کوشش اور کاوش کی ہے۔ اور سینکڑوں کتابیں اور درمسلے اس پر لکھے گئے ہیں۔ مگر اس خاص شکل و صورت

اور ترتیب کے ساتھ نہایت سہل اور آسان طریقہ پر اس کتاب کو پیش کرنے کا بڑا سبب
فریق ثانی کی حد سے زیادہ تجاوز اور گرم گفٹاری ہے۔ اس کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ جو شخص
امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا۔ اس کی نماز بالکل نہیں ہوتی۔ اور بعض نے تو یہاں
تک غلو سے کام لیا کہ جملہ احناف کو بے نماز اور مفسدین صلوٰۃ کے خطاب سے نوازا ہے۔

اور بعض نے قسم اور حلف اٹھا کر کہا، کہ حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی۔ اور ہم نے ان میں سے بعض کو
سلسلہ تقریر و درس حدیث اور نجی مجلسوں میں منطق یونان سے بھی استغاثت کرتے دیکھا ہے
اور یوں صفوی و کبریٰ جوڑ کر نتیجہ نکالتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں
پڑھتا۔ قرأت سورۃ فاتحہ نہیں کرتا۔ اس کی نماز نہیں ہوتی اور من ترک الصلوٰۃ متعمداً
فقد کفر کہ جس شخص نے ویدہ و دانستہ نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ امام کے
پیچھے سورۃ فاتحہ ترک کرنے والا کافر ہے۔ (گو بعض بڑے غماط اور منصف مزاج حضرات کے نزدیک
عملی طور پر یہی وہ کافر ہو گیا۔ مگر یہ ضرور) اور ہمارے زمانے کے ایک صاحب نے جو اپنی جماعت
لے حضرت مولانا رشید احمد صاحب لکھنؤ (المتوفی ۱۳۱۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں بعض مدعیانِ عمل
بالحدیث نے یہ غرغریاں کیا کہ حنفیہ مفسدین صلوٰۃ اور بے نمازیں؟ (ہدایت الہندی ص ۲)

لے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب (المتوفی ۱۳۱۷ھ) لکھتے ہیں کہ بالخصوص قسم کا کرکھ کہ حنفیوں
کی نماز نہیں ہوتی۔ ان کی بیبیوں سے غیر مقلدین کو بلا طلاق نکاح جائز ہے۔۔۔ الخ (تبیح التفتیش ص ۳۵)
لے ایک غیر مقلد مگر منصف مزاج عالم ایسے ہی ایک خالی اور بے باک مضیق کا حوالہ دیتے ہوئے یوں رقم طراز
ہیں: "اول تحریر ایک ہمارے ہی طراز اہل حدیث کی پرچہ تنظیم میں طبع ہوئی تھی جس میں مولانا موصوف نے مذکور
رکوع کے اعتقاد والوں کو غلطی ان رکوع کا حکم صادر فرمادیا تھا۔ نتیجہ اس طرح نکلا تھا کہ مذکور رکوع سے
فاتحہ مفقود ہوتی ہے۔ لہذا اس کی نماز نہیں۔ جس کی نماز نہیں وہ بے نماز ہے، بے نماز کافر ہے اور وہ غلطی
انتہا ہے۔" (بلفظہ) تمام رکوع فی ادراک رکوع ص ۱، طبع کردہ منیر رسالہ صحیفۃ الجہدیت صدر دہلی (تواریف
خیر الکلام نے بزمِ خود چند دلائل پیش کیے ہیں پھر لکھتے ہیں: لہذا فاتحہ ہر نمازی پر خواہ امام ہو یا منفرد یا مقتدی
فرض ہوگی۔ (ص ۵۱۲)۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ اس فرض کے منکر اور تارک پر فتویٰ کیا صادر ہو گا؟ آیا وہ مسلم
رہے گا یا نا مسلم؟ (العیاذ باللہ) کیونکہ اصول کے لحاظ سے فرض کا منکر مسلمان نہیں بن چاہیے۔ دیکھیں یہ فتویٰ صادر
ہو رہا ہے؟

کے روحِ ہاں اور چوٹی کے مناظر و مبلغ سمجھے جاتے ہیں۔ پنجاب کے ایک مشہور قصبہ میں دورانِ تقریر یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی۔ آخر ہمارے ساتھ اس مسئلہ پر مباہلہ کر لو۔

آپ اس کتاب میں پوری تفصیل سے پڑھیں گے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ترک کرنے کے قابل کون کون ہیں؟ نہ معلوم مباہلہ کس کس سے ہو گا؟ اور تاسف بالاسف یہ کہ مباہلہ بھی فَجَعَلَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ط کے الفاظ کے ساتھ اور لطف یہ ہے کہ وہ صاحبِ نہ بیوی رکھتے ہیں اور نہ بیٹے۔ گویا آیت مباہلہ میں نَذُّوْا اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَ كُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَ كُمْ کا ان کے نزدیک کوئی مفہوم ہی نہیں۔ اور اب کراچی سے ایک کتابچہ کو طابع ہوتا جس کا نام ہے "فصل الخطاب فی قرۃ فاتحۃ الکتاب" جو کتب خانہ طحیریت، ۱۹۱۹ء نیو کلا تھ مارکیٹ، کراچی (پاکستان) کی طرف سے شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے انتہائی فراخ دلی کے ساتھ تمام روئے زمین کے احناف کو انعامی چیلنج کیا ہے۔ اور روئے زمین کی جدید و جدید ہستیوں کو نام بہ نام لکھا ہے۔ اصل الفاظ میں ان کا اعلان یہ ہے:

انعامی چیلنج: تمام دنیا کے حنفی حضرات کو کھلا اور انعامی چیلنج دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم اہل حدیث امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا خاص لفظ حدیث مرفوع صریح صحیح حسن سے (بحوالہ کتب صحاح ستہ وما وافق بہا) دکھاتے ہیں۔ ایسا ہی وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے نہ پڑھنے کا خاص لفظ حدیث مرفوع صریح صحیح حسن سے (بحوالہ کتب صحاح ستہ وما وافق بہا) میلان مناظرہ میں دکھادیں تو ہم ان کو اس حقِ محنت، مادہ ہمت، تمنعہ صداقت کے صلہ میں فاتحہ کے ہر حرف کے بدلے میں مبلغ ایک سو روپے دینے کو تیار ہیں۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

کیا ہے روئے زمین پر کوئی زندہ دل حنفی جو میدانِ مناظرہ میں اس در امام کے پیچھے خاص لفظ فاتحہ کے نہ پڑھنے کا دکھا کر مبلغ پانچ سو روپیہ انعام حاصل کرے (دیدہ باید) اس انعامی چیلنج کو شائع کیے ہوئے آج تیرہ سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے اور تقریباً یہ چیلنج بارہ ہزار کی تعداد میں طبع کر کے علماء اور جہلاء کے ہاتھوں میں پہنچا چکے ہیں۔ دیوبند، ڈابھیل، ہندوستان پاکستان کے احناف کے بڑے بڑے مدارس میں بھی پہنچ چکا ہے۔ احناف کے مقتدر علماء

مفتی کفایت اللہ صاحب (المتوفی ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۵۳ء) مولانا حسین احمد صاحب مدنی (المتوفی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ) اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ (المتوفی ۱۲ صفر ۱۳۷۹ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۶۹ء) کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے۔ لیکن اس وقت تک کسی حنفی کو یہ جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی آئندہ ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ کہ وہ دنیا کی کسی کتاب سے ایک حدیث ہی بموجب شرائط مندرجہ در چیلنج پیش کر کے انعام حاصل کرنے کے علاوہ مذہب حنفی پر احسان کرتا۔ لیکن کتنا کہاں سے۔ جب کہ اس طرح کی ایک حدیث کسی دنیا کی اسلامی کتب میں موجود نہ ہو اور یقیناً نہ ہو۔ (انتہی بلفظہ فصل الخطاب ص ۱۸) اس شاہی اور فرار خدا لہ انعام چیلنج کے بعد اسی کن بجہ کے آخری صفحہ پر یہ اعلان ان الفاظ سے دہرایا گیا ہے۔

تمام دنیا کے علماء احناف کو کھلا چیلنج ہم تمام علماء احناف ہند، سندھ، پنجاب، بنگال، خراسان، مہستان، چین، جاپان، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا، یورپ، مصر، عراق وغیرہ کو بذریعہ چیلنج داشتہ ساز کے دعوت دیتے ہیں کہ ان مسائل مندرجہ ذیل کو کسی آیت یا حدیث صحیحہ مرفوعہ متصل سے اور وہ حدیث جس مسئلہ کے ثبوت میں پیش کریں۔ نص صریح ہو صحاح و ماوافق بہا سے ثابت فرمادے تو ہم ان کو اس حق محنت، داد و ہمت، تمغہ صداقت کے صلہ میں ہر آیت اور حدیث کے بدلہ میں پچیس روپے انعام دیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

(۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ کے پڑھنے سے منع کرنا۔
(بعض نوحد مسائل اور رکوع اور تکلیف عشرۃ کا مائلہ تحریر فرما کر بحث کو اس اعلان پر ختم کیا ہے)
هَلْ مِنْ قُبَّارٍ زُيِّنَتْ لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ كَمَا زُيِّنَتْ لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ وَلَمْ يَكُنْ مِنْهَا نَارٌ وَلَمْ يَكُنْ مِنْهَا نَارٌ وَلَمْ يَكُنْ مِنْهَا نَارٌ
جو میدان میں کودے اور ہم سے سینکڑوں روپے کا انعام حاصل کرے۔ (دیدہ باید)
(انتہی بلفظہ فصل الخطاب ص ۱۸)

اور اب فصل الخطاب ص ۱۸ کے جدید ایڈیشن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی ناز ناقص ہے، کا عدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ (بلفظہ)

ان تمام اقتباسات کو پیش نظر رکھ کر پڑھئے لکھے آدمی کو ضرور یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید
 امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے کافر اور گمراہ ہیں اور نماز پڑھتے ہوئے بھی وہ بے نماز
 اور اقل درجہ یہ ہے کہ وہ بلا دلیل ہیں حتیٰ کہ ان کے ساتھ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے الفاظ
 سے متبادلہ کرنا بھی کارِ ثواب اور جائز ہے اور عوام پر اشتہاری رعب ڈالنے کے لیے العامی جلیج
 بھی دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ راقم الحروف کو بھی خالی الذہن ہو کر محض اپنی قلبی تسکین اور سست
 رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کی خاطر سینکڑوں کتابوں کے ہزاروں اوراق اٹھنے پڑے
 ہیں اور صد ہا رسائل اور کتابچوں کی ورق گردانی کرنا پڑی ہے تاکہ دلائل کی صحت اور سقم کا موازنہ
 کر کے نجاتِ اخروی کی فکر کی جائے۔ لیکن میں نے فریق ثانی کے جلد دعووں کو بالکل بے حقیقت،
 مبالغہ آمیز اور انتہائی غلو پر مبنی پایا ہے۔ گو مسئلہ زیر بحث میں ائمہ دین کا اختلاف رہا ہے، مگر جو
 بے اصل دعویٰ فریق ثانی کے اہل علم حضرات نے کیے ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں اور ان حضرات
 کی ان کارستانیوں پر مطلع ہونے کے بعد قرین انصاف تو یہ تھا کہ ہم بھی اپنی لن ترانیوں آجائے
 اور ان کی سرابی حقیقت کو الم نشرح کرتے ہوئے کہہ دیتے۔

عقوبتِ خم شکستِ من مراد

اَلْبِقْنَ بِالْبِقْنِ وَانْجُرُوحَ قِصَاصِ

لیکن قرآن کریم کی تعلیم اور حدیث نبویؐ کے صریح ارشادات اور جن اکابر سے ہمیں لگاؤ اور
 تعلق ہے ان سے ربط و نسبت ہمیں ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس قسم کی لچر پوچھ اور
 فقہ انگیز باتیں کہتے پھریں۔ ہمیں تو اصلیت اور حقیقت کو بے نقاب اور آشکارا کرنا ہے اور بس۔
 اور اس کتاب کی تالیف و ترتیب سے جو ناراضگی فریق ثانی کو پیدا ہوگی اس کے متعلق صرف اتنا کہنا
 ہی کافی ہے کہ ع :

”اے بادِ صبا! میں ہمہ آوردہ قسمت“

یہ بات تو پوری تفصیل کے ساتھ اپنے موقع پر بیان ہوگی کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ترک کرنے
 والے صرف ہم احناف ہی نہیں، بلکہ جمہور صحابہ کرام رضوانہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اجمعین اور اکثر
 سلف و خلف کی معیت سے ہمارا دامن تحقیق وابستہ ہے۔ اور جمہور اپنے اس محقق نظریہ پر نص

قرآنی اور بے شمار حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ اور ایسے اختلافی مسائل میں (خصوصاً جن میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین کا اختلاف ہو) ہمارا یہ منصفانہ عندیہ ہے کہ جو بات ظاہر قرآن کریم و حدیث اور جہور کے عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ ہم نہ صرف یہ کہ اس کے سامنے تسلیم خم کر دیتے ہیں بلکہ اس کو اپنا دینی سرمایہ اور باعث صداقت و سچائی سمجھتے ہیں اور جن مسائل میں طرفین کے پاس قرآن و حدیث کے دلائل ہوں۔ ہم اس پہلو کو جو قرآن و سنت کے قریب تر ہوتا ہے۔ اختیار کرتے ہیں۔ اور اپنے مسلک کی تائید میں تطبیق اور ترجیح کے محسوس دلائل پیش کرتے ہیں اور فریق ثانی کے حق میں غلط روشگافی اور غیر محتاط لفظ زبان سے نکالنا ہرگز جائز نہیں سمجھتے اور تمام مسائل اختلافیہ اور اجتہادیہ میں ہمارا یہی نظریہ ہے جس کی مزید تحقیق آسپ کو راقم الحروف کی کتاب الکلام المفید فی اثبات النقلیہ میں ملے گی۔ مع ہذا معصوم ہونے کا دعویٰ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ والعصمة بید اللہ تعالیٰ وحده۔

ہم حیران ہیں کہ مسئلہ زیر بحث میں تحفیر اور تفصیل کس کی ہوگی؟ اور تحقیق و تمحیل کس کی؟ بے سند اور بے دلیل ہونے کا الزام کس پر عائد ہوگا؟ اور لعنتہ اللہ علی الکاذبین کے الفاظ سے مباہلہ کس سے ہوگا؟ کیونکہ مسئلہ کے اختلافی ہونے میں فریق ثانی کا بھی اتفاق ہے۔ چنانچہ حضرت امام بیہقی رحمہ (المتوفی ۴۵۷ھ) نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب کتاب القراءۃ لکھی ہے۔ اس میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس وقت تک باقاعدہ اس مسئلہ میں اختلاف چلا آتا ہے۔

(کتاب القراءۃ ص ۱۲۶)

اور مولانا مبارک پوری صاحب المتوفی ۱۳۵۲ھ جن کی کتاب تحقیق الکلام پر فریق ثانی کے مسئلہ زیر بحث پر مناظرہ کا دار و مدار ہے امام خطابی رحمہ (المتوفی ۷۲۸ھ) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

والفلم: فی مسئلۃ معروفۃ مشہورۃ بما فیہا من الاختلاف منذ عصر الصحابۃ رضی اللہ عنہما ہذا سہ یعنی یہ مسئلہ معروف و مشہور ہے۔ اس میں اختلاف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے تا ہنوز چلا آتا ہے۔ (کتاب القراءۃ ص ۱۲۶)

یہ بحث امام خطابی رحمہ متعالمتن میں کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ علمائے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کو واجب کہا ہے اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ امام کے قرأت نہیں کیا کرتے تھے اور فقہائے تین قول ہیں:

(۱) فی ص ۱۲۶ پر

”کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف تھا۔ ایک گروہ وجوب قرآنہ خلف الامام کا قائل تھا تو دوسرا منکر۔ اس لیے فقہاً اور ائمہ کا بھی اس میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ مطلقاً وجوب کا قائل ہے اور دوسرا مطلقاً مانعیت کا۔ تیسرا گروہ ستری نمازوں میں قائل ہے اور چہری نمازوں میں قائل نہیں ہے۔

(تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷)

اندریں حالات انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ فریق ثانی جس پہلو کو حق اور صحیح سمجھتا۔ شدت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوتا۔ لیکن تکفیر اور تفسیق وغیرہ اور تعدی و تجاوز کے الفاظ سے گریز کرتا نہ تو مباہلہ کا چیلنج دیتا اور نہ حلفیہ ظہر دوسرے فریق کو بلکہ نماز اور مقصدین صلوة کا خطاب دیتا اور ایسے اختلافی مسئلہ میں سنجیدگی اور متانت سے کام لیتے ہوئے تعصب و عناد غلو اور زبان درازی سے اجتناب کرتا، مگر کاش کہ اس نے ایسا نہ کیا۔

ہمارا تہا چونکہ عامۃ المسلمین کو مسئلہ زیر بحث سے شناسا کرنا ہے۔ اس لیے ہم نے عوام کی حمایت کرتے ہوئے نہایت سہل اور حتی الوسع سلیس زبان استعمال کی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر عربی عبارات پیش نہیں کی گئیں بلکہ ان کے حوالہ درج کر دینے پر اکتفا کی گئی ہے۔ ہاں البتہ جہاں کسی خاص مصلحت سے اصل عربی عبارت پیش کرنا ضروری معلوم ہو اسے تو وہاں اصل عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے تاکہ خواص اور عوام دونوں برابر استفادہ کر سکیں۔

ہم نے بعض مقامات پر حتی الوسع متانت اور سنجیدگی کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض علمی چوٹیں بھی کی ہیں جن سے ان اکابر کے طرز استعمال کی خامی اور اس کا نقص واضح کرنا مقصود ہے اور جن سے بڑے بڑے اکابر کے خیالات اور نفسی میلانات کی پردہ درمی ضرور ہوگی لیکن پردہ درمی کے بغیر درون پردہ کا نظارہ کس نے کیا ہے؟ ورنہ عاشا و کلا ہمارے اس علمی اور تحقیقی طہنر سے نہ سلف صالحین سے بذہنی ہے اور نہ تمسخر اور نہ زمانہ حال کے حضرات کی دل آزاری۔ واللہ علی ما نقول شہید۔

(بقیہ صفحہ ۱) امام کھول، ادراعی، شافعی اور ابو ثور فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے چہری اور ستری سب نمازوں میں قرآنہ کرنا ضروری ہے اور امام زہری، مالک، عبداللہ بن المبارک، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ مقتدی ستری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآنہ کرے لیکن چہری نمازوں میں قرآنہ نہ کرے۔ اور امام سفیان ثوری اور اصحاب الزہری یہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے کوئی شخص قرآنہ نہ کرے۔ امام چہرے قرآنہ کر رہا ہو یا آہستہ۔ ۱۱۰

(معالم السنن جلد ۲ ص ۳۹ طبع مصر)

ہم نے اپنے استدلال میں جملہ پیش کردہ احادیث اور آثار کی اسانید نقل کر کے ہر روایت اور اثر کے جملہ راویوں کی کتب اسماء الرجال سے توثیق نقل کر دی ہے تاکہ پڑھنے والوں کو ہر قسم کی سہولت رہے اور دشواری پیش نہ آئے۔ البتہ متابعات اور شواہد میں نیز ضمنی اور استطرادی اباحت میں روایت کی توثیق کا التزام نہیں کیا گیا اور فریق ثانی کی طرف سے جملہ نقل کردہ روایات و آثار میں جو ضعف و کمزور اور محجوج و متکلم فیہ راوی ہیں۔ ان پر کتب رجال سے جرحی کلام نقل کر دیا ہے تاکہ بلند بالا وعادی کرنے والوں کو اپنے دلائل کا معیار بھی معلوم ہو جائے اور جن حضرات صحابہ کرام رضو تابعین اور ائمہ دین کی مسئلہ زیر بحث میں معیت جہود کو حاصل ہے۔ ان کی ثقاہت اور بعض صفات حالیہ کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے تاکہ عوام کو بھی یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے کہ ان اکابر کا اسلام اور مسلمانوں میں کیا رتبہ ہے؟

ہم نے بعض مقامات پر ائمہ جرح و تعدیل اور جمہور محدثین کرام کے مسئلہ اور طے شدہ اصول و ضوابط کے عین مطابق ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیے ہیں لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو وہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے تو اس کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ کیونکہ فرس رجال سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے حضرات بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ کوئی بھی ایسا ثقہ جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا ہو کہ بیت امر کے مترادف ہے۔ حضرات صحابہ کرام کا رتبہ کس سے مخفی ہے؟ اور الصحابة کلہم عدول کے جملہ سے کرن اہل علم ناواقف ہے؟ مگر خراج اور ردوافض کا نظریہ بھی ان کے بارے میں پوشیدہ نہیں ہے۔ بایں ہمہ ہم نے توثیق و تضعیف میں جہود ائمہ جرح و تعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ بیشک یہ زبان خلق کو نقارۃ خدا سمجھو

تا حد ممکن اسانید کو پورا پورا نقل کیا گیا ہے اور ترجمہ میں اخبارنا، خبرنی، حدثنا، حدثنی، قال فلاں عن فلاں، روی فلاں اور روی عن فلاں وغیرہ اصطلاحات کی پوری رعایت رکھی گئی ہے تاکہ ایک طرف نقل سند کے سلسلہ میں کسی قسم کی خیانت واقع نہ ہو۔ اور دوسری طرف سندات کو دیکھ کر صحیح و ضعیف، متصل اور منقطع وغیرہ کا فرق سمجھنے کی اہلیت رکھنے

وانوں کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر حقیقی کتابیں دستیاب ہو سکی ہیں۔ ان کے حوالے درج کر دیے گئے ہیں۔ بعض متن میں اور بعض حاشیہ میں (تاکہ اصل عبارت کی ترتیب اور تسلسل میں گنجلک اور اضطراب پیدا نہ ہو) اور یہ حوالے اس لیے درج کیے گئے ہیں تاکہ جو کتاب بھی آسانی کے ساتھ کسی صاحب کو میسر اور دستیاب ہو سکے۔ اس کی طرف مراجعت کر کے اصل عبارت یا اس کا ترجمہ بنظر انصاف دیکھ لیا جائے اور اکثر تاریخی واقعات اور ضمنی اجاث کو حاشیہ پر درج کر دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے حضرات اصل مضمون کو مرتب اور مربوط طور پر یکساں رکھی پڑھ لیں۔ اور مزید تفصیل اور تشریح کے لیے حاشیہ دیکھ لیں۔ بہت بریں توضیح بیان، دفع مشبہ، دفع ابہام، توثیق رجال، جمیع روایات اور دیگر نہایت ضروری امور کے لیے بہت سے تشریحی حواشی بڑے حادیے گئے ہیں تاکہ خواص کے علاوہ عوام کے لیے بھی یہ کتاب چراغ راہ کا کام دے۔

حضرات سلف صالحین کی عبارات کے پہلو پہلو ہم نے فریق ثانی کی عبارات اور تحریرات سے بھی استفادہ کیا ہے اور ان کی عبارتیں اپنی تائید میں نقل کی ہیں۔ مگر ان کی عبارات سے احتجاج کرنے میں سینہ زدوری سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ان سے جو منطوق اور مفہوم کے لحاظ سے ہمارا سمجھ میں آیا ہے وہ لکھ دیا ہے۔ ہاں اگر کسی موقع پر مناظرانہ رنگ میں ان کی عبارت کی تشریح میں طنز اور ظرافت کے طور پر کچھ لکھا گیا ہے تو اس کا انکار نہیں، لیکن بھلا اللہ تعالیٰ انصاف کا دامن حتی الوسع ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ والعصمة بید اللہ تعالیٰ وحده۔

ع: یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی مید کہاں

جہاں تک انسانی اور امکانی کوشش کا تعلق ہے۔ حوالہ جات کی تصحیح کا پورا التزام کیا گیا ہے۔ معذرت اگر جلد اور صفحہ کا نمبر اور ہندسہ کسی وجہ سے بدل جائے تو غوراً آرائی کے بجائے اس کی تصحیح کرنی جائے۔ دل میں پورا احترام موجود ہے اور ارادہ بھی تھا کہ محدثین کرام، فقہائے عظام اور ارباب جرح و تعدیل کے ناموں کے پہلے امام علامہ حافظ اور شیخ و حضرت وغیرہ کے توصیفی الفاظ لکھے جائیں، مگر ان کے ناموں کے بار بار آنے سے ہر جگہ ایسا لکھنا ایک دشوار امر ہے۔ لہذا اس فعل کو گستاخی پر حمل نہ کیا جائے، بلکہ ایک مجبوری امر سمجھا جائے اور جہاں ہم نے راویوں

کے ناموں میں تصحیف اور غلطی کو درست کیا ہے اور اس پر تاریخی اور ٹھوس واقعات اور شہادتیں نقل کی ہیں۔ ان کو بنظر انصاف دیکھا جائے اور جلد بازی سے ہرگز کام نہ لیا جائے۔ اور اگر کسی مقام پر طرز استدلال میں کوئی خامی یا کمزوری نظر آئے تو قصور اور لغزش کو مجھ سے منسوب کریں نہ کہ ہمارے سلف و خلف سے۔ کیونکہ ۔

میرے ساتی نے عطا کی ہے مے بے درد و وفا
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے کا ہے

اس کے علاوہ کہیں کہیں میرے اپنے استنباطات اور اجتہادات بھی ہوں گے۔ ان میں غلطی کا واقع ہونا بہت اغلب ہے۔ اور ان کو یوں سمجھنا چاہیے کہ :

”چند راغ راہ ہیں مسندل نہیں ہیں“

مسئلہ زیر بحث کی اہمیت کے پیش نظر اس کے کسی گوشہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا میرے لیے اپنی تہی مانگی اور بے بضاعتی کے باعث چھوٹا سا منہ بڑی بات کا مصداق ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس مسئلہ پر ایسے حضرات خاصہ فرسائی کرتے جو خود بھی کچھ ہوتے۔ یہاں اپنا حال یہ ہے کہ اس پر کچھ لکھنا ہی اس بڑے اہم اور مبارک کام کی توہین ہے لیکن جب میں نے اس مسئلہ کے جمع و ترتیب اور تحقیق و تخیص کے لیے قدم اٹھایا تو صورت حال کا یہ نقشہ دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ کوئی اور طاقت ہے جو بے اختیار میرے کام لے رہی ہے ۔

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

ضروری التماس : حتی الوسع میں نے اس مسئلہ کے ہر پہلو کو مکمل اور واضح کرنے میں تہائی کوشش کی ہے لیکن باوجود اس کے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے آخری کتاب ہے۔ یا باوجود اتنی محنت اور کاوش اٹھانے کے یہ کتاب غلطیوں سے بالکل مبرا ہے کیونکہ اقل تو انسان کا کوئی کام لغزش اور خطا سے یوں بھی خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خطا اور نسیان انسان کا خیر ہے۔ اور پھر کام بھی اس بندۂ عاجز کا جو سراپا تقصیر و خطا ہو۔ اس کی نسبت بالکل صحت کا دعویٰ کس طرح ہو سکتا ہے ؟ لہذا التماس ہے کہ

عجب کو ہدف ملامت بنانے کے بجائے منصفانہ تنقید کے اصول پر میری راہنمائی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ
 نے چاہا تو غلط بات کی تلافی کرنے اور حق کے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی تامل نہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
 ان فرض کتاب کی معنوی صورت ہو یا صورتی، بہر حال نگاہ مقصود پر رکھیے اور میری کوتاہیوں پر مجھے
 مطلع کیجیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست

سوئے قطب امی کشم ناقہ بے زمام را

دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ قلب میں اپنی محبت، ارادہ میں قوت، جسم میں صحت اور عمر میں درازی عطا
 فرمائے اور کتاب و سنت کی پیروی اور حضرات سلف صالحین کی اتباع اور اطاعت کا صحیح جذبہ
 مرحمت فرمائے اور ہر نیک عمل میں اخلاص و احسان کی توفیق دے۔ اگر یہ مقصد حاصل ہو جائے
 تو کتاب کا ہر عیب حسن ہے اور اگر یہ نہ ہو تو تمام خرابیاں بے معنی ہیں اور اس فقیر بے زاد اور
 ماہی بے آب اور تہی دست علم و عمل کی خدا نے برتر و بزرگ سے نہایت اخلاص سے یہ دعا
 ہے کہ جب تک دنیا میں زندہ رکھنا ہے تو اپنی رضا اور خوشنودی کی توفیق دے۔ اور جب دنیا
 سے اٹھنا منظور ہو تو خاتمہ بالخیر ہو۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اسے اکبر

یہی وہ درس ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ط

ابوالزاہد محمد سر فرازاں صفدر

خطیب جامع گگڑ، ضلع گوجرانوالہ

۲۰ جنوری ۱۳۷۲ھ

۱۵ مارچ ۱۹۵۵ء

مقدمہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُهَلِّينَ وَعَلَى جَمِيعِ أُمَّتِهِ
وَالْوَعْدَةِ الْمُتَرَبِّينَ الَّذِينَ بَلَّغُوا كَلَامَ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَأَحَدِيَّتَكَ
رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ إِلَى الْكَافَّةِ لِيَدْخُلُوا بِهَا جَنَّاتِ الْخُلْدِ وَالْبَسَاتِينِ

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصول موضوعہ کے طور پر محل نزاع کو اور اس کے اہم اجزائے بحث کو متعین کر لیا جائے۔ تاکہ مسئلہ زیر بحث کی تہ تک پہنچنے میں دقت پیش نہ آئے۔ سو ہماری تحقیق یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اور نہ ستری نمازوں میں۔ مقتدی کا وظیفہ تمام نمازوں میں یہ ہے کہ پوری و مجبئی اور نہایت خاموشی کے ساتھ امام کی قرآن کی طرف توجہ کرے، مٹنے یا نہ مٹنے، ہمارے اس دعویٰ پر نص قرآنی موجود ہے جس کا معنی اجماع اور اتفاق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن سے منع کیا گیا ہے۔ اور صحیح و صریح اور مرفوع قولی اور فعلی حدیثیں بھی اس پر موجود ہیں اور حضرات خلفائے راشدین اور ان کے علاوہ جہود صحابہ کرام رضوانہم اجمعین رحمہم و اتباع تابعین رحمہم اور محدثین رحمہم و فقہاء کی اکثریت بھی ہمارے ساتھ ہے۔ خصوصاً جہری نمازوں میں۔ ان میں ہر ایک امر کی پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

حضرات صحابہ کرام رض

وہ حضرات صحابہ کرام رض جو امام کے پیچھے تمام نمازوں میں قرآن کے قائل نہ تھے :
حضرات خلفائے راشدین رض، حضرت عبداللہ بن عمر رض، حضرت جابر بن عبداللہ رض، حضرت
زید بن ثابت رض، حضرت عبداللہ بن مسعود رض، حضرت ابوالدرداء رض اور حضرت عبداللہ بن
عباس رض وغیرہ۔

اور وہ حضرات جو ہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے : ان میں :
حضرت عائشہ رض اور حضرت ابوہریرہ رض وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غرض کہ امام
کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا حضرات صحابہ کرام رض میں شایع نہ تھا۔
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ لکھتے ہیں کہ

زیر اذکر خواندن فاتحہ با امام در صحابہ رض چنانچہ امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا
شایع نبود۔ (مصطفیٰ جلد ۱ ص ۱۲۱ طبع جمینیٹی) حضرات صحابہ کرام رض میں شایع نہ تھا۔

حضرات تابعین رحمہ

جو تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے۔ ان میں سے حضرت سیدہ رض بن خلفہ رض،
سعید بن جبیر رحمہ، سعید بن المسیب رحمہ، محمد بن سیرین رحمہ، اسود بن یزید رحمہ، علقمہ بن قیس رحمہ اور حضرت
ابراہیم نخعی رحمہ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

اور جو اکابر ہجری نمازوں میں قائل نہ تھے۔ ان میں حضرت عروہ بن زبیر رض، قاسم بن محمد رض،
امام زہری رحمہ، نافع بن جبیر رض، حسن بصری رحمہ، مجاہد بن جبر رحمہ، محمد بن کعب القرظی رحمہ، ابو حلیہ
ریاحی رحمہ اور امام شعبی رحمہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرات اتباع تابعین رحمہ

جو حضرات مطلقاً امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے۔ ان میں حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ،
سفیان ثوری رحمہ اور امام اوزاعی رحمہ وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ امام
لیث بن سعد رحمہ اور عبداللہ بن وہب رحمہ مشہور ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور قرأت
خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ کے اساتذہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ

جہری نمازوں میں قرآنہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار تابعین ہیں جن کا احصاء اور احاطہ اگر محال نہیں تو آسانی کے ساتھ ممکن بھی نہیں ہے۔ ان تمام اکابر کے اقوال و مسائل پر اسے حوالہ جات کے ساتھ اور ایک ایک سند مع توثیق و است اور دفعہ شبہات و تصحیح کے ساتھ اپنے موقع پر پوری بسط کے ساتھ بیان ہوئے گئے۔
انشاء اللہ العزیز۔

حضرات ائمہ اربعہ رحمہ

چونکہ ائمہ اربعہ کے پیروکار ہر دور میں اکثریت کے ساتھ رہے ہیں اور آج بھی اکثریت مقلدین حضرت ائمہ اربعہ رحمہ کی ہے۔ اس لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم ان حضرات کا مسلک بھی عرض کر دیں۔ اور ان کے بعد ان جلیل القدر ہستیوں کا نظریہ بھی تحریر کر دیں جن کے بارے میں فریق ثانی کو خاص طور پر غلط فہمی ہوئی ہے اور ان ائمہ کرام رحمہ میں سے علی الخصوص حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کا ذکر پہلے مناسب ہے۔ جو علم، عمر، تقویٰ و سع اور شرفِ تابعیت کے حاصل کرنے میں دوسرے جلد ائمہ سے خاص درجہ اور فضیلت کے مالک تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ (المتوفی ۱۵۰ھ)

امام مکہ بیچے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے مطلقاً قائل نہ تھے۔ نہ جہری نمازوں میں اور نہ سہری میں۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمن صاحب مبارک پور بھی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ موطا میں لکھتے ہیں: ”کہ امام کے پیچھے قرآن نہ کرنی چاہیے خواہ امام جہر سے قرآن کرتا ہو یا آہستہ، اسی پر عام اتفاق و ائمتہ کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ کا مسلک اور مذہب بھی یہی ہے۔“

۱۔ تحفۃ لاخو فی جلد ۱ ص: ۲۵۸۔ یہ عبارت موطا امام محمد رحمہ ص ۵۴۔ جامع المسانید جلد ۱ ص ۳۳۶۔ فتح القدیر جلد ۲ ص ۲۴۱۔ اور روح المعانی جلد ۵ ص ۱۳۵ وغیرہ میں بھی نقل کی گئی ہے۔

۲۔ امام موصوف سے متعلق بھی نہ جانتے وادوں اور متعصب لوگوں نے کیا الزام نہیں لگائے جو کسی نے ان کو ضعیف کہا اور کسی نے یم فی الحدیث کے خطاب سے نواز لے لیکن حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ (المتوفی ۴۸۰ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ”کہ وہ الامام الاعظم، (باقی اگلے صفحہ پر)“

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) فقیہ العراق، امام متودع، عالم، عامل، متقی اور کبیرا نشان تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۸)۔ حافظ ابن عبد البر (المتوفی ۴۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام وکیع رحمہ اللہ نے ان سے بہت سی حدیثیں سنی ہیں۔ (کتاب الانتصار ۲ ص ۱۵) اور لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام موصوف سے روایتیں کیں اور ان کی توثیق و تعریف کی۔ وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جنہوں نے (بلا وجہ) ان میں کلام کیا ہے۔ (مختصر کتاب العلم ص ۱۹۲) امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام موصوف ثقہ تھے۔ وہ صرف اسی حدیث کو بیان کرتے تھے جو ان کو اچھی طرح یاد ہوتی تھی۔ امام عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کوئی اور نہیں دیکھا۔ امام الحجرج و الثعلبی، یحییٰ بن سید الفضل (المتوفی ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں ہم نے خود سے قدوس کی تکذیب نہیں کرتے، ہم نے امام موصوف سے بہتر رائے اور بات کسی کی نہیں سنی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۹)۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خیال اور نحو میں ہیں۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۳۲۶ و تہذیب جلد ۱ ص ۲۲۹)۔ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ بڑی مشکل اور دقیق ہے (طبقات کبریٰ جلد ۲ ص ۱۷۲)۔ سب سے زیادہ اسی وجہ سے نا اہل اور سطحی قسم کے لوگ ان کی فقہ سے نفرت کرتے ہیں۔ علامہ خطیب بغدادی (المتوفی ۴۳۵ھ) باوجود امام موصوف پر انتہائی جمہور نقل کرنے کے ان کی ذاتی خوبیوں اور علمی قابلیتوں کا انکار نہیں کر سکے اور صاف لکھتے ہیں کہ علم عقائد اور کلام میں لوگ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خیال اور نحو میں ہیں۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۱۸۱)۔ مشہور محدث، سرسبز (المتوفی ۴۷۷ھ) کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی پیروی خوب مرد تھے جنہوں نے ہر ایسی حدیث کو اچھی طرح سے یاد کیا جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے۔ اور وہ بڑی احتیاط کرنے والے اور فقہی مسائل پر عبور کرنے والے تھے (بغدادی جلد ۱ ص ۳۳۹) امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ علماء تو صرف چار ہیں۔ سفیان ثوری، ابو حنیفہ رحمہ اللہ، مالک اور ازاعلیٰ (البیہد النہدیہ، جلد ۱ ص ۱۰۶) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۴ھ)۔ امام موصوف کی ان الفاظ سے تعریف کرتے ہیں۔ الامام، فقیہ العراق، اعدائہ الاسلام و السادة الاعلام، اعداء کان العلماء اعداء لائمة الاربعہ اصحاب المذاهب المشرقة، امام عبد اللہ بن داؤد الخرمی (المتوفی ۲۱۳ھ) کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے لیے مناسب ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے لیے نمازیں دعا کیا کریں کیونکہ انہوں نے فقہ اور سنت کو محفوظ رکھ جو لوگوں تک پہنچی۔ امام سفیان ثوری اور عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں

فائل کا اس عبارت سے امام محمدؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) کا مسلک بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ

(بقیہ حاشیہ) سب روستے زمین پر بسنے والوں سے بڑھ کر فقہ جانتے والے امام ابو حنیفہؒ تھے۔ امام مکی بن ابراہیم رحمہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اعلم اہل امارض تھے۔ (ابوابہ والنہایت جلد ۱۰ ص ۱۰۵) علامہ ابن خلدونؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ امام موصوف علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے تھے۔ (مقدمہ ص ۴۲۵) اور لکھتے ہیں کہ فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کی نظیر نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے تمام ہم عصر علمائے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ خاص طور پر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے۔ (مقدمہ ص ۴۲۴) علامہ محمد طاهر رحمہ (المتوفی ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام موصوف کی مقبولیت کا کوئی خاص راز اور بھید نہ ہوتا۔ تو امت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیہ) کا ایک نصف حصہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا (مکملہ مجمع البحار جلد ۳ ص ۵۴) مولانا مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن معین رحمہ، امام شعبہؒ اور سفیان ثوری رحمہ سب ان کی توثیق کرتے ہیں۔ (تحقیق الکلام ص ۱۲) نیز تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث (کی قیود اور شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید پابندی اور احتیاط امام ابو حنیفہ رحمہ نے کی ہے اور کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۱۵۹) ہم نے اپنی کتاب مقام ابی حنیفہ رحمہ میں امام صاحبؒ کے امام حدیث و فقہ ہونے پر احوال سیر حاصل بحث کی ہے اور عناد و تعصب کی وجہ سے جن لوگوں نے ان پر اعتراضات کیے ہیں ان کے شکوک و شبہات بھی ہم نے اسی کتاب میں عرض کر دیے ہیں۔

نواب صدیقی حسن خاں صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) رقم طراز ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کو فی دینی چنانکہ در علم دین منصب امامت دارو۔ ہم چنان در زہد و عبادت امام سالکان است۔ (تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابراہ ص ۹۳)۔

حضرت اگر امام موصوف میں کوئی خوبی نہ ہوتی۔ تو امت کی اکثریت کے علاوہ امام بھلی بن سعیدؒ، امام دکیع بن الجراح رحمہ، امام ابن معینؒ، یحییٰ بن زکریاؒ وغیرہ ایسے امام حدیث کبھی ان کی تقلید نہ کرتے۔ (دیکھیے طائفہ منصورہ) شاید نواب صاحبؒ نے بھی امام اعظم کا خطاب متعصب لوگوں کے توحش کو کم کرنے کے لیے اختیار فرمایا ہے اور علامہ فریبیؒ بھی ان کی تعریف الامام الاعظم سے شروع کرتے ہیں۔ **وَلَمْ يَنْفُضْ مَشْهُدَاتِ اَئِمَّةِ اَعْلَمُوْا**۔
بعض قاصر و غیر بالغ نظروں نے امام محمدؒ کی شخصیت کو بھی پہچانا نہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے
(باقی اگلے صفحہ پر)

بھی کسی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہ تھے۔ اور یہی مفسرین ان کی کتاب الآثار ص ۲۱ میں بھی منقول ہے جن لوگوں نے امام محمد کا یہ مسک نقل کیا ہے کہ وہ سترمی بخاری میں مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو مستحسن سمجھتے تھے۔ وہ غلطی پر ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۷۸۸ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ جو لوگ امام محمد کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ وہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کو جائز اور مستحسن سمجھتے ہیں وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

(فقید حاشیہ پچاسی) والد نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے، پندرہ ہزار میں نے نچو، شعر اور ادب کی تعلیم پر صرف کیے اور پندرہ ہزار حدیث اور فقہ کی تعلیم پر۔ بغدادی جلد ۵ ص ۷۳، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس میں کہ میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو مجھ پر علم کی اتنی راہیں نہ کھلتیں جتنی اب کھلی ہیں۔ اور میں نے امام محمد سے بڑا کوئی شخص کتاب اللہ کا عالم نہیں دیکھا۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۲۲) امام ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد سے بڑا کوئی کتاب اللہ کا عالم نہیں دیکھا (بغدادی جلد ۲ ص ۱۷۱) امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس سے کوئی مشکل مسئلہ پوچھا جائے اور اس کے تیوروں پر حل نہ پڑے ہوں۔ البتہ میں امام محمد اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۷۵) امام شافعی سے پوچھا گیا کہ آپ نے امام مالک اور امام محمد... دونوں کی روایت کی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فقیہ کون ہے؟ فرمایا امام محمد باقیبار نفس کے امام مالک سے بڑے فقیہ ہیں۔ (شذرات الذہب جلد ۲ ص ۱۲۲) اس سے ملے جلتے انفاکھنی بن صالح رحمہ اللہ سے بھی منقول ہیں (بغدادی جلد ۲ ص ۱۷۵) امام دارقطنی (متوفی ۳۸۵ھ) باوجود معصوب ہونے کے امام محمد کو ثقات اور حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیس عد وثقات اور حفاظ حدیث نے بیان کی ہے جن میں امام محمد بن الحسن الشیبانی، یحییٰ بن سعید القطان، محمد بن عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی، اور ابن وہب وغیرہ شامل ہیں (بجوالنصب للراۃ جلد ۱ ص ۱۲۰) امام دارقطنی ان کو ثقات اور حفاظ میں پہلے نمبر پر بیان کرتے ہیں۔

تیرے نام سے ابستہ اکر رہا ہوں

میری انتہائے نگارشی یہی ہے

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں امام محمد سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۲۰) امام ابن عساکر فرماتے ہیں کہ امام محمد بن الحسن فقیہ اور عالم تھے۔ انھوں نے امام مالک سے بہت حدیثیں لکھی ہیں اور اسی طرح ثوری وغیرہ بھی۔ (صاحب درختکدہ لکھتے ہیں کہ امام محمد کی حدیث پر نسبت کہ وہ امام کے پیچھے (باقی صفحہ ۷۱)

ان کا قول حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام ابو یوسف رحمہ کی طرح ممانعت کا ہے۔ (بحوالہ فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۷)
 امام ابو یوسف (المتوفی ۱۸۱ھ) کا مسلک بھی اس سے واضح کف اور آشکارا ہو گیا ہے کہ وہ بھی جملہ
 نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) قرآن کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ضعیف ہے اور علامہ شافعیؒ کہتے ہیں کہ امام محمدؒ
 نے کتاب الاثر میں تصریح کی ہے کہ ہم ہماری اور سترے..... کسی نماز میں امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہیں ہیں۔

ودعوی الاحتیاط ممنوعہ بل اور یہ دعویٰ کہ امام کے پیچھے قرآن کرلے میں
 الاحتیاط ترک القراءۃ لضعف العمل احتیاط ہے تو یہ دعویٰ ممنوع ہے بلکہ احتیاط ترک
 باقوی الدلیلین ۱۔ قرآن میں ہے کیونکہ یہاں دو دلیلوں میں سے قوی تر

(رد المحتار جلد ۱ ص ۲۶۶) دلیل پر عمل ہو رہا ہے۔

۱۔ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں فرقہ ثانی بعض محدثین کا ترک کونہ کا جملہ لیے لیے پھرتا ہے۔ حالانکہ بات
 یہ نہیں ہے۔ امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (ضعفاء صغیر ص ۵)۔ امام بیہقیؒ کہتے ہیں: وہ
 ثقہ تھے (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۳۲۴) حافظ عبد القادر القشیریؒ (المتوفی ۷۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ اور امام
 ابن معینؒ اور امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ (الجواهر المضمیۃ جلد ۲ ص ۲۲۱)

علامہ خطیبؒ کہتے ہیں کہ امام ابن معینؒ رحمہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن مدینیؒ سب کا اس بات
 پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسفؒ ثقہ تھے۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) علامہ ذہبیؒ ان کو امام العلامہ اور فقیہ شریف
 کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۷۵) امام مزنیؒ کا بیان ہے کہ فقہاء اور اصحاب السنن میں وہ سب سے
 زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۸) امام ابن قتیبہؒ (المتوفی ۲۷۶ھ)۔

ان کو صاحب سنت اور حافظ کہتے ہیں۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۱۸) امام ابن معینؒ ان کو صاحب حدیث اور
 صاحب سنت کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۷۵) اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اصحاب السنن میں وہ سب سے
 زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے اور اثبوت فی الحدیث تھے۔ (ایضاً) علامہ ابن خلکانؒ (المتوفی ۷۸۱ھ) کہتے
 ہیں کہ امام ابو یوسفؒ حافظ اور کثیر الحدیث تھے (ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۰۳) علامہ عبد القادرؒ (المتوفی ۷۹۹ھ) کہتے

کہ مشرق سے مغرب تک قضاۃ کی تقرری ان کے سپرد تھی (الجواهر المضمیۃ جلد ۲ ص ۲۲۱) امام ابن جریرؒ ابن جوزیؒ اور
 ابن جبانؒ ان کو عالم حافظ اور فقیہ کہتے ہیں (مقدمہ نزلہ ص ۸۸) اور امام بیہقیؒ بن معینؒ سے امام ابو یوسفؒ کے

حضرت امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) بھی امام کے پیچھے پھر نمازوں میں مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے حق میں نہ تھے۔ اور ستر نمازوں میں گو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی مقتدی کو اجازت دیتے ہیں۔ لیکن مع ہذا وجوب کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ ستر نمازوں میں وجوب قرآنہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔
(تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷)

(بقیہ حاشیہ) بارے میں پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا ثقہ صدوق (مناقب کردی جلد ۱ ص ۲۱) و مناقب مرقی (۱۹۲) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جب طلب حدیث کا شوق حاصل ہوا تو سب سے پہلے میں قاضی ابویوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا (بغدادی جلد ۱ ص ۲۵۵) امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ وہ شیخ اور متقن تھے۔ (لسان میزان جلد ۱ ص ۳۰) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ حسن الحدیث ہیں (تخفیں المستدرک جلد ۱ ص ۳) امام ابن عبدالبرؒ امام طبرہمیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ فقیہ عالم اور حافظ تھے پچاس اور ساٹھ تک حدیثیں وہ ایک مجلس میں یاد کر لیا کرتے تھے اور وہ کثیر الحدیث تھے۔

(الانقضاء ص ۱۷۲)

۱۔ امام مالکؒ کا یہ مذہب و مسلک ان کی مشہور کتاب موطا ص ۲۹ اور تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۵۰ و معالم التنزیل جلد ۲ ص ۲۲۳ و روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵ و فتح الملمم جلد ۲ ص ۲۹ اور تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۵ وغیرہ میں منقول ہے۔

۲۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام، حافظ، فقیہ الامت، شیخ الاسلام اور امام دار ہجرت تھے۔ (ذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ اگر امام مالکؒ اور ابن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا امام ابن وہبؒ فرماتے ہیں اگر امام مالکؒ اور امام لیثؒ نہ ہوتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ (ذکرہ ص ۱۹۳)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔ میں نے امام اسحاق بن ابراہیمؒ کو کہتے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ، امام ثوریؒ اور امام ذہبیؒ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو وہی مسئلہ حق اور سنت ہو گا۔ اگرچہ اس میں نص موجود نہ بھی ہو۔ (ذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۵) راقم السطور کہتا ہے کہ امام ثوریؒ اور ذہبیؒ سب نمازوں میں اور امام مالکؒ پھر نمازوں میں ہمارے ساتھ ہیں اور ستر نمازوں میں بھی وجوب کے قائل نہیں ہیں۔ لہذا اس مسئلہ میں یہی مسئلہ حق اور سنت ہے اور نص قرآنی اور احادیث صحیحہ کے صحیح حوالے اسکی مستزاد ہیں جو سونے پر سہاگہ ہے۔

حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) امام موصوف کا مسند زیر بحث میں صحیح مسلک کیا تھا، اس کے سمجھنے اور نقل کرنے میں بڑے بڑے ائمہ فہم نے بیچ در بیچ غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے اور اس کو ایک ائمہ اور عقیدہ لائیکل بنا دیا ہے۔ کسی نے یہ کہہ دیا کہ امام موصوف سبب سازوں میں قرآن الفاتحہ خلف الامام کے وجوہ کے قائل تھے۔ اور کسی نے کہہ دیا کہ ان کا قید قول یہ ہے کہ جسے (بقیہ حاشیہ) امام عبد الرحمن بن حمدی، امام مالکؒ پر کسی کو ترجیح نہ دیتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۸) علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ ثقہ، دامن، ثبت، مقورع، فقیہ، عالم اور مجتہد تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۸)

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ اعدائے الاربعۃ، اصحاب المذہب المنہج تھے۔ (الایضاح والانتہایہ جلد ۱ ص ۸) امام ابن عبد البرؒ نے کتاب الانتصار میں کم و بیش ۹۴ صفحات میں ان کے فضائل بیان کیے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ فرماتے ہیں۔ امام داریم جرت دامائے ازائمہ مذاہب، نقصان ص ۹) علامہ فہمیؒ نے ان الفاظ کے تعریف کرتے ہیں۔ الامام العلم، جہ الامت اور تاجہ السنۃ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۲) امام سہابیؒ بن راہویہؒ فرماتے ہیں۔ مجاہد امام احمدؒ نے فرمایا۔ آؤ تمہیں ایسے شخص بتاؤں جس کا نظیر اور شیل تم نے نہیں دیکھا ہوگا۔ پھر مجھے امام موصوف کے پاس سے گئے۔ (بغدادی جلد ۲ ص ۷۱) امام ابو ثورؒ فرماتے ہیں میں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ خدا انھوں نے بھی اپنا نظیر نہیں دیکھا ہوگا۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۲)۔ امام ابن عبد الحکمؒ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ پر رات میں مجتہد ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۸)

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ اعداء العلماء، نقیض اور دامن تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۸) حافظ ابن کثیرؒ نے ان کی ایسے شاندار الفاظ اور جرات سے تعریف کی اور عقیدت کے پھول برسائے ہیں جن کے واقعی امام موصوف اہل اور مستحق ہیں۔ (دیکھیے ابدا یہ و انتہایہ جلد ۱ ص ۲۵) علامہ ابن عبد البرؒ نے ابن عبد الحکمؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ صاحب سنت و ثرا، اہل فضل و فصاحت اور مضبوط عقل کے مالک تھے۔

(الانتصار ص ۷۱)

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں۔ امام شافعیؒ ہم فضل و وقت وہم، علم و عہد وہم، حجۃ ال عمرہ وہم، مقدم الامت۔ (نقصان ص ۹) یہ قول علامہ بدر الدین عینیؒ نے عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۶ میں اور اسی طرح دوسرے ائمہ نے بھی نقل کیا ہے۔

نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔ اور قول جدید یہ ہے کہ جہری ہوں یا ستری، تمام نمازوں میں قرأت واجبہ ہے۔ اور کسی نے یہ کہہ دیا کہ امام موصوف کے دو قول ہیں۔ ایک جہری نمازوں میں ممانعت کا اور دوسرا اجازت کا۔ لیکن حقیقت ان تمام باتوں کے بالکل عکس ہے۔

امام موثق الدین ابن قدامہ الحنبلی (المتوفی ۷۲۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وجملة ذلك ان القراءة غير واجبة
على المأموم في جهرية الامام ولا في
استربه نص عليه احمد في رواية
الجمعة و بذلك قال الزهری والنووي
وابن عيينه و مالك وابو حنيفة و آصف

اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت واجبہ
نہیں نہ جہری نمازوں اور نہ ستری میں امام احمد
بن حنبل نے صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے جیسا کہ
علماء کی ایک جماعت نے ان سے نقل کیا ہے اور امام
زہری، ثوری، سفیان بن عیینہ، مالک، ابو حنیفہ اور

یہ قول امام بیہقی نے (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۴) میں اور دوسرے اکابر نے بھی نقل کیا ہے جن میں حافظ
ابن کثیر بھی ہیں۔ (تفسیر جلد ۲ ص ۲۸۳)

یہ قول امام مزنی (المتوفی ۷۶۶ھ) نے مختصر منی جلد ۱ ص ۱۱۱ میں امام بیہقی نے (کتاب القراءۃ ص ۱) میں
اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے (تنوع العبادات ص ۱) میں نقل کیا ہے۔

آپ حضرت امام احمد بن حنبل کے مسلک پر تھے اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے تلامذہ میں تھے۔

حدیث، فقہ، تفسیر، طبقات، روایات کے متبحر اور بے مثل عالم تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الدمشقی جو الفقیہ الزاہد الامام، شیخ الاسلام اور احوال اسلام تھے۔ علامہ

ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ امام الحنابلہ، فقہ، حجت، فیل، غزیر الفضل، کامل العقل اور شدید القیاس تھے۔

امام ابو شامہ کہتے ہیں کہ وہ شیخ الحنابلہ، امام من ائمة المسلمين، عظم من اعلام الدين في العلم والعمل تھے۔ محدث

تھے۔ لکھتے ہیں کہ وہ علوم قرآن و حدیث، فقہ و علم خلافت کے امام اور کائنات کے روزگار تھے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ

لکھتے ہیں کہ امام اوزاعی کے بعد ملک شام میں ان سے بڑا کوئی امام داخل نہیں ہوا۔ علامہ ذہبی نے ان کے اوصاف

حمیدہ پر دو مستقل جلدیں لکھی ہیں۔ (ترجمہ الشیخ فی بدر المنی ص ۶، ۷، ۸) علامہ عز الدین بن عبدالسلام (المتوفی

۷۶۶ھ) فرماتے ہیں۔ میں نے اسلام میں دو کتبوں کی مثال نہیں دیکھی۔ ایک حنبلی (علامہ ابن حزم (المتوفی

وقال التفتی وداؤد لعموم قوله عليه السلام لا صلاة لمن لا يقرأ بفاتحة الكتاب غير أنه عطف في محل الجهر لا من باب انحصار ففيه معناه يبقى على العموم۔
(الفتاوى بلقظم) (مغنی بن قدامه جلد ۱ ص ۱۸۸)
اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اور داؤد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔ عام ہے مگر جہری نمازیں اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جہری نمازوں کے علاوہ یہ حدیث اپنے عموم پر باقی رہے گی۔

اس عبارت سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نص قرآنی اور حدیث صحیحہ اَلْأَصْنَوُا کے خلاف ہے۔
خامد کا۔ اس عبارت سے جس طرح امام شافعیؒ کا مسلک واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے اسی طرح امام داؤد ظاہری کا مسلک بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرآن کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ الکتاب کا پڑھنا انصاف مامور بہ کے منافی ہے۔ ممکن ہے کسی صاحب کو یہ شبہ پیدا ہو کہ ہو سکتا ہے امام ابن قدامہ ہی کو امام شافعیؒ کے مسلک کے سمجھنے اور نقل کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہو۔ اس سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود امام شافعیؒ کی تحریروں سے اس مسئلہ کو حل

لفقیہ حاشیہ پچھلا ص ۱۰۱ اور دوسری معنی ابن قدامہ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۲۵ وسان المیزان جلد ۳ ص ۲۰۸ حافظ تقی الدین علی بن عبد الرکافی (المتوفی ۴۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ معنی ابن قدامہ حنبلی کی بلند پایہ اور معتد کتاب ہے (شفاء السقام ص ۴۳) اور حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ وہ شیخ الاسلام تھے۔ جہمید اور معطلہ کے بغیر باقی تمام فرقہ ان کی مقبولیت، تفہیم، راست پرستی میں (اجتہاد الخیرش الاسلامیہ ص ۶۵ طبع امرتسر) امام داؤد بن علی (المتوفی ۲۷۰ھ) علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ اصحاب ظاہر کے امام متبوع، عاجد اور زائد تھے (بغدادی جلد ۸ ص ۱۳۶)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی ان الفاظ سے تعریف کرتے ہیں۔ الحفاظ، الفقہ، المجتہد اور

فقہ اہل الظاہر۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۳۶)

کرویں۔ امام موصوف تحریر فرماتے ہیں:

والحمد في ترك القراءة بام القرآن
والخطء سواء في ان لا تجزئ ركعة

الابها او بشئ معها الا ما يدكر
من المأموم انشاء الله تعالى۔

(کتاب الام جلد اول ص ۹۸)

سورۃ فاتحہ کا دیکھنا واجب ترک کرنا اور بیوقوف
ترک کرنا دونوں کا حکم ایک ہے کہ کوئی رکعت سورۃ
فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنے کے
بغیر جائز نہیں ہو سکتی۔ ہاں مگر مقتدی کا حکم آگے
ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

امام موصوف کی اس عبارت کو بار بار پڑھتے اور ملاحظہ کیجئے کہ مقتدی کے لیے سورۃ
فاتحہ کے پڑھنے کو کیوں مستثنیٰ قرار دیتے ہیں؟ اگر مقتدی کے لیے بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا
ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ امام اور منفرد کے لیے تو ان کی اس تفریق کا کیا مطلب؟ پھر آگے
تحریر فرماتے ہیں:

فواجب على من صلى منفردا او

اماما ان يقرأ بام القرآن في كل ركعة

لا يجزئہ غيرهما و احب ان يقرأ

معها شيئاً آية او اكثر و سا ذکر

المأموم انشاء الله تعالى۔

(کتاب الام جلد اول ص ۹۸)

سو منفرد اور امام پر واجب ہے کہ وہ ہر رکعت
میں سورۃ فاتحہ پڑھیں اس کے علاوہ کوئی اور سورۃ
کفایت نہیں کر سکتی اور میں اس کو بھی زیادہ
پسند کرتا ہوں کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور بھی
پڑھیں ایک آیت ہو یا اس سے زیادہ۔ اور میں
مقتدی کا حکم آگے بیان کر دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس عبارت میں بھی امام موصوف، امام اور منفرد کی تصریح کرتے ہوئے ان کا یہ فریضہ اور
وظیفہ بتلاتے ہیں کہ ان کو نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ مگر یہ بھی تصریح
کرتے ہیں کہ مقتدی کا وظیفہ اور فریضہ کچھ اور ہے۔ جس پر ہر نماز اور ہر رکعت میں سورۃ
فاتحہ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ میں انشاء اللہ العزیز خود اس کا حکم
بیان کر دوں گا۔ وہ کونسا حکم ہے جس کا دوسرا مرتبہ وعدہ کیا ہے؟ تحریر فرماتے ہیں۔

ونحن نقول كل صلوة صلئت

مخلف الامام والامام يقرأ آية لا

اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی
جائے اور امام کسی قرآن کریم یا ہر جو سنی نہ جانتی ہو

یسع فیہ قرآن فیہا۔ تو مقتدی ایسی نماز میں قرآن کرے۔

(کتاب الامم جلد ۱ ص ۱۵۳)

امام شافعیؒ کی یہ عبارت اس بات کو دلائل کثرت سے کہ مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ واجب ہے۔ بلکہ مقتدی صرف ان نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہے جن میں امام کی قرآن نہ سنی جاسکتی ہو اور وہ سستی نماز ہے۔ اسی لیے انھوں نے قرآن لا یسمع ارشاد فرما کر جہری اور سستی نمازوں میں مقتدی کا وظیفہ متعین کر دیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس کا دعویٰ کرے کہ حضرت امام شافعیؒ تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں تو وہ نہ صرف یہ کہ خوش فہمی اور غلطی کا شکار ہے بلکہ اس کو تعدیل مزاج کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔

فائدہ: راقم الخروف کہتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی تعیین میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اور قریل قدیم و جدید کا جو جھگڑا چل نکلا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہی کچھ اور ہے۔ وہ یہ کہ امام الحرمینؒ (متوفی ۴۵۸ھ) وغیرہ نے غلطی سے کتاب الامم کو امام شافعیؒ کی کتب قدیمہ میں شامل سمجھ لیا ہے۔ اور دوسرے ائمہ نے بھی اس امام عالی مقام کی جلالت شان کی وجہ سے اس بات پر بھروسہ اور اعتماد کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے اور یہ سارا جھگڑا ہی اس مفروض پر مبنی ہے۔ ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی اس تاریخی غلطی پر دو تاریخی شہادتیں نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ثم اشقل منها الى مصر فاقام بها الى	پھر حضرت امام شافعیؒ بغداد سے مصر کی طرف روانہ
ان مات في هذه السنة (سنہ ۲۰۴ھ) و مصنف	ہوئے اور وہیں اقامت پذیر ہوئے حتیٰ کہ سنہ ۲۰۴ھ میں
کتايبا لاهرو هو من كتب الجديدة (وہا)	اسی جگہ ان کی وفات ہوئی اور مصر میں ہی انھوں نے کتاب
من روية الربيع بن سليمان وهو مصري	تصنیف کی ہے اور وہ ان کی جدید کتابوں میں سے ہے۔

لے ان کا نام عبد الملک۔ ابوالمالی کنیت، اور الجوزی (ان کے والد ابو محمد عبد اللہ الجوزیؒ کی طرف) نسبت ہے۔ یہ امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) کے استاد تھے۔ حدیث، فقہ اور اصول اور دیگر علوم اور فنون میں پنا نظر نہیں رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ میں علماء شوافع کے سربراہ تھے۔ حرم مکہ اور حرم مدینہ میں عرصہ دراز تک علوم اسلامیہ کی تعلیم دیتے رہے۔ اس لیے امام الحرمین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ (الجواہر المنفصیہ جلد ۲ ص ۳۳۶-۳۳۷ و فوائد البیہ جلد ۲ ص ۷۳ طبع مصر)

وقد زعموا امام الحرمين وغيره
انها من القديرو هذا بعيد وعجيب
کیونکہ اس کے راوی ربیع بن سبیح (المتوفی ۲۷۰ھ)
ہیں جو مصری تھے اور امام الحرمین وغیرہ نے یہ خیال کیا
ہے کہ کتاب الام کتب قدیمہ میں ہے۔ لیکن یہ امام

(البدایہ والنہایۃ جلد ۱۰ ص ۲۵۲) الحرمین ایسے امام سے بڑی ہی بعید اور نرالی بات ہے۔

حافظ موصوف کی یہ عبارت بڑی واضح اور صاف ہے کہ امام الحرمین وغیرہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ کتاب یعنی
کتاب لام امام شافعی کی قدیم کتابوں میں شامل ہے نہ صرف تاریخی لحاظ سے باطل اور مردود ہے بلکہ اس کے
مدعی صواب سے بڑے دور اور بڑی عجیب بات کے متکبر ہوئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں
بنا بر اس مفروض کے اجازت کا قول امام شافعی کا قول حدیث دار دیاب سے لیکن چونکہ البدایہ والنہایہ تفسیر سے
بعد کی تصنیف ہے جیسا کہ خود انہوں نے البدایہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس لیے ان کی اس حدیث تاریخی
تحقیق کے بعد تفسیر کا حوالہ قابل التفات نہیں ہے۔

دوسری شہادت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۱۱ھ) کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ثم خرج لي مصر وصفت بها كُتُب
پھر حضرت امام شافعی مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

الجديده كالام (من الحاضره جلد ۲ ص ۱۲) اور وہاں کتب جدیدہ تصنیف کیں جن میں کتاب الام بھی ہے

ان تاریخی شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ کتاب لام حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی کتب جدیدہ میں ہے۔ اور
امام کے پیچھے مقتدی کا سورۃ فاتحہ کو جہری مازوں میں ترک کرنا ان کا قول جدید ہے نہ کہ قول قدیم۔

مصنف خیر الکلام نے ان شہوس حوالہ جات سے اپنے جواب کے سلسلہ میں جو مخلص تلاش کیا

وہ یہ ہے:

(۱) کہ امام شافعی مصر میں پانچ سال رہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے مصر جا کر پہلے ہی فتویٰ دیا ہو مگر

بعد میں اس سے رجوع کیا ہو جیسا کہ ہم نے انور شاہ صاحبؒ عبارت میں نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ
نے وفات سے دو سال قبل مقتدی کو جہری نمازیں قرآنہ کے روکنے سے رجوع کیا ہے۔ بس محض اس
عبارت کا مصری کتاب میں ہونا آخری قول ہونے کی کیسے دلیل بن سکتا ہے بلکہ اس جگہ تصریح کی

ضرورت ہے۔ (خیر الکلام ص ۲۳)

(۲) مختصر مزیٰ امام شافعیؒ کے ان مسائل کا مجموعہ ہے جو مصر میں بیان فرمائے اور اختیار کیے ہیں۔

(ضعیف الاسلام جلد ۲ ص ۹) بلکہ مزنی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مصری شاگردوں سے ہے۔ (ضعیف الاسلام جلد ۲ ص ۲۲)
(خیر الکلام ص ۲)

(۴) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح قول یہی ہے کہ قرأت واجب ہے امام جہر کرے یا نہ کرے۔ (خیر الکلام ص ۲)

(۵) امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز کسی کام کی نہیں رہتی اکیلا ہونا امام کے پیچھے ہونا امام شافعی رحمہ اللہ اور امام اسحاق رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ اور علماء کا یہی مسلک ہے۔ (خیر الکلام ص ۲)

(۵) امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام کے واجب ہونے کے مندرجہ ذیل ائمہ قائل ہیں امام اوزاعی رحمہ اللہ امام لیث رحمہ اللہ امام سعد رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ جب مصر میں گئے اور یہی ان کے اکثر شاگردوں کا مذہب ہے۔ ان سے امام مزنی رحمہ اللہ اور امام بو یطی رحمہ اللہ ہیں امام ابو ثور رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(تمیذ ابن عبد البر - تحقیق) (خیر الکلام ص ۲)

(۶) کتاب الامام کی پہلی اور دوسری عبارت میں تصریح نہیں کہ مقتدی پر جہری نمازوں میں فاتحہ واجب نہیں منفرد اور امام کے متعلق دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ان پر صرف فاتحہ واجب ہو۔ دوسرا یہ کہ ان پر فاتحہ اور رازاد دونوں واجب ہوں مگر مقتدی کے بارے میں دو احتمال نہیں صرف ایک ہی احتمال ہے۔ (مصلحہ خیر الکلام ص ۲۵، ۲۶)
(۷) کتاب الامام کی تیسری عبارت میں فاتحہ کا ذکر نہیں مطلق قرآن کا ذکر ہے۔ (مصلحہ خیر الکلام ص ۲)
(۸) البدایہ والنہایہ تفسیر سے پہلے کی کتاب ہے۔ کیونکہ تفسیر میں دو جگہ اس کا حوالہ دیا ہے۔

(مصلحہ خیر الکلام ص ۲۶، ۲۷)

(۹) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مقتدی جہری نماز میں بھی پڑھے اسی طرح امام لیث رحمہ اللہ امام اوزاعی رحمہ اللہ امام ابن عیسیٰ رحمہ اللہ امام کحول رحمہ اللہ اور امام ابو ثور رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔

(جلد ۱ ص ۶) (خیر الکلام ص ۲)

(۱۰) معالم التنزیل میں ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک قرآن واجب ہے خواہ امام قرآن بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ یہ قول حضرت عمر رحمہ اللہ حضرت عثمان رحمہ اللہ حضرت علی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رحمہ اللہ سے مروی ہے امام اوزاعی رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ (خیر الکلام ص ۲، ۲۸)
(۱۱) علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ ایک جگہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ امام کے لیے فاتحہ کے بعد مکہ کرنا مستحب ہے تاکہ اس

میں آرام کرے اور مقتدی فاتحہ پڑھ لے تاکہ مقتدی کی طرف سے امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے سے منازعہ واقع نہ ہو۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام اسحق کا یہی مذہب ہے۔ (خیر الکلام ص ۲۸)

اجواب : ہم بفضلہ تعالیٰ خیر الکلام کے ترتیب وار جوابات عرض کرتے ہیں غور فرمائیں۔
(۱) ٹھوس تاریخی حوالوں اور شہادتوں کو رد کرنے کے لیے صرف ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ الخ

کوئی جواب نہیں۔ مصنف خیر الکلام پر اخلاقی طور پر لازم تھا کہ وہ مراحت کے ساتھ دو تاریخی اور ٹھوس حوالوں کے ساتھ یہ نقل فرماتے کہ فلاں کتاب حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الام کے بعد لکھی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ یا قرآۃ کا پڑھنا واجب ہے اور عبارت یہ ہے۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکے تو یقین کامل رکھیں کہ کتاب الام کی صریح عبارتوں کا جواب تاہنوز کوئی نہیں ہوا۔ رہا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کا حوالہ تو وہ مؤلف

خیر الکلام کو چننا مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف اس قدر ہے کہ امام شافعیؒ نے وفات سے دو سال پہلے مقتدی کے لیے جہری نمازوں میں ترک قرآۃ سے رجوع کیا ہے۔ اس سے وجوب کیسے ثابت ہوا؟ چنانچہ خود مؤلف خیر الکلام حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے نقل

کرتے ہیں کہ پھر مجھے علم نہیں کہ امام شافعیؒ نے جہری میں وجوب پسند کیا جیسے کہ شافعیہ کا مسلک ہے یا صرف استحباب کو۔ (فیض الباری جلد ۲ ص ۲۷۱) اور فصل الخطاب میں فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں امام شافعیؒ بھی جہری نمازوں میں صرف پڑھنے کو پسند کرتے ہیں فرض نہیں سمجھتے۔ (خیر الکلام ص ۲) باقی رہا فیض الباری جلد ۱ ص ۱۳۵ کا حوالہ جس میں لکھا ہے

کہ امام شافعیؒ وفات سے دو سال پہلے مقتدی پر قرآۃ کے وجوب کے قائل ہو گئے تھے۔ (مخلصہ) تو ظن غالب یہ ہے کہ یہ مترجم صاحب کی غلطی ہے جنہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی اعلیٰ تقریر کو اپنی صوابدید کے مطابق عربی کا جامہ پہنایا ہے ورنہ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ جلد اول میں وجوب کا حکم بیان فرمائیں اور جلد ثانی میں فرمائیں کہ مجھے کوئی علم نہیں کہ آیا وہ وجوب کے قائل تھے یا استحباب کے؟ اور فصل الخطاب میں یہ فیصلہ صادر فرمائیں کہ امام شافعیؒ جہری نمازوں میں صرف پڑھنے کو پسند کرتے تھے فرض نہیں سمجھتے تھے۔ غور فرمائیے کہ تحقیقی طور پر اس سے زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ اور خود مولانا سید انور شاہ صاحبؒ کہتے ہیں:

ونقل بن تیمیۃ الراجح عنہ کہ حافظ ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبلؒ سے
 يدل علی ان وجوب القرۃ فی اجماع نقل کیسے جو اس بات پر دلالت کرتا
 الحجریۃ خلاف الراجح اولم یدہ ہے کہ جہری نمازوں میں وجوب قرۃ خلاف
 الیہ احد من اہل الاسلام۔ اور اجماع ہے یا اہل اسلام میں سے اس کا ایک شخص
 (فیض لباری جلد ۲ ص ۲۷۲) بھی قائل نہیں ہے۔

پھر کیونکر سمجھ لیا جائے کہ ان کے نزدیک امام شافعیؒ جہری نمازوں میں وجوب قرۃ کے قائل
 ہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعی امام شافعیؒ وفات سے دو سال پہلے مقتدی کے لیے وجوب
 قرۃ کے قائل ہو گئے تھے تب بھی ایک بات نہایت ہی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ تقریباً پچاس سال
 تک جو نمازیں حضرت امام شافعیؒ نے پڑھی ہیں جن میں وہ جہری نمازوں میں قرۃ خلف الامام کے
 قائل نہ تھے کیا ان کی وہ نمازیں درست اور صحیح ہیں یا نہیں؟ اور کیا صرف دوسرے حضرات کی
 نمازیں ہی جن میں قرۃ فاسخ نہ کی گئی ہو باطل کا عدم اور بیکار ہیں یا حضرت امام شافعیؒ کی ان نمازوں
 کا بھی یہی حشر ہے؟ اگر کسی اور کی تحقیق بھی دیا تاؤ بی ہو جو وفات سے دو سال قبل تک حضرت امام
 شافعیؒ کی تھی تو فرمائیے کہ اس کی نماز کیوں کا عدم، بیکار اور باطل ہو گی؟ یا یہ چورن اور
 امرت دعا صرف حنفیوں کے لیے ریزہ اور وقف ہے۔ کیا خوب؟

ابھی کیسے ابھی تو ابتدا ہے دیکھتے جاؤ

ہمارے حال پر یاروں کے احسان اور بھی ہو گئے

(۶) چونکہ باقر صاحب خیر الکلام حضرت امام شافعیؒ مصر میں پانچ سال رہے تھے اس
 لیے اگر مختصر مزنی ان کے مصری مسائل کا مجموعہ بھی ہو اور مزنی ان کے مصری شاگرد بھی ہوں تب
 بھی اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ مجموعہ کتاب الام سے بھی بعد کا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ
 پہلے کا ہو اور کتاب الام ان کی صحیح طور سے کتب جدیدہ میں ہو اور امام مزنیؒ نے باوجود مصر
 ہونے کے مختصر مزنی کی تدوین کتاب الام سے پہلے کی ہو۔ یہ جواب صحیح ہونے کے علاوہ مصنف
 خیر الکلام کی اپنی پسند کا بھی ہے۔ علاوہ انہیں ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ
 امام مزنیؒ اور امام بوعلیؒ صاحب شافعی رحمہما اور بڑے پائے کے محدث اور فقیہ تھے۔

لیکن ربیع بن سلیمان المرادی رحمہ (المتوفی ۲۷۰ھ) کو ان دونوں پر ترجیح ہے۔ چنانچہ امام خلیلؒ فرماتے ہیں کہ:-

ثقة متفق عليه والمزني مع جلالة
 ربیع بن سلیمان ثقرا و متفق عليه ہیں اور
 استعان علی ما فاتہ عن الشافعی بکتاب
 امام مزنی رہنے باوجود جلالت شان کے جو مسائل
 الربیع وقال مسلمة من کبر اصحاب
 امام شافعیؒ کے ان سے چھوٹ گئے تھے ان میں
 الشافعی رح - (۱۱)
 ربیع کی کتاب سے استعانت کی ہے اور مسلمہ
 (تہذیب التہذیب جلد ۳)
 فرماتے ہیں کہ ربیع امام شافعیؒ کے بڑے اصحاب میں
 شمار ہوتے ہیں۔ ص ۲۲۶

اس سے معلوم ہوا کہ امام مزنی کو حضرت امام شافعیؒ کے تمام مسائل معلوم نہ تھے بلکہ ان سے کچھ چھوٹ بھی گئے تھے اور امام شافعیؒ کے مسائل میں وہ ربیع بن سلیمان رحمہ کے خوشہ چیں تھے۔ پھر کیوں نہ ہو کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسائل میں امام ربیع بن سلیمانؒ پر اعتماد کیا جاتے جن پر خود امام مزنیؒ نے اعتماد کیا ہے۔ اور مولیٰ احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبریٰ زادہ رحمہ (المتوفی ۱۹۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ

الربیع بن سلیمان — الثقة، ثبت
 فیہ یرویہ حتی رجوا روایتہ عند تعارض
 ربیع بن سلیمانؒ۔ جو کچھ بھی روایت کرتے
 ہیں اس میں وہ ثقرا و ثبت ہیں حتیٰ کہ محدثین رحمہ
 نے ان کی روایت کو مزنیؒ کی روایت پر جب کہ دونوں
 کی روایت کا تعارض ہو ترجیح دی ہے۔ حالانکہ امام
 مزنیؒ علم اور دین اور جلالت میں بلند مرتبہ تھے۔
 (مفتاح السعادة ومصباح السيادة جلد ۲)
 ص ۱۶۲ طبع حیدرآباد دکن

اس سے بھی ثابت ہوا کہ جب امام ربیع اور امام مزنیؒ کی روایت میں تعارض ہو تو محدثین کرام کے نزدیک امام ربیع بن سلیمانؒ کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور امام ابو الحسین رحمہ فرماتے ہیں کہ

البویطی کان یقول الربیع اثبت فی
 امام بویطی فرماتے تھے کہ امام شافعیؒ سے روایت

الشافعی رحمہ منی ۱ (تمذیب التہذیب کرنے میں رتیج مجھ سے بھی زیادہ اثبت ہیں۔

جلد ۳ ص ۶۲۶)

قطع نظر کتاب الام اور مختصر منی اور مختصر بوطی کے تقدم و تاخر کے خود امام بوطیؒ اور یحییٰؒ کے فیصلے کی روش سے امام ربیع بن سلیمانؒ کی روایت کو تاریخی اور صریح حوالوں کے پیش نظر ترجیح ہے۔ اس لیے اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کتاب الام پہلے کی ہے اور مختصر منیؒ اور مختصر بوطیؒ بعد کی ہیں تب بھی ترجیح امام ربیع بن سلیمانؒ ہی کی روایت کو ہوگی جو کتاب الام کے اور امام شافعیؒ کے مسائل کے راوی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بقول حافظ ابن تیمیہؒ خلق اصحاب الشافعیؒ مثلاً امام رازیؒ اور ابن عبد السلام وغیرہ نے اسی پر عمل کیا ہے کہ جہری نازوں میں قرآن خلف الامام درست نہیں۔ (عبارت آگے آرہی ہے)

(۵۲۳) کا جواب یہ ہے کہ یہ سب حوالے اس امر پر مبنی ہیں کہ مختصر منیؒ اور مختصر بوطیؒ (جوامام یوسف بن یحییٰ البوطیؒ (المتوفی ۲۳۱ھ) کی تالیف ہے) کے حوالوں کو غلطی سے ربیع بن سلیمانؒ کی روایت پر ترجیح دی گئی ہے اور اسی غلطی کے نتیجہ میں حضرت امام شافعیؒ کو وجوب قرآن خلف الامام کا قائل گردانا گیا ہے اور مصنف خیر الکلام نے تحقیق الکلام کے حوالہ سے بحوالہ تمیذ ابن عبد البرؒ امام شافعیؒ سے وجوب کا جو قول نقل کیا ہے اس میں خصوصیت سے یہ درج ہے کہ امام شافعیؒ کے اکثر شاگردوں کا یہی مذہب ہے جن میں امام منیؒ رحمہ اور بوطیؒ بھی ہیں۔ پس یہیں سے اس غلطی کی بنیاد قائم ہوتی ہے کہ امام منیؒ اور امام بوطیؒ کے آئینہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مذہب اور مسلک متعین کرنے کی شدید غلطی کی گئی ہے۔ اور اسی پر بیچ و پیچ غلطیاں مرتب ہوتی ہیں:

سخن شناس نہ دلبر اخطا میں جا است

(۶) حضرت امام شافعیؒ تو صاف طور پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا جان بوجھ کر ترک کرنا یا خطا ترک کرنا دونوں اس حکم میں برابر ہیں کہ کوئی رکعت سورۃ فاتحہ یا سورۃ فاتحہ اور کچھ دیگر حصہ قرآن کے بغیر جائز نہیں۔ ہاں مگر مقتدی کا حکم الگ ہے جو آگے بیان ہوگا اور دوسری عبارت میں تصریح کرتے ہیں کہ امام و منفرد دونوں پر ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ

واجب ہے اس کے بغیر کوئی اور صورت جائز نہیں اور اس سے زیادہ ایک آیت یا اکثر پڑھیں تو مجھے پسند ہے۔ ہاں مگر مقتدی کا حکم کچھ اور ہے اور میں خود اس کو بیان کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان عبارتوں میں تو وہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ امام اور منفرد دونوں پر واجب ہے۔ اور اس سے مراد واجب نہیں بلکہ بہتر ہے جب سورۃ فاتحہ اور مازدا کا الگ الگ حکم بیان فرما رہے ہیں کہ ایک واجب ہے اور دوسرا مستحب (واجب) تو پھر یہ احتمال حضرت امام شافعیؒ کی عبارت میں کہاں سے پیدا ہوا۔ دوسرا یہ کہ ان پر فاتحہ اور مازدا دونوں واجب ہوں۔

۱۔ (خمسید الکلام: ص ۱۲۵) اسی کو کہتے ہیں توحید القول بمالایرضی بقائمه۔ اور پھر مصنف خیر الکلام کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ کتب الام سے حضرت امام شافعیؒ کا وہ حوالہ جس کا دودفعہ انھوں نے وعدہ فرمایا ہے نکال کر بقیہ حروف تباہی کے یہ لو امام شافعیؒ کی معہود عبارت یہ ہے جس میں ہماری خانہ ساز توحید کی تصدیق ہو رہی ہے۔ مصنف خیر الکلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ خواہ مخواہ کچھ لکھ دینے سے جواب نہیں ہو جایا کرتا۔ حضرت امام شافعیؒ کی یہ دونوں عبارتیں سورۃ فاتحہ اور ہر رکعت اور امام و منفرد کے واضح الفاظ کے ساتھ بالکل صریح ہیں اور مقتدی اور ماموم کی اشتداد اور وعدہ بھی ان میں صاف طور پر موجود ہے جس کا ایک ایک حرف پکار پکار کر رہا ہے کہ صاحب خمسید الکلام کی تاویل بالکل سینہ زوری پر مشمول ہے اور قطعاً باطل اور مردود ہے۔ علی دنیا میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

(۷) بلا شک کتاب الام کی تیسری عبارت میں مطلق قرۃ کا ذکر ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ نے جن پہلی دو عبارتوں میں وعدہ فرمایا ہے۔ ان میں اُم القرآن کی تصریح موجود ہے اور ونحن نقول سے اسی وعدہ کو انھوں نے پورا کیا ہے۔ مصنف خیر الکلام اور ان کی جماعت کا اخلاقی فرض ہے کہ اگر یہ عبارت ان کے دومرتبہ وعدہ کے ایقان کے لیے نہیں تو بتلائیں کہ کتاب الام میں وہ کونسی عبارت ہے جس کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے؟ (دیدہ باید)

(۸) البدایہ و النہایہ اور تفسیر ابن کثیرؒ کی ان عبارات سے قدر مشترک یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو کلمۃ البدایہ تفسیر ابن کثیرؒ سے مقدم ہے اور نہ مکمل طور پر تفسیر اس سے پہلے کی ہے۔ کچھ

اجزاء اس کے پہلے لکھے گئے اور کچھ حصص اس کے پہلے تصنیف ہوئے اور مناسب مواقع پر ایک کے حوالے دوسری کتاب میں ذکر کر دیے گئے لیکن بایں ہمہ اس سے کتاب الام کے صریح حوالوں اور امام ربیع بن سلیمان کی راجح روایت پر کوئی رد نہیں پڑتی جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ کتاب الام محض تاریخی شہادتوں کی بنا پر امام موصوف کی کتب جدیدہ میں سے ہے اور امام ربیع کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۱۰۹) کا جواب یہ ہے کہ یہ ساری تحقیق اس بات پر مبنی ہے کہ امام مزنی اور امام یوعلیٰ کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ اصل غلطی کا سبب ہی یہ غلط نظریہ ہے۔ سچ ہے کہ

نشت اول چون نہ مدار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

(۱۱) کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام شافعیؒ جہری فہم میں مقتدی کے لیے قرآن کے قائل نہ تھے بلکہ امام کے سورۃ فاتحہ ختم کر چکنے کے بعد سکتہ میں سورۃ فاتحہ کے قائل تھے کیونکہ بحالت جہر امام مقتدی کی قرآن خلافت اجماع اور شافعیہ۔ یہ عبارت تو مؤلف خیر الکلام کے مدعی کے مطابق نہیں۔ وہ تو جہری بھی قرآن فرض قرار دیتے ہیں۔ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وقال فی الجدید یقرأ الفاتحة فقط فی سکتات الامام۔ امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے لیکن سکتات امام میں۔

(تفسیر جلد ۲، ص ۲۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ بحالت جہر امام شافعیؒ بھی مقتدی کے لیے قرآن کے قائل نہ تھے اور ہم نے اسی کتاب میں باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے کہ سکتات امام کا جن میں مقتدی قرآن کر سکیں اشاعت سے کوئی ثبوت نہیں جس کا کوئی معقول جواب مؤلف نہ کور لے نہیں دیا۔ الغرض امام شافعیؒ کی کتاب الام کی احسن الکلام میں پیش کردہ عبارات اپنے مدلول پر بالکل نص صریح یعنی اور تاویلات بارودہ کو بالکل قریب نہیں آنے دیتیں۔ یوں تعصب و عناد اور انکار وجود کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے جب تک نگاہ تعصب نہ بدلے گی نظریات میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہو سکتی ہے۔

نہ تم پر سے نہ دل بدلانا نہ دل کی آرنہ و بدلی !
میں کیسے اعتیاد پر انقلاب آسمان کروں !

امام احمد بن حنبلؒ : (المستوفی ۲/۴۱ ح) کا مسلک یہ ہے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرآنہ کے قائل نہ تھے۔ بلکہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآنہ کرنے کو شاذ اور خلاف اجماع فرماتے تھے۔ اور ستری نمازوں میں وجوب کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ مولانا مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرآنہ کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی، جلد ۱ ص ۲۵۷)

علامہ ذہبیؒ ان کی ان الفاظ سے تعریف کرتے ہیں: شیخ الاسلام سید المسلمین، الحافظ اور الحجۃ (تذکرہ جلد ۲ ص ۶۱) محدث ابراہیم حرینیؒ کہا کرتے تھے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے اولین اور آخرین کے علوم جمع کر دیے ہیں (ایضاً) امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: میں نے بغداد میں امام احمدؒ سے بڑا فقیہ و عالم اور افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (بغدادی جلد ۲ ص ۳۱۹، تذکرہ جلد ۲ ص ۱۸، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۳۲۵) اور نیز فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد سے نکلا تو میں نے امام احمدؒ سے بڑا فقیہ، زائد اور متوسع اور عالم کوئی دیکھا نہیں چھوڑا، (تہذیب التہذیب ص ۴۳) علامہ خطیبؒ ان کی تعریف میں لکھتے ہیں: امام المحدثین، المناصر للدين، المناضل (یعنی ملافعت کرنے والے) عن السنة، اور الصابر فی لطمۃ (بغدادی جلد ۲ ص ۴۱۲) فواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں: امام احمدؒ امام سنت و مقتدا کے ملت است (نقصار ص ۹۲)

۱۵ امام احمدؒ کا یہ مسلک مغنی ابن قدامہ جلد ۱ ص ۶۰۶، تنوع العبادات ص ۸۶، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵ اور تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷ وغیرہ میں مذکور ہے۔

۱۶ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۴۹ تنوع العبادات ص ۸۷ میں اس کی تصریح ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

بجلاوت وجوبها فی حال الجمہوفانہ
یعنی سورۃ فاتحہ کا جہری نمازوں میں امام کے پیچھے
بظہور وجوب پڑھنا شاذ ہے۔ حتیٰ کہ امام احمدؒ نے اس
کے خلاف اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔
(فتاویٰ: ۲ ص ۱۲۹)
(نوٹ: اگلے صفحہ پر دیکھیے)

ائمہ اربعہ کے مسلک کی تشریح کے بعد ضرورت تو باقی نہیں رہتی کہ ہم دوسرے ائمہ و محدثین اور فقہائے حوالے پیش کریں۔ بجز حضرات ائمہ اربعہ کے اقوال کی موجودگی میں اور کس کے قول کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان میں اکثریت ان ائمہ کی ہے جو حضرات ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد اور ان کی علمی تحقیق کے خوشہ چیں تھے۔ مگر چونکہ فریق ثانی کی طرف سے بعض ائمہ کے مسلک نقل کرنے میں غلطی ہوتی ہے۔ اس لیے ہم بعض ائمہ کے اقوال عرض کرتے ہیں۔

ان میں وہ ائمہ کرام بھی شامل ہیں جو خود مستقل طور پر امام تھے اور انہوں نے کسی کی تقلید نہیں کی، بلکہ عرصہ دراز تک ان کی تقلید ہوتی رہی ہے۔

امام ابراہیم النخعی: (المتوفی ۹۵ھ) کسی نماز میں امام کے پیچھے قرآن سورۃ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔ (معنی ابن قدامہ: ۱ ص ۴۰۹، البحر النقی جلد ۲ ص ۱۶۹، شرح منقح جلد ۲ ص ۱۱) ان کی پوری عبارت مع تشریح کے باب سوم میں ذکر کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

(نوٹ: پچھلا صفحہ) مصنف خیر الکلام (دیکھو ص ۳۱) کا یہ کہنا کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نہ پڑھے بلکہ سکنات میں پڑھے (محصلاً) قطعاً باطل اور مردود ہے کیونکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سکنات کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ان کے حوالے سے آگے اپنے مقام پر بحث آئیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر ان کی مرضی کے خلاف ان کی عبارت کا مطلب لیا کہ ان کا انصاف ہے؟ اور شیخ مصور علی ناصف لکھتے ہیں:

فلو فاقه على المأموم وعليه الجمهور و
مالك والبخليفة واسمه (فاية المأمول جلد
ص ۱۸۲، شرح التاج الجامع للاصول)

۱۔ امام نووی (المتوفی ۷۴۷ھ) لکھتے ہیں کہ ان کی قریش۔ جلالت شان اور فقیہ کمال پر سبکی اتفاق ہے۔
امام شعبی نے اہل ذلت و عت کے کہہ کر ابراہیم نے اپنے بعد اپنے بڑا عالم اور فقیہ کوئی نہیں چھوڑا۔ لوگوں نے کہا کہ ابن
بصری اور ابن سیرین بھی نہیں؟ تو شعبی نے کہا کہ نہ صرف ابن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام
میں کوئی بھی نہیں۔ (تہذیب اللسان والفاظ جلد ۴) علم حدیث میں ان کے اس قدر وسیع معلومات تھے کہ مشہور
حدیث اعمش رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے جب کبھی ابراہیم رحمہ اللہ کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(امام زہریؒ) (المتوفی ۲۴۱ھ) ہجری نازوں میں امام کے پیچھے قرآن سورہ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔
(کتاب القراءة ص ۷۵، مغنی ابن قدامہ جلد ۱ ص ۶۰۹، شرح مقنع جلد ۱ ص ۱)

(بقیہ کچلا صفحہ) سامنے کوئی حدیث پیش کی تو انہوں نے اس میں میرے معلومات اور بڑھائے۔ بڑے
بڑے فقہاء فقہی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سعید بن جبیرؒ کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے
کے لیے آتا تو اس سے کہتے، ابراہیمؒ کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو؟

الودائلؒ کے پاس جب کوئی مستفتی آتا تو اس کو ابراہیمؒ کے پاس بھیج دیتے۔ اور اس سے کہ
دیتے۔ جب وہ جواب دیں مجھے بتانا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۸۹) وہ اتنے محتاط تھے کہ
اکثر یہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اور اب
یہ زمانہ ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے مفسر بن بیٹھتا ہے۔ مجھے زیادہ پسند ہے کہ علم کے متعلق ایک
کلمہ چھٹی منہ سے نہ نکالوں جس زمانہ میں میں فقیہ ہوا وہ بہت ہی انحطاط کا زمانہ ہے۔ (طبقات الکبریٰ شریف
جلد ۱ ص ۱۲۶) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ العراق اور صاحب اخلاص بلند پایہ علماء میں تھے اور احادیث
کے پرکھنے میں وہ حراف اور نقاد تھے۔ اور گنہگار کی زندگی کو بہت پسند کرتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۶۹)

امام زہریؒ ۱۰۱ھ میں مدینہ کا بیان ہے کہ مجاز میں ثقات کا سارا علم زہریؒ اور عمرو بن دینارؒ کے درمیان تقسیم
تھا۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۹۹) عمر بن عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ اب زہریؒ سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا
کوئی نہیں رہا (ایضاً) عمرو بن دینارؒ جو دہی بہت بڑے محدث تھے فرماتے تھے کہ میں نے زہریؒ سے زیادہ
حدیث میں کسی کو انفق نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۸) فقہ میں وہ بہت بلند مقام رکھتے تھے۔

عمر بن کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔ (ابن خلکان جلد ۱ ص ۴۵) اسی فقہی کمال کی وجہ سے وہ

مدینہ کی مجلس افتاء کے مستنشین تھے۔ ان کے فتاویٰ کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ محمد بن نوحؒ نے فقہی ترتیب سے ان کو
تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا تھا۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۶۶) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ امام زہریؒ کے زمانہ
میں ان سے بڑھ کر بڑا حافظ حدیث، عالم اور احادیث کی جمع و ترتیب کرنے والا اور کوئی نہ تھا (کتاب القیۃ

ص ۷۵) حافظ ابن کثیرؒ ان کو احادیث و اعلام من ائمة الاسلام اور تابعی جلیل و اعلم الناس لکھتے ہیں۔ (البدایہ

النہایہ جلد ۱ ص ۳۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زہریؒ ہمارے نزدیک حدیث تفسیر اور رجال کی توثیق کرنے
کے امام ہیں۔ (الرسالہ الامام الشافعیؒ ص ۶۶) اور حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ (بقیہ لگے صفحہ پر)

اور اسی طرح امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۱ھ)۔

امام لیث بن سعد (المتوفی ۲۰۴ھ) امام عبد اللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ)

(بقیہ پچھلا صفحہ) اپنے وقت میں سنت اور حدیث کے بہت بڑے امام تھے۔ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۴۵)
 مدنی سفیان ثوری، علامہ فہمی، ان کو الامام، شیخ الاسلام، سید الحفاظ اور الفقہ کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱۹)
 امام شعبہ وابن معین اور ایک بہت بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ سفیان فخر حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔
 ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث کی سماعت کی ہے جن میں سفیان ثوری سے افضل
 کوئی بھی نہ تھا۔ ان کی تعریف و توصیف کے لیے یہ الفاظ کیا کم ہیں؟ شعبہ فرماتے ہیں۔ سفیان مجھ سے شے
 حافظ ہیں۔ در قد فرماتے ہیں: سفیان نے اپنا نظیر خود بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ امام احمد فرماتے تھے میرے
 نزدیک سفیان سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس سرزمین پر کوئی ایسا نہیں رہا جس نے تمام
 امت متفق ہو۔ ہاں مگر وہ صرف سفیان ثوری ہی ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۱)

امام قسطلی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری، امام مالک سے سب چیزوں میں بڑھ کر ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۱)
 علامہ خطیب لکھتے ہیں کہ وہ ائمہ مسلمین کے بہت بڑے امام اور اعلام دین کے بہت بڑے علم تھے۔ سب
 ان کی امامت پر اتفاق ہے۔ (بغدادی جلد ۹ ص ۱۵۲، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۴) حافظ ابن کثیر لکھتے
 ہیں کہ وہ احمد ائمہ الاسلام اور عابد متقی اور بے شمار تابعین سے ڈرتیں مرنے والے تھے۔ (البدیع النہایہ جلد ۱ ص ۱۳۳)

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ امام سفیان ثوری از اصحاب مذاہب قبوعہ بود و محدث
 جلیل و عارف ذلیل علم را باسلوک یکجا داشت۔ (تقصار ص ۲۷)

علامہ امام لیث بن سعد علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام احمد ان کو کثیر العلم اور صحیح
 الحدیث لکھتے تھے۔ ابن بدینی ان کو ثقہ اور ثبت لکھتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۴۰۱) ابن وہب کا بیان
 ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم نے لیث سے بڑا کوئی فقہ نہیں دیکھا۔ (ابن خلکان جلد ۱ ص ۴۳۵)
 امام نووی کا بیان ہے کہ لیث کی مہارت فقہ پر علی کا اجماع ہے۔ اس کمال ثقہ کے باعث اپنے زمانہ میں مصر کے
 سب سے بڑے مفتی ہی تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۵۲) علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ الامام، الحفاظ اور دینار
 کے علم کے شیخ اور رئیس تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲) یحییٰ بن بکر کا بیان ہے کہ لیث سے زیادہ کامل اور فقیہ الہدین
 (باقی اگلے صفحہ پر پڑھیں)

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۷ھ)

(فقہ اور نمبر پچھلے صفحہ) میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ سفید بن ابیوبک کہتے ہیں اگر امام مالکؒ اور یسٹ کسی موقع پر مجتمع ہوتے تو مالک کو ان کے سامنے لب کشائی کی ہمت نہ ہوتی۔ (بغدادی جلد ۱۳ ص ۶) امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ یسٹ امام مالکؒ سے زیادہ احادیث اور آثار کا اتباع کرتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲) حافظ ابن کثیرؒ ان کو امام فی الفقہ والحدیث والقرآن سے یاد کرتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۶۶) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یسٹ کثیر العلم اور صحیح الحدیث تھے۔ اور نیز فرمایا کہ اہل مصر میں ان سے زیادہ صحیح الحدیث اور کوئی نہ تھا (بغدادی جلد ۱۳ ص ۱۰۲)

۱۱ امام عبداللہ بن ابی بکرؒ علامہ ذہبیؒ ان کو امام العللۃ الحافظ، شیخ الاسلام، فخر المجاہدین اور قدوة الزاہدین لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۵۳) امام ابن جبارؒ کا بیان ہے کہ ان میں اہل علم کے اتنے خصائل جمع ہو گئے تھے کہ ان کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر کسی میں مجتمع نہ ہوئے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۸۶) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ ہم چیزوں میں امام تھے ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کی محبت کی وجہ سے بخشش کی توقع کی جاتی ہے۔ علامہ ابن سعدؒ ان کو مقتدار رحمت اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۸۵) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ حفظ فقہ، عربیت، زہد، شجاعت اور شعر کے مسلم امام تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۷۱)۔ علامہ خطیبؒ فرماتے ہیں کہ وہ علم میں حتیٰ پرستوں کے گروہ میں تھے۔ اور حفظ و زہد کے ساتھ متصف تھے۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۱۵۲) مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (تحفۃ الاخوان جلد ۱ ص ۲۲۰)

۱۲ امام اوزاعیؒ، علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ شیخ الاسلام اور حافظ تھے۔ اور وہ اس قابل تھے کہ ان کو وقت کا خلیفہ بنایا جاتا۔ امام ابواسحاق فزاعیؒ کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کا خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار مجھے دیا جائے تو میں امام اوزاعیؒ کا انتخاب کروں گا۔ اہل شام اور اندلس میں ایک عرصہ تک ان کی تعظیم ہوتی رہی۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹) امام ابو زرؒ فرماتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ سے فقہ اور دین کی بہت سی روایتیں منقول ہیں۔ اسی علمی قابلیت کی وجہ سے وہ اہل شام کے مفتی اعظم تھے۔ امام ابن ہمدیؒ کا بیان ہے۔ حدیث کے مرکزی امام صرف چار ہیں۔ امام اوزاعیؒ (۶) امام مالکؒ (۳) امام ثوریؒ (۴) امام حماد بن زیدؒ۔ نیز ان کا بیان ہے کہ اہل شام میں ان سے بڑا کوئی سنت کا عالم نہ تھا۔ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۸۶) حافظ ابن کثیرؒ ان کو امام اہل علامۃ الوقت اور فقہ اہل الشام لکھتے ہیں۔ امام عبید اللہ بن عبد البرؒ فرماتے ہیں: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۶ھ) اور امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۵ھ) وغیرہ جہری نمازوں میں مطلقاً اور سرسری میں وجوب کے قائل نہ تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اختصاراً اپنے اس دعوے کی دلیل بھی عرض کر دیں چنانچہ امام موفق الدین ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

(بقیہ پچھلا صفحہ) میں نے امام اوزاعی سے بڑا عقلی، پرہیزگار، عالم، فصیح، باوقار، حلیم اور خاموش طبع کوئی اور نہیں دیکھا (ابو یوسف النہایہ جلد ۱۰ ص ۱۱۵) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ وہ امام الشافعیؒ فی وقتہ اور احمد ائمۃ الدینیات تھے۔ (اجتماع الجہوش الاسلامیہ ص ۸۰)

۱۰ امام اسحاق بن راہویہؒ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ حافظ کبیر عالم نیشاپور بکد محمد اہل مشرق کے شیخ تھے۔ محدث ابو زرؒ کا بیان ہے کہ ان سے بڑا کوئی حافظ دیکھنے میں نہیں آیا۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ ان کے اتقان اور اصابت راستے پر آفرین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑا حافظ عطا فرمایا تھا۔ (تذکرہ جلد ۶ صفحہ ۱۹)

امام ابن خزیمہؒ کا بیان ہے کہ اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو وہ یقیناً ان کے علم اور فقہ کا اقرار کرتے۔ امام احمد ان کو امام من ائمۃ المسلمین کہتے ہیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۵۰) ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ اپنے زمانے میں فقہ، علم اور حفظ میں کینے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲) سعید بن ذریبؒ کا بیان ہے کہ وہ حدیث میں انقباض تھے۔ (بخاری جلد ۶ ص ۳۵۰)

۱۱ امام سفیان بن عیینہؒ امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ اگر امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۹) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی امامت جلالت شان اور عظمت پر سب کا اتفاق ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہؒ سے بڑا کوئی عالم سنن نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۳)

ابن حنبلؒ انہیں شیخ المجاز اور اعداء العلم کہتے ہیں: ابن ناصر الدینؒ لکھتے ہیں: سفیان بن عیینہؒ امام علیؒ کا مقام اور حریم محترم کے محدث تھے۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۳۵۴) ابن وہبؒ لکھتے تھے۔ میں نے سفیان بن عیینہؒ سے بڑا کوئی شخص قرآن مجید کا عالم نہیں دیکھا۔ (بخاری جلد ۶ ص ۱۵۲)

علامہ ذہبیؒ ان کو العلماء، الحافظ اور شیخ الاسلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ امام، حافظ، مجتہد، وسیع العلم اور بلند قدر تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہؒ سے بڑا کوئی شخص نہیں دیکھا کہ فرائض دینے میں احتیاط کرنا اور حدیث کی تفسیر میں بھی ان سے بہتر کوئی نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۴۲)

وجعلته ذلك ان القراءة غير واجبة
على العموم فيما جهر به الإمام وإيضاحه
به نقل عليه السلام في رواية الجماعة و
بذلك قال الزهري والثوري وابن عيينة
ومالك والبخاري واسحاق بن راهويه.

(مغنی جلد ۱ ص ۵)

مذہب ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعہ فاطمہ کا امام کے بچے یعنی
نہ جبری ناندوں میں واجب ہے، نہ سبزی میں، ایک
بڑی جماعت نے امام احمد سے اس کی تصریح نقل کی ہے
اور یہی امام زہری، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ،
مالک، ابو حنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا مسلک اور
مذہب ہے۔

امام شمس الدین ابن قدامہ الحنبلی: (المتوفی ۷۲۹ھ) جن کا نام عبد الرحمن بن ابی عمر محمد بن
احمد بن محمد بن قدامہ ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ الامام اور شیخ الاسلام تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۴۳)
فرماتے ہیں کہ

ولا تجب القراءة على المأموم هذا قول اكثر
اهل العلم ومن كان لا يرى القراءة خلف
الإمام صلى الله عليه وآله وابن عباس وابن مسعود والوسعة
وزيد بن ثابت وعقبة بن عامر وجابر وابن
عمر وحذيفة بن اليمان وغيرهم يقولون لا
ابن عيينة ومصاب الرأي ومالك والزهري والرمز
وابن ابي عمير وسعيد بن جبلة قال ابن سيرين
لا اعلم من السنة القراءة خلف الامام
اھ (شرح متنبع جلد ۲ ص ۲۴۳ طبع مصر)

اور مقتدی پر قرأۃ واجب نہیں ہے اور یہی اکثر
اہل علم کا قول ہے اور جو حضرات قرأۃ خلف الامام کے
قائل نہ تھے ان میں خصوصیت سے حضرت علی حضرت
ابن عباس حضرت ابن مسعود، ابو سعید، زید بن ثابت
عقبة بن عامر، جابر بن عمر، حذیفہ بن الیمان قابل
ذکر ہیں اور یہی قول امام سفیان ثوری، سفیان بن
حسینہ فقہار، حنفیہ امام مالک، زہری،
اسود ابراہیم و سعید بن جبیر کا ہے اور محمد بن سیرین
فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ قرأۃ خلف الامام سنت ہے۔

یہ سب بھی اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک مقتدی پر قرأت
واجب نہیں ہے اور حضرات صحابہ کرام اور تابعین و تابعین میں مذکورین حضرات قرأۃ
خلف الامام کے قائل نہ تھے اور امام محمد بن سیرین قرأۃ خلف الامام کو خلاف سنت قرار دیتے
ہیں اور ہم پہلے مغنی کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں کہ امام احمد امام زہری، امام سفیان بن عیینہ

امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ سب حضرات کے نزدیک مقتدی پر جہری اور ستری کسی نماز میں قرآن واجب نہیں ہے۔ اور قاضی شوکانی نے تصریح کی ہے کہ امام اسحاق بن راہویہؒ امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ وغیرہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے۔
(نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۶۳)

مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں:

وقال، لنهـی و مالک وابن المبارک
وامحمد واسحاق یقرأ فیما استرفیه
الامام ولا یقرأ فیما جهر یه۔
(تحفة الاخوان جلد ۱ ص ۲۵)

امام زہریؒ، امام مالکؒ، ابن المبارکؒ، احمد اور اسحاق فرماتے ہیں کہ جن نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرتا ہو، ان میں مقتدی قرآن کر سکتا ہے اور جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے اس کی گنجائش نہیں ہے۔
امام ابن قدامہؒ کے حوالہ سے ابھی نقل کیا جا چکا ہے اور مبارک پوری صاحب کے حوالہ سے عنقریب آئے گا کہ یہ احمد باوجودیکہ ستری نمازوں میں قرآن خلف الامام کے قائل تھے۔ لیکن وجوہ کی بلشتہ۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: (جلد ۱ ص ۵۰۱) بھی مقتدی کے لیے قرأت کو درست نہیں سمجھتے

تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ان کان ما موعوا ینصت الی قرآنہ
وامام ویفہمہا۔
(فتیۃ الطالبین، طبع مصر، ص ۴۳)

اگر نماز پڑھنے والا مقتدی ہے تو اس کو امام کی قرأت کے لیے خاموش رہنا چاہیے اور اس کی قرأت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگر نماز پڑھنے والا پڑگاہ ڈالی جائے تو ان سے یہی قیاد ہو سکتا ہے کہ موصوف مقتدی کا تمام نمازوں میں یہ وظیفہ تیار ہے کہ وہ نہایت توجہ اور دلجمعی کے ساتھ امام کی قرأت کو سنے اور خود خاموش رہے اور اگر اس امر پر بھی دھیان رکھا جائے کہ صاحب موصوف امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے۔ تو اس بات سے علامہ ذہبیؒ ان کو الشیخ اور القدوة لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۱۷۲) علامہ سیوطیؒ ان کو الشیخ لکھتے ہیں۔

(تذکرہ المخطوطات ص ۳۰۳) اور حافظ ابن القیمؒ ان کو الشیخ الامام العارف اور قدوة العارلین لکھتے ہیں (اجتماع الجہوش الاسلامیہ ص ۱۸) نواب صاحبؒ ان کو امام الصوفیہ لکھتے ہیں۔ (المنہج فی الاسوۃ الحسنۃ بالسلفہ ص ۳۳) اگلے صفحہ پر دیکھیے

سے جہری نمازوں میں ممانعت ثابت ہوگی۔ اور چونکہ امام احمد سترہ نمازوں میں وجوب قرآن کے قائل نہیں تھے۔ اس لیے صاحب موصوف کا مسلک بھی یہی ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) مسند خلف الامام پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ امام کے جہر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ پڑھے اور مقتدی سنتیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام جہری نمازوں میں جب **وَلَا الضَّالِّينَ** پڑھتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہتے ہیں اور سترہ نمازوں میں چونکہ مقتدی سنتے نہیں۔ اس لیے وہ آمین بھی نہیں کہتے۔ اگر امام بھی قرأت کر رہا ہو اور مقتدی بھی پڑھتے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو سننا جو اس کے لیے آمادہ نہیں اور ایسی قوم کو خطبہ اور وعظ کو جو توجہ نہیں کرتی۔ اور یہ ایسی کھلی حماقت ہے جس سے شریعت مطہرہ کا دامن بالکل پاک ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص خطبہ امام کے وقت باتیں کر رہا ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر کتا بوں کا بوجھ لادالیا ہو۔ ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہو۔

(فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، جلد ۲ ص ۱۴)

یعنی نہ گدھا کتا بوں سے مفتوح ہو سکتا ہے اور نہ مقتدی قرأت امام سے۔ غور کیجئے کہ کتنی نازک تشبیہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کو گدھے سے مثال دی گئی ہے۔

(نیز دیکھئے صفحہ ۸) نواب صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ در طبقات صوفیہ سرخیل طوائف اولیائے انبیاء کا رد مذہب احمد بن حنبل انتقال برحمت الہی فرمود اور انیز در مجتہدین شمرده اند ہم غیر از حنفیہ قدیم و حدیثاً مریدان خانوادہ و آخذ طریق دوست۔ (ہدایۃ السائل ص ۲۸۷)

لے علامہ ذہبیؒ ان کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام، العلامة، الحافظ، النقاد، المفسر، المجتہد، عالی قدر رئیس الزہاد، یگانہ دوڑاں، بحر العلوم، النکى، الشجاع، السخی اور لکھتے ہیں کہ مخالف اور موافق سب ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ (تذکرہ جلد ۴ صفحہ ۷۷)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ وہ شیخ الاسلام، امام الزکریا اور مجتہد مطلق تھے۔ علامہ

ابن خزم کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ہم پایہ کوئی امام پیدا نہیں ہوا۔ (تقصیر ص ۷۶)

مولانا محمد امجد علیؒ تیسرا لکھتے ہیں: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علماء اسلام میں حفاظ جامعیت علوم و فنون خصوصاً متاثر ہیں۔ (تفسیر واضح البیان ص ۱۳)

قارئین کرام! اگر جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کرنے کی کچھ بھی اجازت ہوتی یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خزانہ معلومات میں ممانعت پر کوئی وزنی دلیل اور امت کی اکثریت کی معیت نہ ہوتی تو یقیناً وہ کبھی ایسی نازک تشبیہ نہ نقل کرتے اور یہی شیخ الاسلام ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

والد مر یا ستماع قرأة الامام و
الانصات لمدح كوفي، لقمان وفي
السنة الصحيحة وهو اجماع الامة
فيما زاد على الفاتحة وهو قول جماعة
السلف من الصحابة في الفاتحة وغيرها
وهو احد قولي الشافعي واختاره طائفة
من حذاق اصحابه كالرازي والبي
محمد بن عبد السلام فان القراءة مع
جهل الامام منكر مخالف القرآن و
السنة وما كان عليه عامة الصحابة.
(تنوع العبادات ص ۸)

امام کی قرآن سننے اور اس کے لیے چپ ہونے کا حکم قرآن کریم اور صحیح حدیث میں مذکور ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی قرأت نہیں ہے اور یہی جہد اور اکثر حضرات صحابہ کرام کا مسلک ہے کہ مقتدی پر نہ سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے اور نہ کوئی اور سورۃ۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور ان کے پیروکاروں کے گروہ میں جو بڑے ماہر تھے۔ مثلاً امام رازی اور امام ابن عبد السلام ان کا بھی یہی قول ہے اور اسی کو انھوں نے پسند کیا ہے۔ کیونکہ جہر امام کے دقت مقتدی کا پڑھنا قرآن کریم اور سنت کے خلاف بھی ہے۔ اور فی نفسہ بُرا بھی ہے اور اکثر حضرات صحابہ کرام کے تعامل کے بھی سراسر خلاف ہے۔

حضرت امام شافعی وغیرہ کا مسلک پوری تفصیل کے ساتھ پہلے نقل کیا جا چکا ہے، عادیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور شیخ الاسلام کی عبارت بھی بڑی صاف اور واضح ہے۔ مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے اور ہم شیخ الاسلام کے حوالہ سے پہلے نقل کر آئے ہیں کہ امام احمد سے وہ نقل کرتے ہیں کہ جہری نمازوں میں مقتدی کا امام کے پیچھے قرآن کرنا ناشائذ بھی ہے اور خلاف اجماع بھی۔ اور لکھتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک نہ جہری نمازوں میں مقتدی پر قرأت واجب ہے اور نہ ستری نمازوں میں۔

(تنوع العبادات ص ۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ستری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کرنے کے قائل تھے جیسا کہ

انہوں نے اپنے فتاویٰ (جلد ۲ ص ۱۴۹) میں اس کی تصریح کی ہے، لیکن چونکہ وہ حنبلی تھے اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ ان کا مسلک بھی امام احمد بن حنبلؒ کی طرح صرف استحباب کا ہونا چاہیے، نہ کہ وجوب کا۔ اور امام ابن قدامہ کی عبارت ستری غاروں میں عدم وجوب کی پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ مؤلف خیر الکلام ص ۳۲ پر لکھتے ہیں کہ ان کے ہاں سکناست امام میں پڑھنے سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے (محصلاً) لیکن اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ آتے گا کہ شیخ الاسلام سکناست کے قائل نہیں ہیں اس لیے یہ توجیہ درویش ہے۔ رہا شیخ الاسلام کا حنبلی ہونا؛ تو اس پر سینکڑوں حوالے نقل کیے جا سکتے ہیں مگر ہم صرف نواب صدیقی حسن خاں صاحب کے ایک حوالے پر اکتفا کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام کو شیخ الخانبہ لکھتے ہیں۔
(الجنة في الاسوة الحسنة بالسنة ص ۳)

حافظ ابن القیمؒ: (المتوفی ۷۵۰ھ) مسئلہ خلف الامام کی تحقیق میں ارشاد فرماتے ہیں؛ کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتدی پر سے سجدہ سہو ساقط کر دیا ہے۔
بائیں طور کہ امام کے پیچھے مقتدی کے بھولنے سے مقتدی پر سہو لازم نہ ہوگا۔ یعنی جب امام کی نماز صحیح ہو گئی تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوگی۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی ساقط کر دیا ہے، کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ آگے لکھتے ہیں:
فقرأة الامام وسننہ قرأة لمن خلفه یعنی امام کی قرأة مقتدیوں کی قرأة ہے اور امام

وسننہ لہ۔ (کتاب الروح لابن القیم ص ۱۶۶) کاسننہ مقتدیوں کاسننہ ہے (ذکر کواکب فہم کی قرأة ہے

لہ امام سیوطی لکھتے ہیں کہ انہوں نے تصنیف کتب، مناظرہ اور مسائل کے استنباط میں بڑی جدت کی اور محنت

اٹھائی ہے۔ حتیٰ کہ علم حدیث، تفسیر اور فقہ میں وہ کبار ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (ایضاً الوعاة ص ۲۵)

ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیمؒ کا برابر السنۃ والجماعت میں تھے۔

اور اس امت کے اولیاء میں ان دونوں کا شمار ہوتا ہے۔ (جمع الوسائل شرح شامل طبع مصر، جلد ۱ ص ۲۰)

نواب صدیقی حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ وہ المستکمل الحافظ اور الامام تھے۔ (دلیل الطالب ص ۹)

اور دوسرے مقام پر یوں بھول برساتے ہیں۔ علامہ کیہ مجتہد مطلق تمام علوم و فنون میں اپنے معاصرین پر تفوق رکھنے والے اور مذہب کے جاننے میں تمام آفاق میں مشہور اور علوم کے سمندر تھے۔ (نقصہ ص ۱۱)

یہ مضمون بھی نہایت روشن ہے اور غیر مبہم۔ مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ؟ (المتوفی ۱۱۷۹ھ) ان کو بھی بعض حضرات نے (جن میں مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوریؒ بھی شامل ہیں۔ دیکھیے تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۷ وغیرہ) مجوزین قرآنہ خلف الامام میں شامل کر لیا ہے۔ حالانکہ معاملہ یوں نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

فمن جہل الامام لم یقرأ الا عند الرساۃ
اگر امام جہر سے قرأت کرتا ہو تو مقتدی کو اس کے
دان خافت فله الخیرۃ۔

(حجۃ اللہ البالغۃ جلد ۲ ص ۲ طبع معمر) ستری نازوں میں مقتدی کو اختیار ہے چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لعلَّ تَنْتَبِهُوا
وہ جہر۔ (انفاس العارفين ص) یہ بحث تو اپنے مقام پر آئے گی کہ سکتا امام کا کیا کہاں اور کتنا ثبوت
ہے؟ اور یہ بھی کہ آیت مذکورہ ستری نازوں کو بھی شامل ہے نہ کہ فقط جہری نمازوں کو۔ لیکن یہ بات
بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ شاہ صاحب قرآنہ خلف الامام کے جہری نمازوں میں مطلقاً اور ستری نمازوں میں
وجوب کے قائل نہ تھے۔

قاضی مقبول احمد صاحب نے مغالطات احسن الکلام ص ۱ اور الاعتصام ص ۱۳۱ اگست ۱۹۷۲ء،
ص ۵۵ کالم ۳۳ میں خاصا داویا کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصنف احسن الکلام نے حضرت شاہ
ولی صاحبؒ کی عبارت کے نقل کرنے میں خیانت کی ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب کی غلط ترجمانی
کی بجلاف اس کے مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوریؒ نے صحیح ترجمانی کی ہے چنانچہ وہ لکھتے
ہیں کہ شاہ صاحب کی یہ عبارت مبہم کر لی گئی ہے اور اگر پڑھے تو سورہ فاتحہ کو اس طرح پڑھے کہ
امام کو خلیفان پیش ڈال دے۔ اور میرے نزدیک یہ بہتر قول ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۷۸ مغالطات احسن الکلام)
لہٰذا اب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ المحدث اور المشہور تھے۔ (الکیرفون) نیز لکھتے ہیں کہ وہ الشیخ الاجل اور المحدث تھے۔
(الجنۃ ص ۳۳) مولانا میریا لکھتی رہ لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بعد اس وقت تک ہندوستان میں تو
ایسا شخص نہیں ہوا کہ اسے امام کہہ سکیں اور دوسرے ملالک کا حال خدا جانے۔

اور الاعتصام میں لکھتے ہیں کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری کی یہ عبارت بھی نقل کر دی جائے تاکہ قارئین اچھی طرح اندازہ فرما سکیں کہ شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ کا مسلک بیان کرنے میں کس نے غلطی کی ہے۔ مولانا مبارک پوری نے یا مولانا سرفراز نے؟

مولانا عبدالرحمن مبارک پوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی باوجود حقیقی المذہب ہونے کے امام کے پیچھے الجھ پڑے تھے کو اولی الاقوال بتایا ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۵) آپ دونوں عبارتیں ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ کیا مولانا عبدالرحمن مبارک پوری نے شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی غلط ترجمانی کی ہے یا مولوی سرفراز نے؟

الجواب: قاضی صاحب عقد جانے دیجئے احسن الکلام کے ٹھوس دلائل اور حکم براہین نے آپ کے اور آپ کی جماعت کے دماغ کو ضرور موقوف کر دیا ہے اور دل کی بھر اس نکالنے کے اور اپنے متعصب حواریوں کو یہ باور کرانے کے لیے کہ مفاطیات احسن الکلام ہماری طرف سے مکمل جواب ہے یا الاعتصام پیش سوچے جگے چند مضامین درج کر کے احسن الکلام کا جواب تصور کر لینا عملی دنیا میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ہاں اپنے جذباتی حواریوں کو جماعت میں غسک رکھنے کے لیے قدرے سنبھالا ہو سکتا ہے۔ مگر تاہم کے ہر لوگ دلائل دیکھا کرتے ہیں۔ ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی مکمل عبارت نقل کرتے ہیں اور قارئین کرام سے اتنا اس کرتے ہیں کہ وہ انصاف سے فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں خیانت کس نے کی ہے؟ آیا مولانا مبارک پوری صاحب اور ان کے وکیل قاضی مقبول احمد صاحب نے یا سرفراز نے؟ حضرت مشاہد صاحب کی عبارت مع ترجمہ یہ ہے:

اور اگر وہ مقتدی چرواس پر خاموش رہتا اور نہ

کے لیے توجہ کرنا واجب ہے۔ پس اگر امام جہر سے پڑھے تو مقتدی قرآن نہ کرے مگر سکتے ہیں اور اگر امام آہستہ پڑھے تو مقتدی کا اختیار ہے پس اگر مقتدی پڑھے تو فاتحہ پڑھے اس طرح کہ امام کو خلل میں نہ ڈالے اور یہ میرے نزدیک سب سے بہتر قول ہے اور نہ ہی اس باب کی حدیثیں باہم جمع کی جاسکتی ہیں اور لہذا اس میں یہ ہے کہ مشاہد نے صراحت کی سادہ

وان کان مأموماً وجب علیہ الانصات

والاستماع فان جهر الامام لم یقرأ الا عند الاستسکان وان خافت قلبه الخیر فان قرأ فلیقرأ الذممة قرآناً (یشوش علی الامام) وهذا ولی الاقوال عندی وبہ یفہم بین احادیث الباب والشرع ما فضل علیہ من ان القرآء مع الامام تشوش علیہ وتغیوت

التعب وتخالف تعظیم لقراء ولم یعزم
 علیہم ان یقرؤا سوا ان العامة متى
 ارادوا ان یصحوا الحروف بلجمهم
 کانت لهم لغة مشوشة فاجل في
 النهی عن التشویش ولم یعزم علیہم ما یؤید
 الی المنہی وبقی خیرة لمن استطاع و
 ذلک غایت الرحمة بالامة انتهى۔

(حجة الله البالغة جلد ۲، اصل طبع مصر)

بتایا ہے کہ امام کے ساتھ قرآن کرنا اس کو فصل میں ڈالتا ہے
 اور تندر کو فوت کر دیتا ہے اور تعظیم قرآن کے مخالف ہے۔
 اور تاکید ان کو نہیں فرمایا کہ وہ ضرور آہستہ پڑھیں کیونکہ
 عام لوگ جب مل کر تصحیح حروف کا ارادہ کریں گے تو ان کی
 آواز بلند ہوگی جو باعث تشویش ہوگی سو اس تشویش کی
 نہی میں تو تاکید کی ہے مگر آہستہ پڑھنے کی تاکید نہیں کی
 جو اس منوع چیز تک ان کو پہنچائے اور اختیار دیا گیا ہے کہ جو
 پڑھ سکتا ہے پڑھے اور یہ امت کے ساتھ انتہائی رحمت ہے۔

یہ تمام خط کشیدہ عبارت قاضی مقبول احمد صاحب شیر مادر سمجھ کر پٹی گئے ہیں جس سے ستری نمازوں
 میں قرآن کرنے اور نہ کرنے کے اختیار کا راز نکلتا ہے۔ اور فاضل قرآن فلیقش لغز کا (جودن خافت
 قلہ الخیرة کی تفسیر ہے) معنی اور اگر پڑھے الخ کر کے اپنی لیاقت کا ثبوت دیا ہے اور غصہ سم
 پر آ رہا ہے کہ غلط ترجمانی ہم نے کی ہے۔ یہ ہے فریق ثانی کے علماء کا علم اور لیاقت سبحان اللہ تعالیٰ
 قاضی صاحب! حضرت شاہ صاحب حرف فلک کے ساتھ (جو تفسیر اور ترتیب کے لیے ہوتا ہے)
 یہ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی نے ستری نمازوں میں پڑھنے کی شق کو اختیار کیا تو اس طرح فاتحہ پڑھے کہ
 امام کے لیے باعث تشویش نہ ہو حرف واؤ کے ساتھ بیان نہیں کر رہے جس کا معنی اور اگر پڑھے
 الخ اور والسلفیہ سے آہستہ پڑھنے کا اور الخیرة کا راز بیان فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب
 نے تمام ستری اور جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو اولی الاقوال نہیں فرمایا جیسا کہ مبارک پوری صاحب
 دھوکہ کھایا ہے اور قاضی صاحب موصوف دھوکہ دہی پر کمر بستہ ہیں کسی عربی کے ماہر ثالث سے فیصلہ
 کولیں کہ اس کا مطلب سرفراز ٹھیک بیان کر رہا ہے یا مبارک پوری صاحب جڑا ہے ہیں نہ درست ہے؟
 جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیر و بصیر!

قارئین کرام! آپ کو اس ماسبق بحث سے یہ اندازہ یہ بخوبی ہو گیا ہوگا کہ حضرات صحابہ
 کرام اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ اربعہ اور ان کے علاوہ امت کی اکثریت کے نزدیک

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کو جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا شاذ، مخالف قرآن و سنت اور مخالف اجماع سمجھتے تھے اور ستر نمازوں میں بھی اُمت کی اکثریت وجوب قرأت کی قائل نہ تھی۔ اس بحث کے پیش نظر فریق ثانی کے یہ باطل اور بے بنیاد دعویٰ کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے بے نماز مفسدین صلوٰۃ اور تارکِ سنت ہیں اور ان کے ساتھ مباہلہ تک کتنا بھی صحیح ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ کہاں تک صحیح ہیں؟ اور ان کے غلو آمیز اور شرانگیز گستاخانہ کلمات سے کون امام بچ سکتا ہے؟ ہم نے محض نمونہ کے طور پر بعض حضرات ائمہ کی عبارت مقتدیینِ دج کی ہیں۔ ان کے علاوہ باب اول میں آیت کی تفسیر میں حضرات تابعین و تابعین کے جو آثار بیان ہوئے ہیں۔ نیز باب سوم میں آثار حضرات صحابہ و تابعین کے تحت جو آثار ذکر کیے جائیں گے۔ وہ ان کے علاوہ ہیں اور اگر آپ کی نزاکت طبع و قلبت فرصت کا خیال دل کی گہرائیوں میں دب دب کرنے اُبھرتا تو ہم ان کو بھی مقدمہ میں جگہ دیتے۔ کیونکہ یہ

رہ رواں خستگی راہ نیست

عشق ہم راہ ہست ہم خود منزل است

اب ہم مقدمہ میں انہی اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے صرف حضرت امام احمد بن حنبل کی ایک جامع و مانع عبارت نقل کرتے ہیں۔ بغور پڑھیے۔ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

قال احمد ما سمعنا احداً من اهل الاسلام يقول ان الامام اذا اجهر بالقراءة لا يجزئ صلوٰۃ من صلت خلفه اذا لم يقرأ وقال هذا النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعون وهذا ما لا نفي اهل الحجاز وهذا الثوري

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ہم نے اہل اسلام میں کسی سے نہیں سنا۔ جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے قرأت کرتا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے قرأت نہ کرے تو مقتدی کی نماز باطل اور فاسد ہو جاتی ہے اور فرمایا یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ آپ کے صحابہ و تابعین ہیں اور یہ امام مالک ہیں اہل حجاز میں اور یہ امام ثوری ہیں

لہ اور نواب صدیقی حسن خان صاحب دارقطنی کے حوالے سے ایک روایت رجالہ کلم ثقات کے الفاظ سے نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ حدیث دلیل اسمت بر عدم قرآن چیزیں امام در حالت جہر امام و انما احمد گفته ما سمعنا احداً يقول ان الامام اذا اجهر بالقراءة لا تجزئ صلوٰۃ من لم يقرأ۔ اھ (ہدایۃ السائل ص ۱۹۳)

فی اهل العراق وهذا الزاعمی فی اهل الشام
وهذا الیث فی اهل مصر ما قالوا الرجل
صلی وقرأ امامه ولم یقرأ هو صلواته
باطلة۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۱۳۷ میں بھی ہے)
یہ عبارت شرح متفق جلد ۲ ص ۱۳۷ میں بھی ہے
اہل عراق میں اور یہ امام اوزاعی ہیں اہل شام میں اور یہ
امام لیث بن سعد ہیں اہل مصر میں ان میں سے کسی نے
یہ نہیں کہا کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کا امام
قرآن کرے اور مقتدی خود قرآن نہ کرے تو اس کی نماز
باطل اور فاسد ہو جاتی ہے۔

درماندگی:

مصنف خیر الکلام نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی اس واضح اور صریح عبارت کا جو جو
دیا ہے اس کو پڑھ کر ان کی علمی حالت پر بے ساختہ ترس آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ
(۱) اس کا مطلب بھی یہی لینا چاہیے کہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنا کسی کے نزدیک ضروری نہیں
بلکہ قرآن کا فرض ہے (جن کے ہاں قرآن فرض ہے) سکتا میں ادا ہو سکتا ہے۔ (الخ) (خیر الکلام ص ۳۲)
(۲) یا امام احمد بن حنبلؒ کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اس لیے کسی کی تحقیق
میں فاتحہ فرض نہ ہو تو وہ جہری نمازیوں میں نہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے باقی رہا یہ سوال کہ امام
صاحب نے جہر کی قید کیوں لگائی ہے اس اختلافی مسئلہ میں تو جہر اور ستر برابر ہے اس کی وجہ یہ ہے
کہ ستری نمازوں میں منع کی چونکہ کوئی دلیل نہیں اس واسطے بعض علماء نے اس کو اختلافی مسئلہ
قرار نہیں دیا بلکہ اتفاقاً سمجھ کر یہ فتویٰ لگایا کہ سرہی نمازوں میں جو شخص نہ پڑھے اس کی نماز باطل
ہے۔ الخ (ص ۳۲ خیر الکلام)

(۳) بعض حنفیہ (احسن الکلام ص ۲۴) نے علامہ کی عبارت سے قرآن امامہ امام پڑھ رہا ہو گا
جملہ حذف کر دیا ہے پھر امام احمد بن حنبلؒ سے یہاں اوزاعی اور لیث کا نام بھی نقل کر دیا ہے حالانکہ
امام ابن عبد البرؒ نے ان دونوں سے فاتحہ کی فرضیت نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ
کو ان کے اس قول کا علم نہیں۔ الخ ص ۳۳ و ۳۴)

الجواب : یہ ہے فریق ثانی کے رئیس المحققین قدوة السالکین اور استاذ الاساتذہ کا

جواب جس میں ایک رتی جان بھی نہیں ہے۔ ترتیب وار سنئے :

۱۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سکتا کا مسئلہ نہیں بیان فرما رہے بلکہ تصریح کرتے ہیں جہری

نمازوں میں امام کے پیچھے مطلق قرآن نہ کرنے والے کی نماز تمام اہل اسلام کے نزدیک جائز ہے اور اس کا ایک شخص بھی منکر اور مخالف نہیں ہے۔ اگر امام احمد بن حنبل کے علم میں یہ ہو تا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (یا کوئی اور) اس کا مخالف ہے تو باوجود قرب زمانے کے بلکہ امام شافعیؒ کا شاگرد ہونے کے (دیکھیے تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۷۷) کبھی یہ دعویٰ نہ کرتے کہ اہل اسلام میں اس کا کوئی قائل نہیں۔ چودھویں صدی کے مجتہدین کا تو انھیں کوئی علم نہ تھا تا کہ ان کے لیے کوئی گنجائش چھوڑ دیتے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا یہ ارشاد امام شافعیؒ کے مسلک کی وضاحت کے لیے ایک مستقل دلیل ہے اور اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ امام کے پیچھے قرأت ترک کر نیوالے کی نماز بالکل صحیح ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبلؒ تو جہری نمازوں میں تمام اہل اسلام کا اتفاق نقل فرماتے ہیں۔ پھر ان کی عبارت کا مطلب چونکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے انہی کس طرح صحیح ہوا۔ رہا ستری نمازوں کے بارے میں مصنف خیر الکلام کا یہ فرمانا کہ چونکہ دلیل نہیں.... انہی (محصلاً) ممکن ہے اس چونکہ سے ان کے حواری تو شاید مطمئن ہو جائیں مگر علیٰ دنیا کبھی اس چونکہ سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ستری نمازوں میں بھی عدم قرأت کی دلیل ایک نہیں کئی ثبوتوں سے دلائل ہیں اور صرف ایک برہان نہیں بلکہ متعدد براہین موجود ہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی خاصاً اختلافی ہے اور جو حضرات پڑھنے کے قائل ہیں۔ مثلاً، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ تو وہ بھی ستری نمازوں میں وجوب کے قائل نہیں ہیں سوائے گنے چنے چند حضرات کے کوئی امام ستری نمازوں میں قرآن نہ کرنے والے کی نماز کے بطلان کا ہرگز فیصلہ نہیں اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

۳۔ قدوة السالکین کا تعصب ملاحظہ ہو کہ یہ حسن ظنی ان کے قلب مبارک میں پیدا ہی نہیں ہوتی کہ یہ لفظ چھوٹ گیا ہے بلکہ فرماتے ہیں حذف کر دیا ہے اور خیر الکلام ص ۵۵ مناقشہ ۱ میں لکھا ہے کہ اس عبارت میں سے جملہ وقراً احادہ اور اس کا امام پڑھتا ہو چھوڑ دیا ہے تاکہ جہری و ستری سب نمازوں کو یہ فتویٰ شامل ہو۔ انتہی بلقطہ۔ فریق ثانی کے رئیس الحدیث کو معلوم ہونا چاہیے کہ احسن الکلام جلد ۱ ص ۲۳ پر جہاں یہ عبارت نقل کی گئی ہے اس کے ترجمہ میں یہ لفظ موجود ہیں کہ جب امام جہر سے قرآن کرتا ہو انہی اس کی موجودگی میں یہ احتمال کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوا کہ ستری نمازیں بھی اس میں شامل ہوں جب کہ راقم کے نزدیک ستری کو یہ شامل ہی نہیں تو سب کو شامل

ہونے کا کیا معنی؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ چار سو صفحات کی کتاب میں کسی ایک آدھ جہد کا چھوٹ جانا یا کتابت میں غلطی کا واقع ہونا غیر اغلب نہیں ہوتا۔ آپ کے ذہن مبارک سے اِنْ بَعْضَ الظَّنِّ اِنَّہُمْ کیوں نکل گیا؟ باقی امام عبدالبر سے بدرجہا زیادہ امام احمد بن حنبلؒ امام اوزاعیؒ اور امام لیثؒ کے مسلک کو جانتے ہیں۔ مجتہد مطلق بھی ہیں اور قرب زمانہ بھی ہے اور یہ حوالہ علامہ ابن قدامہؒ کے علاوہ اور دیگر ثقہ اور شہت حضرات محدثین عظام نے بھی نقل فرمایا ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کا علم بالکل صحیح ہے اور مؤلف خیر الکلام کی بات پر گاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔

اقرار کے ساتھ انکار کی دم؛

مصنف خیر الکلام نے جب بخوبی یہ محسوس کر لیا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی اس ٹھوس اور واضح عبارت کے جواب میں میری کہی ہوئی سینہ زادیاتیں ناکام ہیں تو آخر میں اقرار بھی کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے قول کا مطلب وہی ہے جو ناقل (سرفراز) نے سمجھا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تاویل کی ہے اور صحابہ کرامؓ کے اقوال ان کو پسند صحیح نہیں پہنچے۔ مگر امام بخاریؒ اور دیگر محدثین کو وہ اقوال پسند صحیح پہنچ گئے اس لیے انھوں نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لاھلۃ لمن لم یقرأ بقاۃ الکتاب جو فائدہ نہ پڑھے اس کی نمانہ نہیں ہے۔ اس کی تاویل نہیں کی جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے تاویل کی ہے۔ اَلِیْ اِنْ قَالَ بہر صورت اس اختلاف مسئلہ میں ایک امام کی رائے ہے جو دوسرے ائمہ حدیث خصوصاً امام بخاریؒ (جو بنقل حافظ ابن حجر امام احمد سے فقر اور حدیث میں بیگانہ سے زیادہ ہیں۔ مقدمہ فتح الباری ص ۵۷) کی رائے کے خلاف ہے پس کسی صورت میں یہ قابل انتفاع نہیں۔ (خیر الکلام ص ۳۵۳)

الجواب: حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس مقام پر اہل اسلام کا متفقہ فیصلہ اور ائمہ کورین کا اجماع نقل کر رہے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والے کی نمانہ فاسد اور باطل ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ حدیث کی تاویل اور عدم تاویل کا ذکر وہ یہاں نہیں فرما رہے وہ تو اہل اسلام کا متفقہ فیصلہ نقل فرما رہے ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال اگر امام احمد بن حنبلؒ کو پسند صحیح نہیں پہنچے تو

اور کس کو پہنچے ہیں؟ اور جو اقوال حضرت امام بخاریؒ کو بقول مصنف خیر الکلام بسند صحیح پہنچے ہیں ان کا حال بھی اپنے مقام پر احسن الکلام جلد دوم میں واضح کر دیا گیا ہے جن کو مؤلف مذکور نے تنکوں کا سہارا دے کر تھامنے کی بے جا سعی کی ہے مگر سنبھلے پھ بے بھی نہیں۔ رہا یہ کہ امام بخاریؒ امام احمد بن حنبلؒ سے بیس گنا فقہ و حدیث میں زیادہ ہیں۔ صرف عقیدت کی نقل سے کچھ نہیں بنتا۔ اس کا قائل اور اس کا ورہہ معلوم ہونا چاہیے اور اس کی علمی شہرت اور اکثر امت کا اعتماد باحوالہ درکار ہے۔ محض نقل کی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر وہ کوئی معتبر امام ہے تو یہ صرف ان کی ضلوفی العقیدت کا اظہار ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کا جو مقام حدیث و فقہ میں ہے اس کا کون منکر ہے یا ہو سکتا ہے؟ لیکن حدیث و فقہ میں جو مقام حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے وہ حضرت امام بخاریؒ کا نہیں ہے اس لیے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ بالاتفاق ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں اور حضرت امام بخاریؒ کے متعلق مختلف آراء ہیں کوئی ان کو مجتہد مطلق کہتا ہے اور کوئی مجتہد فی المذہب کہتا ہے۔ اور امام نسبیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان کو شافعی بتاتے ہیں ہم نے بقدر ضرورت طائفہ منصورہ میں اس پر باحوالہ بحث کی ہے اور امام بخاریؒ بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فقہی مسائل میں امام شافعیؒ اور امام ابو عیینہؒ کے فروع ہیں اور ان کی کتب سے مستعمل کرتے ہیں۔ اس لیے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہمارے لیے دونوں دل کا نور اور آنکھوں کا سرور ہیں مگر فرق مراتب ضرور ہے لہذا حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے اس واضح اور روشن حوالہ کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ علمی دنیا میں اس کو باور کرنے کے لیے کوئی تیار ہے۔ اور یہ صرف امام حضرت احمد بن حنبلؒ ہی کی رائے نہیں بلکہ جمہور حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؓ اتباع تابعینؓ اور ائمہ دینؓ کی رائے ہے اور اتنی بڑی دوزنی رائے ہے جس نے فریق ثانی کے اس فلو اور بے جاتعصب کا بھیجا نکال دیا ہے کہ قرآنہ خلف الامام نہ کرنے والوں کی ناز بے کار، باطل اور کالعدم ہے۔ اس لیے امام احمد بن حنبلؒ کی اس مسئلہ میں لاطلی کا دعویٰ (جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے) بالکل بے بنیاد اور سراسر مردود ہے۔ عجب نہیں کہ مؤلف مذکور یہ کہہ دیں: مگر میں نے تو اپنا مسئلہ انکار میں دیکھا

اسی حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ غمام اور بعض دیگر ائمہ (جن سے آپ سابق حاشی میں اچھی طرح روشناس ہو چکے ہیں) کا یہ فیصلہ دیکھ لیجئے۔

اور فریق ثانی کے مفسدین صلوٰۃ اور بے نماز ہونے کے خالص متعصبانہ فتوے اور مباہلہ کے اعلان اور فرائض دلی سے انعامی چیلنج ملاحظہ کریجیے اور پھر فرمائیے کہ تکفیر کس کی ہوگی؟ اور بے نماز کون ہوگا؟ مفسد صلوٰۃ کون ہوگا؟ اور مباہلہ کس سے ہوگا؟ تارک سنت کون ہوگا اور انعامی شاہی چیلنج کا مستحق کون ہوگا؟ افسوس ہے کہ فریق ثانی نے تعصب اور کم فہمی کی وجہ سے ایسا ایٹم بم ایجاد کر لیا کہ اس کی زد سے نہ بڑے بڑے ائمہ بچ سکتے ہیں اور نہ حضرات تابعینؓ بلکہ حضرات صحابہ کرامؓ اور حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ان کے لایعنی فتوؤں سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ ثم العیاذ باللہ تعالیٰ) دیکھتے اس ناروا فتوے کی زد سے کون بچ سکتا ہے؟ ۱۔ متابع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی یہ کس کا خداداد کاغزہ خوں ریز ہے ساقی !

باوجود اس کے کہ حق جمہور کے ساتھ ہے اور سو فیصدی ان کی رائے درست اور صحیح ہے۔ مگر وہ فریق ثانی کی طرح اس مسئلہ میں (بلکہ دیگر تمام اختلافی مسائل میں) نہ تو مخیرین قرآنہ خلف الامام کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ قسم اٹھا کر ان کو بے نماز اور مفسدین صلوٰۃ کہتے ہیں اور نہ ان کو مباہلہ کا چیلنج دیتے ہیں۔ بلکہ جن اکابر (مثلاً امام بخاریؒ و امام بیہقیؒ وغیرہ) نے اپنی انتہائی وسعت اور کوشش صرف کر کے جموں کی رائے کے ساتھ اختلاف رائے کیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان کو معذور تصور کرتے ہیں بلکہ ماحوجہ بھی سمجھتے ہیں اور ائمہ دین اور دیگر حضرات سلف صالحینؓ کی نسبت بدظنی اور سراسر اعتقاد کو کسی طرح بھی روا نہیں سمجھتے، ۲۔

وفاؤں کے ہزاروں دے چکے ہیں امتحان تک
مردہ ہیں کس اس بھی ہیں ہم سے ہنگام اب تک

اگر یہ نظر انصاف دیکھا جائے تو فریق ثانی کے بے بنیاد اور پادروادعوں اور فتوؤں کا جواب تو اس مقدمہ ہی سے پورا ہو جاتا ہے اور مزید کوئی چیز پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مگر چونکہ ہم تمہید کر چکے ہیں کہ مسئلہ زیر بحث کو پوری طرح بے نقاب کرنا ہے۔ اس لیے ہم مقدمہ کے بعد اصل بحث اور اس کے دلائل عرض کرتے ہیں۔ لیکن باب اول شروع کرنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام ترمذیؒ (المتوفی ۳۲۰ھ) اور علامہ بدر الدین عینیؒ

(المتوفی ۸۵۵ھ) کی بعض عبارتوں کو یہیں حل کرتے جائیں، جن سے بہت ممکن ہے کہ بعض اہل علم کو مخالفہ لگ جائے اور طالب علموں کا غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا تو بہت اغلب ہے، رہے وہ حضرات جو غلط فہمی اور مخالفہ کو متابع عزیز سمجھ کر سیلہ سے لگائے پھرتے ہیں۔ ان کے لیے ہمارے پاس کوئی علاج اور دوا موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی صرف اسی کو ہدایت دیتا ہے جو دل میں اس کی ترغیب اور جذبہ پیدا کرے۔ اور عملاً اس کی طرف پیش قدمی کرے ورنہ اس دربار عالی سے بھی محرومی کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہ بزم ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں بیٹا اسی کا ہے

امام ترمذی تحریر فرماتے ہیں: اکثر اہل علم جن میں حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ شامل ہیں اور خاص طور پر امام مالکؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہ مسلک ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قزاقہ کرنی چاہیے (ترمذی جلد ۱ ص ۱۲) ہم پہلے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام عبداللہ بن مبارکؒ امام اسحاقؒ (پچھلے صفحے کے حاشیہ) نے امام ترمذیؒ، علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور اہل علم سمجھتے ہیں۔ صحاح ستہ میں جو مشہور کتابیں جامع تھیں۔ وہ انہی کی تصنیف تھیں۔ اس کے علاوہ کتاب العیالؒ بھی انھوں نے لکھی تھیں۔ حافظہ میں وہ ضرب مثل تھے۔ (تذکرہ ۲۵ ص ۱۲) مگر افسوس یہ امام حالی مقام بھی جرح سے محفوظ نہ رہ سکے چنانچہ علامہ ابن عزمؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ترمذی صاحب الجامع قبول ہیں (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۸) اگر امام ترمذی قبول ہیں تو دنیا میں معروف کون ہو گا؟

علامہ بدر الدین عینیؒ، مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی (المتوفی ۱۲۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ وہ امام، عالم، علامہ عالم بالعبیۃ والتعرفۃ اور حافظ لغت تھے۔ نیز لکھتے ہیں کہ اگر ان میں مذہبی تعصب نہ ہوتا تو کیا خوب ہوتا (فوائد البیہقہ ص ۱۲) بعض غیر مقلد حضرات علامہ عینیؒ کے تعصب پر مولانا لکھنویؒ کی یہ عبارت لیے لیے پھرتے ہیں۔ لیکن یہ تو فراموش کرنا چاہیے کہ امام بیچ سکتے تھے۔ علامہ ذہبیؒ جن کے بعد آج تک کوئی ناقد رجال پیدا نہیں ہوا۔ اور حافظ الدین ابن حجرؒ بھی ان کے ناقد روایات ہونے پر نہ صرف اعتقاد کرتے ہیں بلکہ ان کے خوش چین بھی ہیں۔ (شرح نجمۃ الفکر ص ۱۱) محدث شیخ الاسلام تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں کہ ذہبیؒ بڑے متعصب ہیں وہ ہمارے استاد ہیں اور ہم پر ان کا حق ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حق ان پر مقدم ہے ہم جو کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی حقیقی یا شافعی کے حق میں ذہبی

بن راہویہ کا مسلک پوری وضاحت سے نقل کرتے ہیں کہ ہماری نمازوں میں ان میں کوئی بھی قرآنہ خلف الامام کا قائل نہ تھا اور ستر نمازوں میں امام مالکؒ، امام احمدؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ وغیرہ وجوب قرآنہ کے قائل نہ تھے۔ اور خود امام ترمذیؒ نے امام عبد اللہ بن مبارکؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: بعض لوگوں نے تشدد سے کام لیا ہے لیکن میرے نزدیک جس شخص نے امام کے پیچھے قرآنہ نہ کی اس کی نماز صحیح ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۴۸)

اندریں حالات اگر کسی کو امام ترمذیؒ کی اس عبارت سے کوئی شک اور شبہ پیدا ہو۔ تو ہر گزہ صحیح نہیں۔ المعصوم من حصہ اللہ تعالیٰ۔ لیجھے ہم آپ کو ترمذیؒ کی اسی عبارت کی شرح مولانا مبارک پوری صاحبؒ کے حوالہ سے سناتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

فید اجمال ومقصودہ ان هؤلاء
الثمۃ کلہم یرون القرآنہ خلف الامام
اما فی جمیع الصلوٰۃ وفي الصلوة الستة
فقط واما علی مبیل الوجوب او علی مبیل
الاستحباب والاستحسان۔
کہ امام ترمذیؒ کا یہ قول عمل ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ائمہ مذکورین امام کے پیچھے قرآنہ کے قائل تھے۔ بعض سب نمازوں میں اور بعض صرف ستر نمازوں میں۔ بعض وجوب کے قائل تھے اور بعض صرف استحباب اور استحسان کے۔

(تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۳)

اور تصریح کرتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرآنہ کے وجوب کے قائل نہ تھے۔ (ایضاً ص ۲۵۷) اور لکھتے ہیں کہ امام عبد اللہ بن مبارکؒ بھی امام کے پیچھے وجوب قرآنہ کے قائل نہ تھے۔ (ایضاً ص ۲۵۷)

ربا یہ کہ تمام نمازوں میں قرآنہ خلف الامام کا قائل کون تھا؟ اور پھر خاص طور پر وجوب کا جہاں تک راقم الحروف کے حدود مطالعہ کا تعلق ہے۔ ان ائمہ میں سے جن کا تذکرہ امام ترمذیؒ نے کیا ہے۔ ایک بھی ایسا نہیں جو تمام نمازوں میں قرآنہ خلف الامام کا قائل ہو اور خاص طور پر وجوب۔ اگر مولانا مبارک پوری صاحبؒ کو امام شافعیؒ کے مسلک میں غلط فہمی ہوتی ہو۔ تو ہم پوری وضاحت اور پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) کا قول سمجھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ شافعیوں اور حنفیوں کے حق میں اکثر تعصب سے کام لیتے ہیں۔ (طبقات اکبر جلد ۲ ص ۱۹) والحصۃ بید اللہ تعالیٰ وحدہ۔

اور مراحت کے ساتھ امام شافعیؒ کا مسلک عرض کر چکے ہیں۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ

واستدل بهذا الحديث عبد الله
بن المبارك والاوزاعي ومالك والشافعي
ولحماد والسنيني وابوثور ودادود علي وجوز
قراءة الفاتحة خلف الامام في جميع الصلوات
انتهى بلفظه۔ (عمدة القاري ج ۱ ص ۱۴)
یعنی حضرت عبادۃ کی (لا صلوة لمن لم يقرأ
بالحقن) کی روایت سے امام ابن مبارکؒ، امام
اوزاعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابو ثورؒ
اور امام دادود ظاہریؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تمام
نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام واجب ہے۔

اس عبارت سے غلط فہمی پیدا نہ ہونی چاہیے :

اولاً اس لیے کہ ہم ان حضرات ائمہ کرامؒ کی عبارتیں پوری تشریح کے ساتھ اور خود فریق
ثانی کے محدث جلیل اور وکیل اعظم مولانا مبارک پوری صاحبؒ کے اقرار کے ساتھ نقل کر آئے ہیں کہ یہ ائمہ
تمام نمازوں میں وجوب قراءۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ امام ابو ثورؒ کے علاوہ باقی ائمہ کرامؒ
کی عبارتیں پہلے نقل کی جا چکی ہیں اور ان کا مسئلہ زیر بحث کے متعلق محقق مسلک بھی عرض کیا جا
چکا ہے۔ امام ابو ثورؒ کا صحیح مسلک علی التبعین معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی
پیش کردہ سابق عبارتوں سے بظاہر یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ چہری نمازوں میں وہ بھی امام کے پیچھے قراءۃ
کو شاذ اور خلاف اجماع ہی سمجھتے ہو گئے اور اسی صوفیہ کے حاشیہ سے انکا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے
کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے اور تحقیق یہی تھی جو حضرت امام شافعیؒ کی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔
وثانیاً علامہ عینیؒ کی اسی عبارت پر گرفت کرتے ہوئے مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں :

لہ امام ابو ثورؒ (المتوفی ۲۴۰ھ) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں : کہ وہ الامام، المجتہد اور حافظ تھے۔ امام نسائیؒ ان کی ثقہ
اور مامون اور احد الفقہاء رکھتے ہیں۔ امام ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ فقہ، علم، ورع، فضیلت، تصنیف کتب
اور تشریح سنت میں دنیا کے اماموں میں ایک تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۸۶) علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ احد
الشعرا المؤمنین ومن الائمة الاعلام فی الدین تھے۔ (بغدادی جلد ۶ ص ۶۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ پہلے
اپنی رائے اور فقہ پر کاربند تھے۔ جب حضرت امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لے گئے تو امام
موصوف نے اپنے مسلک سے رجوع کر لیا اور امام شافعیؒ کے پاس آتے جاتے رہے۔ (تہذیب جلد ۱ ص ۱۱)
اس سے بظاہر یہ قیاد ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں کہتا ہوں کہ یہ امام بدر الدین عینی کا وہم ہے کیونکہ
عبد اللہ بن مبارک امام کے پیچھے وجوب قرآن کے قائلین میں
نہ تھے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے اور اسی طرح حضرت
امام مالکؒ اور امام احمدؒ بھی تمام نمازوں میں سورۃ فاتحہ
کے امام کے پیچھے پڑھنے کے وجوب کے قائل نہ
تھے۔

قلت هذا وهم من العيني فان
عبد الله بن المبارك لم يكن من القائلين
بوجوب القراءة خلف الامام كما عرفت
وكذلك الامام مالك والامام احمد
لعمري لو قائلين بوجوب قراءة الفاتحة
خلف الامام في جميع الصلوات انتهى
(مختصر لا حول ولا قوة الا بالله)

مولانا مبارکپوری صاحب کا یہ ارشاد فرمانا بالکل صحیح ہے۔ یہ یقیناً علامہ عینی کا وہم اور ان کے سر
قلم کا نتیجہ ہے۔ ورنہ دلائل اور براہین کے رو سے ان آئمہ کا جن کا ذکر علامہ موصوف نے کیا ہے مسلک
بالدلائل نہایت فہم و بسط کے ساتھ اپنے موقع پر بیان ہو گا اور اجمالی طور پر بقدر کفایت مقدمہ
میں ذکر ہو چکا ہے۔

ہمیں اچھی طرح اس امر کا احساس ہے کہ سلسلہ کلام دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے اور شاید کہ آپت میں
کی حدالت سے ہی گھبرا جائیں۔ حالانکہ ہم نے ابھی بہت کچھ عرض کرنا ہے۔ اس لیے ہم مقدمہ کو انہی اقتباسات
پر ختم کرتے ہیں اور فریق ثانی کی خدمت میں نہایت اخلاص سے عرض کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسا غیر عطا لفظ
زبان سے نہ نکالے جس کی زد میں اکثر امت اور جمہور سلف صالحین آجائیں کیونکہ ہم لوگوں تک حدیث
کے پہنچانے کا واحد ذریعہ ہی یہی لوگ ہیں اور ان پر برسنے والا گویا بالواسطہ حدیث پر برس رہا ہے۔
اور ان کی گستاخی کرنے والا کبھی حدیث رسول کا غیر خواہ نہیں ہو سکتا :-
تا دامن آ کے چاک گریباں نے دم لیا
ہے دامن اور جیب میں رشتہ قریب کا

نوٹ: قرآن کریم کی ضروری تشریح حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے فوائد سے ماخوذ
ہے اور طبقات ابن سعد، شذرات الذهب، تہذیب السام اور ابن خلکان وغیرہ میرے پیش نظر نہیں ہیں۔ ان
کتابوں کے حوالے تابعین اور علماء اسلام سے ماخوذ ہیں۔ باقی جملہ کتابوں سے ہیں براہ راست استفادہ کیا ہے۔
الو ماشاء اللہ تعالیٰ اور حوالہ جات میں صحت کی ہر ممکن کوشش مد نظر رکھی گئی ہے۔
الوالیٰ زادہ۔

باب اول

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں سلم داشتن

اہل اسلام سے یہ بات ہرگز مخفی نہیں کہ جو مرتبہ، درجہ اور قطعیت اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی کتاب کو حاصل ہے۔ وہ یقیناً دنیا میں کسی اور کلام اور کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دلائل اور براہین کے موقع پر مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلا نمبر صرف قرآن کریم کو حاصل ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس میں کسی انسان کی دماغی محنت اور کاوش کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بخلاف حدیث کے کیونکہ پہلے ہر حدیث کو نقل بالثواتر کا درجہ حاصل نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم کو حاصل ہے اور پھر احادیث میں نقل بالمعنی کا بھی کافی دخل ہے جیسا کہ فرج حدیث سے تعلق رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ لہذا یہ امر یقینی ہے کہ جس گروہ کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ثبوت ہوگا۔ اس کا مسلک حق اور صحیح ہوگا اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ امام کے پیچھے قرآن لے بلکہ امام سیوطی وغیرہ نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے فان اکثر الاحادیث مروی بالمعنی۔ (الاقتران) یعنی اکثر احادیث جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یقید الفاظ مروی نہیں ہیں۔ بلکہ راویوں نے احادیث کے معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

ترک کرنے پر مجبور کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب سے قطعی اور حکم دلیل موجود ہے۔

قرآن کریم کے آداب :

اس سے قبل کہ ہم قرآن کریم کی وہ آیت اور اس کی تفسیر اور تشریح نقل کریں جس سے ہم استفادہ کرتے ہیں یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کے عمومی آداب پر غور اور فکر کر لیں کہ جس وقت اور جس مقام پر قرآن کریم کی قراءۃ اور تعلیم و تدریس اور تلاوت ہوتی ہو وہاں سامعین کو کیا کرنا چاہیے؟ اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا ادب سکھایا ہے؟ اگر اسی ایک پہلو پر سرسری غور کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ کافی حد تک بحث اسی سے حل اور طے ہو جائے۔ ہم قرآن کریم کی چند آیات اور احادیث اور علماء کرام کی بعض عبارتیں اور نقول عرض کرتے ہیں جن سے سامعین کے آداب پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ اور قرآن کریم کے آداب کا قابلِ تعلیم پہلو بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) شروع شروع میں جس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم لاتے۔ ان کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی دل میں پڑھتے جاتے تھے تاکہ جلد اسے یاد کر لیں اور سیکھ لیں۔ مبادا حضرت جبرائیل چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہو سکے۔ ظاہر بات ہے کہ اس صورت میں پوری طرح سننے اور سمجھنے میں دقت ہوتی تھی۔ اوشاد ہوا کہ آپ ہمد تن متوجہ ہو کر سنیں۔ جس وقت حضرت جبرائیل پڑھیں۔ آپ اس وقت خاموش ہو کر توجہ کریں اور سنیں اور زبان مبارک کو حرکت نہ دیں۔ قرآن کریم کا حرف بحرف جمع کرنا اور آپ کی ذات سے پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ آیات ملاحظہ کریں :

لَا تَجْرِلْ بِهِ وَاَلَمْ تَكُنْ لَتَعَجَّلَ بِهِ ۝
 اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَاِذَا قَرَأَهُ
 فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝
 (پ ۲۹ - قیمة ۱)

نہ حرکت دیجیے قرآن کے پڑھنے میں اپنی زبان کو تاکہ
 آپ جلدی اس کو سیکھ لیں۔ اس کا جمع کرنا اور اس کا
 (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے اور جب ہم (زبان
 فرشتہ) پڑھیں تو آپ ان کے پڑھنے کی اتباع کریں۔ پھر

ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم و تدریس اور تلاوت کے وقت سامعین کو خاموش رہ کر پوری

وہ بھی اور توجہ کے ساتھ قاری اور تالی کی قرآنہ سننی چاہیے۔ کیونکہ قرآن کریم کے آداب اور اتباع اور اس کی تعظیم و تکریم کا یہی واضح پہلو ہے۔

مصنف خیر الکلام نے اپنی عادت کے مطابق کہ چپ نہ رہ سکوں یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کا قرآن کریم کی تعظیم و احترام سے کوئی تعلق نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ آپ کو اس سے پہلے قرآنی آداب کا علم نہ تھا۔ اور یہ بات سراسر غلط ہے اور نیز لازم آئے گا کہ استاد جب تک سبق ختم نہ کرے شاگرد کا پڑھنا ہے ادبی ہو تو پھر پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ہی چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کا مطلب جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی سے مروی ہے یہ ہے کہ قرآن کے آمانے سے آپ کو سخت تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۲۶۳) (مجموع خیر الکلام ص ۳۶۳)

الجواب:

یہ جرح کہ اسے محض دفع الوقتی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ
 هذا تعلیم من الله عز وجل لموسى
 صلی اللہ علیہ وسلم فی کیفیتہ تلقیہ الوحی
 من الملك فانه كان يبادر الى اخذها وبابن
 الملك فی قرآنہ فامرہ اللہ عز وجل اذا جاءہ
 الملك بالوحی ان یستمع لہ وتکمل اللہ ان
 یجمعہ فی صدرہ الخ
 (تفسیر جلد ۳ ص ۴۲۹)
 اس میں آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہے کہ فرشتہ سے وحی کس کیفیت سے حاصل کرنی ہے کیونکہ آپ وحی کے لینے میں جلدی کرتے اور فرشتہ سے اس کی قرآنہ میں سابقت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب فرشتہ وحی لائے تو آپ توجہ فرمائیں اور قرآن پاک کو آپ کے سینہ میں محفوظ کر دینے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھالیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس آیت کے نزول سے پہلے اس طرح پڑھنے کو خلاف ادب نہ سمجھتے تھے لیکن آپ پر واضح کر دیا گیا ہے کہ آپ کا کام استماع ہے ساتھ ساتھ پڑھنا نہیں ہے باقی حضرت ابن عباس رضی کی روایت ہمارے مطلب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ آپ اس خیال سے پڑھتے تھے کہ مبادا بقول نہ جاؤں سو آپ پر منکشف کر دیا گیا کہ آپ بھولیں گے بھی نہیں اس طرح قرآن کریم کا ادب بھی ملحوظ رہے گا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مصنف خیر الکلام

الف یا تا پڑھنے والے ایجد خوانوں کو ذہن مبارک میں جگہ دیے ہوتے ہیں جیسی تو فرماتے ہیں کہ پڑھنا پڑھنا ختم ہو جائے گا۔ بات اُن کی ہو رہی ہے جو سن کر تدبر اور قرآن کریم کے مضمون پر غور و خوض کر سکیں اور ان کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ پہلے سن لیں پھر لب کشائی کریں۔ بچوں کی بات نہیں ہو رہی۔

(۲) ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے خطاب فرمایا ہے،

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا
اور آپ جلدی نہ کریں قرآن کے لیغ میں جب تک
پورا نہ ہو جایا کرے اس کا اتنا۔ اور کہیے اے میرے رب
(پ ۱۹ طہ رکوع ۷) زیادہ کر علم میرا اور سمجھ۔

یہ آیت بھی اس امر کو راحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ تلاوت اور قرأت قرآن کریم کے وقت سامعین کو پورے تدبر اور انہماک کے ساتھ قرآن سنا چاہیے اور خود ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش اور کاوش نہیں کرنی چاہیے۔

(۳) بعثت محمدی سے پہلے جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب اُن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شہب کی مار پڑنے لگی۔ جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت زیادہ سخت پھرے بٹھلائے گئے ہیں۔ اسی کی تلاش و جستجو کے لیے جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت بطنِ نجر (مکہ مکرمہ کے پاس ایک مقام کا نام ہے) کی طرف سے گذری۔ وہاں اتفاق سے اس وقت اُن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن کریم سننے کے لیے ادھر پھیر دیا۔ قرآن کریم کی آواز ان کو بہت عجیب اور موثر و دلکش معلوم ہوئی اور اس کی عظمت اور عظمتِ دلوں پر چھا گئی۔ آپس میں کہنے لگے کہ چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام پاک سنو۔ آخر قرآن کریم نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ہی نئی چیز ہے جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہر حال جب اُن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم پڑھ کر فارغ ہوئے تو یہ لوگ

اپنے دلوں میں ایمان و ایقان کا موجب بن سمندر کے گرداپس ہوئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی جس کی پوری تفصیل سورہ جن میں کی گئی ہے اور آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اسی سورت کے ذریعہ سے ان کا پورا قصہ اور واقعہ بتلایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ
يَسْمَعُونَ الْقُرْآنَ أَن طَفِلَا هَافِضُوهُ
قَالُوا أَنْصِتُوا هَذَا قَوْلُ مُنْذِرٍ يُنْذِرُ
قَوْمَهُ مِمَّا يَمُنُّونَ بِهِ لَنَمْسُكُمْ نَحْنُ الْكَاثِبُونَ

اور جب حضور کر دیا۔ ہم نے جنوں کا ایک گروہ آپ کی طرف وہ سننے لگے قرآن، پھر جب وہ وہاں پہنچے، بولے جب اور خاموش رہو۔ پھر جب قرآن ختم ہوا تو اپنی قوم کی طرف چپے گئے تاکہ ان کو خدا تعالیٰ کی مخالفت

(پارہ ۲۶، احقاف ۴) اور عذاب سے ڈرائیں

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون میں جنوں کے اس گروہ کی تعریف بیان کی ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ پوری توجہ کے ساتھ خاموش رہ کر قرآن کریم کی قرآن سنی بلکہ اس کا خیر پر دوسروں کو بھی آمادہ کیا اور مرد مومن کی بھی یہی عادت اور خصلت ہونی چاہیے کہ قرآن قرآن کے وقت خود چپ رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے۔ مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ یہ خاموشی ادب و احترام کے لیے نہ تھی، تحقیق حال کے لیے تھی کیونکہ دوسری جگہ ثابت ہے کہ جب آپ نے سورہ رحمن پڑھی تو جنات جواب دیتے تھے۔ (عصلہ ص ۲۶۴)

الجواب:

جنوں کا خاموش رہنا خالص ادب اور احترام کے لیے تھا اگرچہ وہ اس وقت تک مسلمان نہ تھے مگر بات سمجھنے کی اور خدائی کلام کی تعظیم کی اہلیت ان میں تھی۔ علاوہ انہیں قرآن کریم کے مضامین پر مطلع ہونا اور اس سے آگاہی حاصل کرنا آپ کو کیوں ناگوار ہے! آپ بھی استماع و انصات سے کام لیں۔ رہا سورہ رحمن میں جنوں کا جواب تو یقیناً لکھیے کہ وہ ساتھ ساتھ سورہ رحمن ہرگز نہ پڑھتے تھے۔ جب آپ قیامی آلاء ربیکا الایہ کی قرآن سنا کر چکے تو اس کے بعد جنات تائید میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرتے تھے جیسا کہ مقتدی جہری نامہ میں آمین کو مکر تائید کرتے ہیں کیونکہ ساتھ ساتھ پڑھنا تو خلافت اجماع اور شذیہ ہے۔ حکما مت اور سکنا ت کا صحیح احادیث میں کہیں وجود نہیں ہے۔

(۴۳) اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کے ایک بڑے منصوبے کا تذکرہ یوں کرتا ہے اور اس کے

بعد ان کو سزا کا مستوجب قرار دیتا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذِهِ

اور کافروں اور منکروں نے کہا۔ اس قرآن کے صفحے

الْقُرْآنِ وَالْخَوَافِیہ لَعَلَّكُمْ تَجْلِبُونَ۔

کے لیے کان مت دھرو اور قرآن کے وقت شدید

(پارہ ۲۴، حمزہ ۱۳) غل مچا دو تاکہ تم غالب ہو جاؤ۔

اگرچہ مشرکین کا قرآن کریم کو نہ سننا اور قرأت کے وقت شور و غل مچانا، معاندانہ اور مخالفانہ طور

پر تھا اور حضرات مجذبین قرآنہ خلف الامام کو قرآن کریم سے یقیناً عداوت اور عناد نہیں ہوتا اور نہ

ان کا پڑھنا من کل الوجوہ ان کافروں کے شور و غل کے برابر ہے۔ اور گو وہ اندرونی دیانت پڑھتے

ہیں لیکن دیکھنا صرف یہ پہلو ہے کہ قرآن کریم کی قرآنہ اور تلاوت کے وقت خود پڑھنا کی باعث مخالفت و

منازعت اور تشویش و ہمت پائی کا سبب ہے یا نہیں؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ہے تو ایسے موقع پر

خود قرآن کریم کا پڑھنا آداب قرآن کریم کے خلاف اور موجب تشویش افکار ہو گا، لہذا حق اور صواب

یہی ہے کہ تلاوت قرآن کریم کے وقت خاموش رہ کر اس کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔ مولف

خیر الکلام کا یہ کہنا کہ جن باتوں کی شریعت نے اجازت دی ہے وہ کیونکر بے ادبی ہیں۔ (مصلحہ ص ۳۱۴)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قرأت کرنے کا کسی شرعی دلیل سے ثبوت

نہیں ہے اور یہ خلاف اجماع ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

ان جاہل کافروں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں

هَذَا حَالُهُمْ لَا يَسْمَعُونَ الْقُرْآنَ

کا یہ حال ہے کہ وہ قرآن کی قرآنہ کے وقت خاموشی اور

وَمِنْ سَلَكِ سَبِيلِهِمْ عِنْدَ سَمَاعِ الْقُرْآنِ وَقَدْ

سکوت اختیار نہیں کرتے اور شور و غل مچاتے ہیں اور مڑتے

أَمَّا اللَّهُ عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِينَ بَخْلَافَ ذَلِكَ فَقَالُوا

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف حکم دیا ہے کہ جب قرآن

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا

مجید پڑھا جائے تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو

لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۸۹ مع المعالم) تاکہ تم پر رحمت نازل کی جائے۔

حافظ صاحب کی عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآنہ قرآن کے وقت مومنوں کا کام

دوبھی کے ساتھ اس کو سننا ہے اور جابل کافر اور ان کے پیروکار اس ضابطہ کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

”اے ابن مسعود! مجھے قرآن کریم پڑھ کر سناؤ۔ ابن مسعود فرماتے ہیں: میں نے کہا حضرت! کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں؟ حالانکہ آپ پر قرآن کریم نازل ہوا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ انی اشتہی ان اسمعه من غیري — میرا دل چاہتا ہے کہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں۔“ (مسلم جلد ۱ ص ۲۴۰)

یہ روایت بخاری جلد ۲ ص ۶۵۹ اور ترمذی جلد ۲ ص ۲۴ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود نے سورۃ نساہ کا کافی حصہ پڑھ کر سنایا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پورے ذوق و شوق سے سنا۔ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں اس سے جو احکام اور فوائد اخذ ہو سکتے ہیں۔ ان کی تفصیل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

منہ استحب استماع القراءة و
الاصغاء لہا والبقاء عندہا وقتہا و
استعجاب طلب القراءة من غیرہ لیستمع
لہ وہو بالغ فی الفہم ولہد بہ من قرأتہ
بنفسہ۔ (نووی شرح مسلم ۱ ص ۲۴۰) ہے۔
ان فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن کریم کا بغور سننا
اور توجہ کرنا اور ردنا اور تدبیر کرنا پسندیدہ بات ہے اور
یہ بھی مستحب ہے کہ دوسرے سے قرآن کریم سننے اور دوسرے
سے سننا خود پڑھنے سے فہم و تدبیر میں زیادہ مدد و معاون
ہے۔

یعنی اگرچہ قرآن کریم کا پڑھنا کار ثواب ہے لیکن جس طرح دوسرے سے سننے میں فہم و تدبیر اور غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ وہ یقیناً خود پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے خود پڑھنے کے بجائے بعض اوقات دوسرے سے سننا افضل اور اعلیٰ ہے۔

مولف خیر الکلام کہتے ہیں کہ یہ نماز میں نہ تھا اور آپ نے کمال توجہ سے سنا آخر میں آپ نے ردنا شروع کیا اور فرمایا بس اتنا ہی کافی ہے معلوم ہوا کہ مناسب کلمہ کتابی ادبی نہیں در نہ عجیب تحریر کا پڑھنا خلاف ادب ہوگا۔ (محصلہ ص ۳۶۵)

الجواب:

ہم نے کب کہا ہے کہ وہ نماز میں تھے۔ بتلانا تو صرف قرآن کریم کی تعظیم کا پہلو ہے۔ دیکھیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باقرار شاکس غور سے آخر تک سنا اور رونا شروع کر دیا۔ یہی اس کے تدبیر اور استماع کا لازمی نتیجہ تھا اور آپ نے حَسْبُكَ کہ بس اتنا ہی کافی ہے آخر میں فرمایا ہے۔ درمیان میں اور ساتھ ساتھ نہیں فرمایا۔ باقی تجرید تحریر یہ فرض ہے۔ اس کو واجب لغیرہ کے لیے (یعنی خاموشی جو قرآن کے استماع کے لیے ہے) نہیں چھوڑا جاسکتا اور ساتھ ساتھ پڑھنا تو منکر اور شاذ ہے۔ حکماء۔

قرآن کریم کے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلًا — کہ جس نے ایک نیکی کی اس کو دس گنا ثواب ملے گا۔ قاعدہ سے عموماً اور اس صحیح حدیث سے خصوصاً کہ جو شخص قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے گا۔ اس کو دس نیکیاں عطا ہوں گی (ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۵) یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ خود پڑھنے والا دس نیکیوں کا مستحق ہے لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سے قرآن سننے والے کو بیس نیکیاں ملتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

من استمع الى آية من كتاب الله
جو آدمی قرآن کی ہر ایک آیت سنتا ہے اس
کتب له حسنة مضاعفة (المحدث) کے لیے دوہرا اجر لکھا جاتا ہے۔

(روہ احمد فی مسندہ - ابی کشیر جلد ۲ ص ۲۸۱)

چونکہ مقتدی پر انصاف واجب ہے اس لیے اس حدیث کے رُوسے اس کو دہرا اجر ملیگا اور غیر حافظ جب حافظ کی قرآن سننے کے لیے لاج کرے تو اس حدیث کے رُوسے وہ بھی دہرے اجر کا مستحق ہے۔ خدا تعالیٰ کے ہاں کیا کمی ہے؟

مؤلف خیر الکلام کا طنز آئیہ کہنا کہ غیر حافظوں کے لیے یہ نسخہ اکسیر ہے..... الخ (ص ۳۸۰)
محض تسکین قلب کا سامان ہے اور بس۔ ملاحظہ کیجیے کس طرح صرف اپنی فاسد رائے سے حدیث کو روکیا جا رہا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) صرف بطور تائید ایک روایت اور ملاحظہ کریں: آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ان الله يهب، لصمت عند تلاوة تلاوة تین مقامات پر اللہ تعالیٰ خاموشی کو پسند کرتا
القرآن وعند النحف وعند المناقة۔ ہے۔ ان میں سے ایک قرآن کریم کی قرآنہ کا، دوسرا
(نسخہ ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۱۶) لڑائی کا اور تیسرا جوازہ کا وقت ہے۔

احسن الکلام طبع اول میں وعنده تلاوة القرآن (الحديث) کر دیا گیا تھا جس پر مؤلف غیر الکلام
نے اعتراض کیا کہ مؤلف احسن الکلام نے چالاکی کر کے وعنده النحف... الخ کو حذف کر دیا گیا ہے
کیونکہ لڑائی کے وقت ذکر اللہ قرآن سے ثابت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاف اور ذکر
جمع ہو سکتے ہیں چونکہ یہ ہماری تائید میں ہے۔ لہذا احسن الکلام والا اس کو کھا گیا ہے۔ (مصلحہ ص ۵۹)
الجواب:

وعنده النحف کا جملہ ہمارے ہرگز خلاف نہیں ہے کیونکہ لڑائی کے موقع پر مختلف اوقات ہوتے
ہیں کبھی ذکر کا حکم ہے اور کبھی انصاف کا اور کبھی ذکر قلبی اور استعانت وغیرہ کا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر
حضرت عبد اللہ بن عمر سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ پس جب تم کافروں سے
ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو یاد کرو اور جب وہ شور و غل کریں تو تم خاموش رہو۔

(تفسیر جلد ۲ ص ۳۱۶)

اور ایک دوسری حدیث میں یٰٰ ذی کفٰی کا معنی یوں کرتے ہیں: ۱۰ لا یسغله ذلك الحال عن
ذکرہ ودعاء واستعانتی (ایضاً) یعنی لڑائی میں وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس سے مانگنے اور
استعانت سے بے پروا نہ ہو تو اس میں ذکر اور انصاف دونوں جمع نہیں ہوتے بلکہ دونوں اپنے
اپنے موقع پر ہیں اور حیرت ہے کہ ان کو الحدیث کی اصطلاح بھی معلوم نہیں جسبی تو کہتے ہیں کہ
حذف کر دیا ہے جس کا مطلب ہے کہ آخر تک حدیث پڑھو اور اس کو ملحوظ رکھو۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ

دل الكتاب والسنة والاجماع کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ امر ثابت
على ان الاستماع افضل من القراءة۔ ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کی قرأت کو سنا فوراً پڑھنے سے
(قارے جلد ۲ ص ۱۳۳) زیادہ اعلیٰ اور افضل ہے۔

الحاصل قرآن کریم حدیث اور اقوال اکہ سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ قرآن کریم کی

تلاوت اور قرأت کے وقت سامعین کو ہمہ تن گوش ہو کر اس کی طرف توجہ اور تدبیر کرنا چاہیے۔ اور صرف یہی پہلو قرآن کریم کی توقیر و تعظیم پر علی وجہ اقامت دلالت کرتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ وہ قرآن کریم کے عمومی آداب پر مشتمل ہے۔ اور اس سے عام قاعدہ اور ضابطہ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اب ہم تخصیص کے ساتھ امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت پر قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں۔ پھر اس کی تفسیر و تشریح اور شان نزول حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ اور معتبر مفسرینؓ سے نقل کریں گے۔ اور فریق ثانی کی طرف اس پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں۔ ان کو نقل کر کے ان کی حقیقت کو بقدر وسعت الم نشرح کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

قرآۃ خلف الامام اور قرآن کریم:
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَكُمْ تُرْخَمُونَ
اور جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو۔ تاکہ تم پر رحم ہو۔

(پارہ ۹، اعراف ۴)

جمہور اہل اسلام کا بیان ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ خلف الامام پر روشنی ڈالی ہے کہ جب امام قرآن کریم کی قرآۃ کر رہا ہو تو اس وقت مقتدیوں کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ نہایت توجہ کے ساتھ اس کی طرف کان لگائے رہیں اور خود خاموش رہیں۔ امام کا وظیفہ قرأت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ خاموشی کے ساتھ توجہ کرنا ہے اور ان کو استماع اور انصات کے علاوہ قرأت کی مطلقاً گنجائش نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ الحمد سے لے کر واناس تک سب قرآن ہے۔ لیکن قرآن کریم صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ کے اقوال کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کا خاص اطلاق کس سورت پر ہوا ہے؟ اور قرآن کا اولین اور بالذات مصداق کونسا حصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَتَافِ
وَالْمُرَّانَ الْعَظِيمَ (پکاء، الحجرات ۶)

اور البتہ وہی ہیں ہم نے آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور دیا قرآن بڑے درجہ کا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی سے مروی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اور القرآن ہی السبع المثانی والقرآن العظیم۔
 کمان سات آیتوں اور قرآن عظیم کا مصداق
 سورۃ فاتحہ ہے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۸۲ اور اسی کے قریب الفاظ دارمی ص ۲۳۶ طبع دمشق میں ہیں)

اس کے علاوہ حضرت ابوسعید بن الملوکی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بخاری و موطا، امام مالک وغیرہ میں مرفوعاً صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن عظیم کا پہلے نمبر یہ مصداق ام الكتاب ام القرآن اور سورۃ فاتحہ ہے۔ اور یہی حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابراہیم نخعی، عبد اللہ بن عبید بن عمیر ابن ابی ملیکہ شہر بن حوشب، حسن بصری، مجاہد اور قتادہ وغیرہ اکابر سے مروی ہے اور اسی کو امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر ترجیح دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

فہذا النص فی ان الفاتحة ہی السبع
 المثنائی والقرآن العظیم۔
 کہ یہ روایات اور اقوال مفسرین اس بات پر
 نص ہیں کہ سبع مثنائی اور قرآن عظیم کا اولین مصداق
 سورۃ فاتحہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲ ص ۵۵۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم کی سبب سورتوں سے افضل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا پڑھنا ہر نماز میں لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے (جو احادیث سے ثابت ہے) کہ تورات انجیل اور زبور بلکہ قرآن کریم میں اس جیسی مزیت اور فضیلت والی اور کوئی شورت نازل نہیں کی گئی اور یہ بالکل متنع ہے کہ استماع اور انصات کا حکم سورۃ فاتحہ کو شامل نہ ہو۔ حالانکہ استماع اور انصات کی آیت اس کو کئی طور سے شامل ہے کہ یہ آیت مطلق ہے اور سورۃ فاتحہ اس کا ایک حصہ ہے اور یہ کہ آیت عام ہے اور یہ اس کا نوسہ ہے (اور یہ کہ آیت مجمل ہے اور حدیث اس کی تفسیر ہے کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ (صفہ)

علاوہ بریں اس کی قرآۃ اکثر اور مشہور ہے اور یہ تمام سورتوں سے افضل ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں:
 فان قوله واذ اقرئ القرآن یتناولہا
 یعنی واذ اقرئ القرآن کی آیت جس طرح اپنی لفظی
 ولایت ول غیرہ اظہر لفظاً ومعناً۔ اور معنوی حیثیت سے سورۃ فاتحہ کو شامل ہے اس

(فتاویٰ جلد ۱ ص ۱۴۳) طرح وقرآن کی کسی دوسری سورت کو شامل نہیں ہے۔
 اس تحقیق سے یہ امر بالکل واضح اور ہوا ہوا ہے کہ واذ اقرئ القرآن

کا صحیح، اصل اور بالذات مصادیق صرف سورۃ فاتحہ ہے۔ لہذا یہ حکم سورۃ فاتحہ پر خصوصاً اور دیگر سورۃ پر عموماً حاوی ہے۔ اور اس لحاظ سے مقتدیوں کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا ترک کرنا اصل ہوگا۔ اور باقی سورتوں کو ترک کر اس کی فروع، امام نسائی نے (جلد ۱ ص ۱۶۱ میں) جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث (جس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) انشاء اللہ عز و جل، ذرا قرأ فانصتوا (کہ جب امام قرآن کرے تو تم مقتدی خاموش رہو) قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر اور تاویل میں نقل کر کے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچا دی ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی قرآن کی اس آیت کو نماز اور نمازیوں کے حق میں ہی سمجھتے تھے۔ اب آپ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور معتد مفسرین کرام سے اس آیت کی تفسیر سن لیجیے کہ وہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم اس آیت کی تفسیر حضرات صحابہ کرام سے نقل کریں۔ یہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کی تفسیر کا رتبہ، درجہ اور حیثیت کیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے نزدیک صحابی کی تفسیر مسند اور مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔ (مسندک ج ۱ ص ۱۱۳) اور یہی امام حاکم رحمہ اللہ کی اپنی تحقیق ہے۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۱) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر علمائے نزدیک صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۱۳) حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: وتفسیر الصحابی حجة۔ (زاد المعاد جلد ۵ ص ۵۲) علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں وتفسیر الصحابی مرفوع۔ (تدلیب الراوی ص ۶۵) علامہ جزائریؒ کہتے ہیں جس صحابی نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہو۔ اس کا کسی آیت سے متعلق یہ کہنا کہ یہ فلاں اور فلاں حکم میں نازل ہوئی۔ یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ (توجیہ النظر ص ۱۹۵)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں:

وكذا احكموا قولهم في التفسير فانها
اصوب من اقول من بعدهم وقد ذهب
بعض اهل العلم الى ان تفسيرهم في حكم
المرفوع۔
یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کی تفسیر بعد کے آئمہ والے
مفسرین سے بہت زیادہ صحیح و درصواب ہے حتیٰ کہ بعض
(بلکہ اکثر) علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ کی تفسیر
مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

(الجنة في الاسوة الحسنة بالسنة)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ)

سے قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیروں منقول ہیں:

یہ بات ٹھیک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آفتاب نبوت سے اکتساب نور کرنے کے بعد تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بخود ہدایت تھے۔ مگر بعض کو ایسے جزوی فضائل حاصل تھے کہ دوسرے کوئی ان میں ان کا ہم پایہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ان میں ایک شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطہرین قرآن میں سب سے پہلے ان کا بیان کیا ہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱ و مسلم جلد ۲ ص ۲۹۳) اور فرمایا ہے جس چیز کو تمہارے لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ پسند کرتے ہیں میں اس پر راضی ہوں۔ (مسند رک جلد ۳ ص ۱۹ صحت صحیح) نیز فرمایا اگر بغیر مشورہ کے تمہارے لیے میں خلیفہ کا انتخاب کروں تو وہ صرف ابن مسعود ہی ہوں گے اور جس چیز کو ابن مسعود تمہارے لیے پسند نہ کرے میں بھی اس کو تمہارے لیے پسند نہیں کروں گا۔ (الاستیعاب جلد ۱ ص ۳۵۹) اور فرمایا ابن مسعود کے حمد اور تحقیق کو مضبوطی سے قائم رکھو۔ (ایضاً) حضرت عقبہ بن عمرو فرماتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد میں نے ما افضل اللہ یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے، کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نہ جو سوہ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے اور حضورؐ ان سے کسی وقت حجاب نہیں کرتے تھے۔ (مسلم ۲ ص ۲۹۳) مشہور تابعی شفیق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں ابن مسعودؓ پر کسی صحابی کو ترجیح نہیں دیتا۔ (مسند رک جلد ۳ ص ۳۱۸) یہی وجہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ علی رؤس الاشهاد فرمایا کرتے تھے۔ اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی دوسرا انہیں۔ قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جس کا شان نزول مجھے معلوم نہ ہو کہ کس موقع اور کس حالت میں نازل ہوئی ہے اور میں کتاب اللہ کا اپنے سے بڑا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۴۸، و مسلم ۲ ص ۲۹۳) اور فرمایا تمام صحابہؓ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ان سب سے کتاب اللہ کا بڑا عالم ہوں۔ (ایضاً) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرات خلفائے راشدینؓ سے بھی کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں۔ (شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۳) اور اہل علم میں ان پر وہ حضرات کسی کو فضلت نہ دیتے تھے۔ (منہاج السعادة جلد ۱ ص ۳۵۳) حضرت عمرؓ نے ان کو حکم کا انبار کیا۔ اور اہل کوفہ کی طرف تعلیم قرآن کے لیے ارسال کیا۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۱۴۴) بعض حضرات نے مسئلہ رفع یدین کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر متعدد مسائل میں نسیان کا الزام عائد کیا ہے۔ لیکن نسیان تو انسان کی فطرت اور خمیر میں دویت کی گلیاں ہیں۔ جو اولاد آدم کو باپ سے بطور ورثہ ملا ہے۔ اگر نسیان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

سے محض نسیان ہی مراد ہے تو وہ مسروں کا ذکر بعد میں ہو گا۔ کیا آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: اللہ انابشوا فلیکم تنسوں اور اگر نسیان سے مراد بعض مسائل اور احادیث سے لاعلمی ہے تو یہ قصور صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ دوسرے بھی اس بات میں ان کے شریک ہیں۔ کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وراثت جدہ کی بابت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم طاعون سے متعلق بلکہ رفع یدین کے مرکزی راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مسیح علی الخفین کے مسئلہ سے ناواقف اور لاعلمی نہ تھی؟ اور کیا یہ اکابر عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ خصوصاً اس لیے قابل اعتماد نہ رہے۔ کہ انھوں نے مسیح علی الخفین (دیکھیے مواضع ۱۷) جیسے مسئلہ سے جس کا ثبوت متواتر احادیث اور تعامل امت سے ثابت ہے۔ لاعلمی ظاہر کی بلکہ انکار کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ افکر المسیح علی الخفین مع قدیم صحبتہ و کثرة روایتہ (فتح الباری جلد ۱ ص ۲۳۹ طبع مصر) کہ بے بیشک حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مسیح علی الخفین کا انکار کیا حالانکہ وہ پرانے صحابی اور کثیر الراوی تھے۔ باقی باتوں کا ذکر تو روایات اور احادیث سے متعلق ہے اور یہ تفصیل کا مقام نہیں۔ لیکن حضرت ابن مسعودؓ پر جو الزام لگایا گیا ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن کریم کی سورتیں نہیں سمجھتے تھے۔ یہ نفا لسن افتر اور بہتان ہے۔ علامہ ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ

کل ما روی عن ابن مسعود من ان المعوذتین و امر القرآن لہ یكونافی مصحفہ
فکذب موضوع (و یصح۔)
جتنی روایتیں بھی ابن مسعودؓ سے اس مضمون کی نقل کی گئی ہیں کہ معوذتین اور امر القرآن ان کے مصحف میں نہ تھیں تو وہ خالص جھوٹی اور جعلی ہیں جو کسی طرح صحیح نہیں ہیں۔

(مخفی ابن حزم جلد ۱ ص ۱۱۱)
امام نووی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں:
وما نقل عن ابن مسعود باطل
لیس بصحیح۔
معوذتین کے قرآن میں نہ ہونے کی جتنی روایتیں ابن مسعودؓ کی طرف منسوب ہیں وہ سب باطل اور غیبر

(شرح المہذب جلد ۱ ص ۱۱۱ و اتفاق ج ۱ ص ۱۱۱) صحیح ہیں۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ دلیل قاطع اس پر قائم ہے کہ یہ حضرت ابن مسعودؓ پر جھوٹ بانٹھا گیا ہے اور وہ اس سے بالکل بری ہیں۔ (طبقات جلد ۲ ص ۲۰۷)

پہلی روایت: امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ ہم سے ابو کریبؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے عمار بنی نے بیان کیا۔ وہ داؤد بن ابی ہند سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ یسیر بن جابر سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

لہ ان کا ترجمہ عنقریب آ رہا ہے۔

۱۱ ابو کریب کا نام محمد بن العلاء ہے۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ، النقرہ اور محدث کو فہرست لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۷۷) امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابو عمرو الخفافؒ کا بیان ہے کہ میں نے اسحاق بن ابراہیمؒ کے بعد ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں دیکھا۔ محدث مسلمہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۹ ج ۳۸)

۱۲ عمار بنی کا نام یحییٰ بن یعلیٰ ہے۔ امام ابو حاتمؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۱۱ ص ۳۳) اور کسی کی جرح ان پر منقول نہیں ہے۔ قاضی مقبول احمد صاحب نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عمار بنی دو ہیں۔ ایک یعلیٰ بن یعلیٰ جن کی توثیق مولانا سر فزا صاحب نے فرمائی ہے اور دوسرے عبد الرحمن بن محمد بن زیاد جو انتہا درجہ کے ضعیف ہیں اور قوی احتمال ہے کہ مولانا نے ضعیف عمار بنی کی توثیق کر کے اپنا مطلب نکال لیا ہو۔ (محصلا الاعتصام ۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۴۳) الجواب: راقم نے یعلیٰ بن یعلیٰؒ کی توثیق نہیں نقل کی بلکہ یحییٰ بن یعلیٰؒ کی توثیق نقل کی ہے اور اس سند میں یہی عمار بنی ہیں۔ ہم محض قاضی صاحب کی تسلی کے لیے عبد الرحمن بن محمد بن زیاد عمار بنی کے متعلق بھی یہ عرض کیے دیتے ہیں کہ وہ انتہائی درجہ کے ضعیف نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔

۱۳ اس سے کہ یہ بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کے مرکزی راوی ہیں کی فریق

ثانی کے نزدیک صحیح سند کے مرکزی راوی بھی انتہا درجہ کے ضعیف ہوتے ہیں؟ یہ ہے غیر مقلدین حضرات کا علم و دیانت۔ سبحان اللہ تعالیٰ۔ اگرچہ ان کے بارے میں بعض نے مضطرب کثیر الغلط اور ہم وغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں لیکن امام ابن معینؒ، نسائیؒ اور ابو حاتمؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ طویل احادیث کے وہ

بڑے حافظ تھے۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن شاپرؒ ان کو ثقہ میں لکھتے ہیں۔ عثمان بن ابی شیبہؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ محدث ہزار اور دارقطنیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ عجلؒ ان کو کرا بائیں یہ کہتے ہیں اور نسائیؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ (ملقط تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۶۶)۔

(باقی صفحہ ۱۲۵ پر)

صلی بن مسعود فمعا انا ساقیہم
 کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے نازی ثرمی اور چند
 مع الامام فلما انصرف قال اما ان لکم
 آدمیوں کو امام کے ساتھ قرآن کرتے سنا جب آپ نماز
 ان تفہموا اما ان لکم ان تعقلوا و اذا
 سے ندرغ ہوئے تو فرمایا کیا وہ وقت ابھی نہیں
 قرآن لکن ان فاستمعوا له وانصتوا کما
 آیا کہ تم سجد اور عقل سے کام لو اور جب قرآن کریم کی قرآن
 امرکم اللہ تعالیٰ۔
 ہوتی ہو تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو جیسا

(تفسیر ابن جریر جلد ۱ ص ۱۳۱)

یہ روایت وضاحت سے یہ بات ثابت کرتی ہے کہ پڑھنے والے امام کے پیچھے قرآن کر رہے تھے اور حضرت
 ابن مسعود نے ان کو فہم و عقل سے کام نہ لینے پر تنبیہ کرتے ہوئے قرآن سے منع کیا اور یہ بات بھی عیاں کی گئی
 کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو استماع اور انصات کا حکم دیا ہے۔ جو امام کے ساتھ اس کی
 اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہوں اور یہ وہی ابن مسعود ہیں جو کتاب اللہ کے عالم ہونے میں تمام حضرات صحابہ
 (پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) قاضی صاحب مؤلف حسن الکلام سے بے شک اختلاف کیجیے، مگر صحاح ستہ کے ثقہ روای کو تو
 انتہا درجہ کا ضعیف نہ قرار دیجیے۔

ثالثہ واقد بن ابی ہند کہ امام احمد، سفیان ثوری، ابن مثنیٰ، ابو حاتم اور نسائی ثقہ کہتے ہیں۔ یعقوب بن ابی شیبہ ان کو
 ثقہ اور ثبت کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو متفقین میں شمار کرتے ہیں۔ ابن خراش ان کو ثقہ اور ابن سعد ثقہ اور کثیر العالیث
 کہتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۲۰) ذہبی ان کو امام اور الثبت کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۳)۔

ثانیسیر بن جابر، ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابن سعد ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام عقیلی ان کو من ثقات اصحاب
 عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں۔ عوام بن حوشب ان کو صحابی بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سند میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔
 (عمد ذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۷) حافظ ابو عمر بن عبدالبر بھی ان کو صحابی بتلاتے ہیں۔

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۱)

فومثلاً، تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کے بعض نسخوں میں کاتب کی غلطی سے بشیر بن جابر لکھا گیا ہے
 جو قطعاً غلط ہے مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۳ اور مسند طبری ص ۱۵ اور صبح مسلم جلد ۲ ص ۳۹ میں ایک
 دو سرحدی حدیث کی سند میں بشیر بن جابر ہی آیا ہے جو صحیح ہے مزید تشریح کے لیے نووی جلد ۱ ص ۳۹۔
 اور بخاری جلد ۱ ص ۱۵۲ وغیرہ کی طرف مراجعت کیجیے۔

کرامت حتی کہ حضرات خلفائے راشدین سے بھی بڑھے ہوئے تھے اور جن کو ہر سورت اور ہر آیت کا شان نزول بخوبی معلوم تھا۔ تولف خیر الکلام نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن مسعود شان نزول میں بیان کر رہے بلکہ استدلال کر رہے ہیں اور استدلال بھی ان کی بے جا حرکت پر تھا کیونکہ وہ امام کے ساتھ ساتھ جہر کے ساتھ پڑھتے تھے جیسا کہ لفظ استماع سے معلوم ہوتا ہے..... الخ (مجلد ۵ ص ۳۵)۔

الجواب:

حضرت ابن مسعودؓ تو کما امرکم اللہ سے اس کا شان نزول بیان فرما رہے اور اگر استدلال بھی مان لیا جائے تو ماوشما کا استدلال تو نہیں بلکہ حضرت ابن مسعودؓ صحابی کا استدلال ہے جو پہلے درجہ کے مفسر ہیں۔ اور مقتدیوں کی بیجا حرکت امام کے ساتھ قرآن تھی نہ کہ جہر۔ جیسا کہ یقرؤن کے الفاظ اس پر دال ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد میں لفظ انصات اس کی واضح دلیل ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے قرآن کی اس بیجا حرکت سے انہیں منع فرمایا ہے اور مطلق قرآن پر جہر کا اطلاق محض مجازی طور پر ہوتا ہے جس کے لیے قرینہ صارفہ درکار ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔

دوسری روایت۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ ہم سے ابو الحسنؒ، محمد بن الحسینؒ بن داؤد علویؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے ابو الحسنؒ علی بن محمد بن حماد بن محمد بن حماد بن محمد بن حماد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں۔ محمد بن حسینؒ انطاہی بغدادیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے یحییٰ بن ابیہب نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے عبد الوہابؒ تقفی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے

امام ابو بکر احمد بن محمد بن حسینؒ البیہقی علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ، العلامة اور شیخ خراسان لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۳۰۹)

علامہ جلیل القدر عالم اور بڑے پایہ کے صوفی تھے۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۲۲۵) علامہ ذہبیؒ ان کو امام بیہقیؒ کے شاخ اور زمرہ محدثین میں بیان کرتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۰۹)۔

علامہ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الکبیر لکھتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۰۹)

علامہ نقشبندیؒ تھے۔ (بغدادی جلد ۲ ص ۲۲۵)

علامہ علی بن مدینیؒ اور ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اور حسین بن فہمؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن تابیؒ ان کو ثقہ اور سامون کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۸۸)

علامہ الحافظ الامام اور ثقہ تھے۔ (تذکرہ ص ۲۹۵) آخر عمر میں ان کے دماغ میں کچھ فتور آ گیا تھا۔ (تقریب ص ۱۲۳۹) (باقی اگلے صفحہ پر)

ایوبؑ نے بیان کیا۔ وہ منصورؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابو وائلؒ سے روایت کرتے ہیں:

قال عبد الله في القراءة خلف الامام

انصت للقرآن كما احسنت فان في القراءة

لشغلا وسيكفيك ذلك الامام۔

یونکہ خود پڑھنے کی وجہ سے امام کی قرآن سننے سے آدمی

رو جاتا ہے اور امام کا پڑھنا ہی تمہیں کافی ہے۔ (الکتاب القراءة ص ۴۳)

قرآن کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔)

حضرت ابن مسعودؓ کی یہ روایت صحیح ہے جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں اور خطاب ان لوگوں کو

تھا جو امام کے پیچھے اس کی احمد کر رہے تھے۔ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے اور یہ سبھی دھڑی تمام

نمازوں کو شامل اور فاتحہ وغیرہ سب کو حاوی ہے اس میں قرأت کو مانا ادا علی لفاظہ

پر عمل کرنا جیسا کہ قاضی مقبول احمد صاحبؒ نے کیا ہے سراسر باطل ہے اور اس روایت میں گو

اہل بیتؑ ہیں لیکن پہلی روایت میں تصریح ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور امر بھی اذا قرئ القرآن۔

الآیۃ سے واضح ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اسی مضمون کی روایتیں مختلف اسانید سے اور بھی مروی

ہیں مگر ہمارا مقصد اسٹیغاب نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۳۷ھ) سے اس آیت کی تفسیر

میں متعدد روایات مروی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف دو روایتیں نقل کرتے ہیں۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) لیکن اس فقرہ کے زمانہ میں انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۹۱)

لہٰذا ثقہ، ثبت اور حجت تھے۔ (تقریب ص ۴۶)

۲۵ الامام المحافظ اور المجتہد تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۳) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ بڑے متقن تھے تدلیس

نہیں کرتے تھے۔ عجلؒ ان کو ثقہ، ثبت اور حجت کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۱ ص ۱۹۱)

۲۶ ابو وائلؒ ان کا نام شقیق بن مسلمؒ ہے۔ ابن معینؒ کہتے ہیں وہ ایسے ثقہ تھے کہ ان کے مثل سے متعلق

سوال نہیں ہو سکتا۔ امام دکنیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابن

حبیبؒ ان کو ثقہات میں لکھتے ہیں۔ ان کی یہ خوبی تھی کہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۳۶)

۲۷ تمام حضرات صحابہ کرامؓ میں خیر تفسیر میں حضرت ابن مسعودؓ کے بعد نبی حضرت عباسؓ کا آتا ہے۔ اور کہوں نہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

پہلی روایت: امام بیہقی فرماتے ہیں ہم سے ابو نکریم بن ابی اسحاق غزالی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابو اسحاق
 محمد بن محمد بن عبدوس نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے عثمان بن سعید نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے عبد اللہ بن صالح بن مسعود

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) جب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ!
 اس کو دین کی سمجھ اور قرآن کریم کی تفسیر اور تائیل کی مہارت عطا فرما۔ (مسند احمد جلد ۸ ص ۳۲۷) قال الہدیشی ۳۰

جلد ۱۰ رجال الصحيح، مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۰۷ و محمد ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۹ حضرت ابن عمر رضی
 فرماتے ہیں کہ وہ اعلم الناس بعد انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (ایضاً البدایہ جلد ۸ ص ۳۰)۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ دین کے امام اور کاسمندر اور بہت ثرے عالم تھے۔ (تذکرہ ص ۳) یہی وجہ تھی کہ حضرت
 عمر ایسے محقق اور صاحب بصیرت بھی قرآن کریم کی تفسیر میں ان کی طرف مراجعت کرتے تھے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۴۳)۔

۳ علامہ ذہبی، گو سند نہایت پرکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵) علامہ حلیت لکھتے ہیں کہ وہ ادیب اور کثیر العلوم تھے اور علاقہ مینا پور میں علم
 حدیث کا درس دیتے تھے (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) علامہ سبکی نے طبقات جلد ۲ ص ۱۰ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور علامہ ذہبی ان کو سند
 نہایت پرکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵) علامہ ذہبی ان کو امام اور ائمہ لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵)۔

علامہ ابن مین، ان کو تھوڑا اور ابوحامد صدوقی لکھتے ہیں۔ ابن حبان ان کو مستقیم الحدیث لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۳۵) عبد الملک بن شعیب
 ان کو ثقہ اور مامون لکھتے ہیں۔ بزرگوار کو حسن محدث اور ابن عدی مستقیم الحدیث لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۳۵) ابن مین ان کی توثیق

کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۵۹) امام ابن مین نے ان کو ثبت فی کتاب کہا ہے (تہذیب ص ۲۵) یعقوب بن سفیان ان کو الرجل الصالح لکھتے
 ہیں (تہذیب جلد ۲ ص ۲۵۹) بزار و ابن عمر بیہقی فرماتے ہیں کہ بیہقی بصری سے اہل تہذیب اور کوئی نہیں لکھا اور ابن القطان فرماتے ہیں کہ وہ صدوق ہیں۔

ان پر ایسا کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے انکی حدیث ساقط اعتبار ہو جائے وہ مختلف ہیں (تہذیب ص ۲۵) انکی حدیث مستقیم
 (ایضاً ص ۲۵) حافظ ابن حجر نے اس کی نشان دہی کی ہے کہ یہ صحیح بخاری کے راوی ہیں (ایضاً) اور صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۳ میں انکی روایت موجود

ہے اور ابن حجر نے حضرت محدثین کرم نے ان میں کلام کیا ہے تو اسکی اصل وجہ ان کا ایک شریعتیہ ردی تھا جس کا نام خالد بن نبیح تھا، ابو صالح عبد اللہ
 بن صالح کا کوئی قصہ نہیں ہے۔ تہذیب التہذیب (جلد ۲ ص ۲۵۹) وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور امام بخاری نے ابی الدرداء و ابو جعفر القزاعی

وغیرہ میں ان سے باقائدہ تہذیب کیا ہے فرق ثانی کی قسم غرضی دیکھئے کہ وہ محض احصاء کی وجہ سے ایسے مسلم راویوں کی بزرگوں اور ضعیف گردانے
 کے واسطے ہے۔ امام حاکم انکی سند سے ایک حدیث کو صحیح الاسناد اور ذہبی صحیح لکھتے ہیں (مسند ص ۲۹۹) اور انکی سند سے ایک حدیث

کو علامہ ذہبی سند قوی لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۳۵) اور حافظ ابن کثیر انکی سند ایک حدیث کو اسناد جید سے تعبیر کرتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ تفسیر جلد ۲ ص ۲۸) قاضی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ابن عدی نے ان کو مستقیم الحدیث کہا

وہ کہتے ہیں مجھ سے معاویہ بن صالحؓ نے بیان کیا۔ وہ علی بن ابی طلحہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ

عن ابن عباسؓ فی قوله تعالى واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحموا
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اذا قرأ القرآن کوفہ
فرضی نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یعنی فی الصلوۃ المفروضۃ (کتاب القراءۃ ص ۳)

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اس آیت میں آقاؐ اور انصاف کا جو حکم آیا ہے وہ شان نزول کے لحاظ سے صرف فرضی نماز کو شامل ہے اور یہی اس کا شان نزول ہے۔ گو غیر فرضی نمازوں (مثلاً نماز عید و تراویح وغیرہ) اور خطبہ کو بھی عموم الفاظ کے لحاظ سے شامل ہے۔ تنبیہ: علی بن ابی طلحہ ہاشمیؓ کی براہ راست حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سماعت نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ حضرت مجاہد بن جبرؓ اور سعید بن جبیرؓ کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ثقہ ہیں (جیسا کہ اپنے موقع پر ذکر ہوگا) اس لیے یہ روایت بلا شک و شبہ (پچھلے صفحہ کا باقی) ہے مگر ساتھ ہی کہا ہے کہ سند اور متن میں غلطی کر جاتا ہے۔ عمدۃ جہوٹ نہیں کہتا۔ (تہذیب جلد ۵ ص ۲۵۵) اس لیے عبداللہ بن صالحؓ پر شدید جرح موجود ہے۔ ۱۔ محصلہ الاعتصام ۲۱ ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۸۱ (مگر جہوٹ محدثین کی تعدیل کے مقابلہ میں صرف ابن عدیؒ کا یہ بیان ادنیٰ جرح بھی نہیں چر جائیکہ شدید جرح ہو۔

۲۔ علامہ خطیبؒ ان کو ثقات میں بیان کرتے ہیں (بغدادی جلد ۱ ص ۳۲) امام اٹھان کو ثقہ اور ابن عدیؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ ابو زرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام الفقیہ اور قاضی اندلس لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۶) حاکمؒ ان کی سند سے ایک روایت کو صحیح سے (مستدرک ص ۱) اور ذہبیؒ حسن الاسناد، اور صالح الاسناد سے تعبیر کرتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۵۲ و ۳۵۳) بلکہ ذہبیؒ بھی ان کی ایک سند کو صحیح کہتے ہیں (تحفہ المستدرک جلد ۲ ص ۱) اور سیوطیؒ ان کی سند سے ایک روایت کو اسناد صحیح سے تعبیر کرتے ہیں (تاریخ الخلفاء ص ۳) اور مستدرک جلد ۳ ص ۲۱ میں ایک روایت کی سندوں سے۔ عبد اللہ بن صالح عن معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباسؓ ... الخ امام حاکمؒ اور ذہبیؒ دونوں فرماتے ہیں صحیح۔

۳۔ امام نسائیؒ ان کی بیس بہ بیس سے توشیح کرتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۲۲) ابو داؤدؒ ان کو مستقیم الحدیث کہتے ہیں (تعییدۃ صفحہ ۱۶)

صحیح اور معتبر ہے۔ (دیکھیے مزید تحقیق کے لیے میزان الاعتدال ص ۲۲۸ فتح الباری ص ۸ ص ۳۳۲) ،
 تہذیب التہذیب ص ۳۳۵ ، اور تفسیر القان ج ۱ ص ۱۸۵)
 علی بن ابی طلحہ کے اس تفسیری صحیفہ کو صحیح اور معتبر سمجھتے ہوئے امام ابو جعفر نجاشی نے اپنی کتاب
 ان سوغ والمنسوخ میں استفادہ کیا ہے (القان جلد ۱ ص ۱۸۵) اور اسی صحیفہ سے امام بخاری نے
 صحیح میں اور امام ابن جریر و ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر وغیرہ نے تفاسیر میں خوشہ چینی کی
 ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۳۸)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں: اماروایت از ابن عباس بطریق مختلفہ آمدہ ابود
 آنہا طریق معاویہ بن صالح از علی بن ابی طلحہ از ابن عباس است ، بخاری در صحیح خود اعتماد بر یہیں
 طریق کردہ پس بس۔ (اکسیر فی اصول التفسیر ص ۱۱)

مصنف خیر الکلام نے اس سے جو مخلص تلاش کیا وہ یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ کی ابن عباس
 سے باقرار مصنف احسن الکلام سماعت نہیں۔ لہذا یہ منقطع ہے اور مجاہد اور سعید بن جبیر
 کا واسطہ تفسیری صحیفہ میں ہے جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ یہ اسی صحیفہ کی روایت ہے۔
 تو اتصال ثابت نہیں ہو سکتا۔ پھر امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ لہ اشياء منکرات۔

(میزان جلد ۲ ص ۲۲۸) اس کے لیے کچھ منکر چیزیں بھی ہیں اور متن کے لحاظ سے اس میں کوئی ذکر
 نہیں کہ مقتدی کو آیا جہر سے روکا گیا ہے یا کلام کرنے یا شور ڈالنے سے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آیت
 فرضی نماز جمعہ اور عید سب کو شامل ہو۔ اس صورت میں نماز کو دوسرے مقامات پر ترجیح نہ ہوگی۔

(مخلصہ خیر الکلام ص ۳۴۷ ص ۳۴۸)

الجواب:

ہم نے باحوالہ ثابت کیا ہے کہ علی بن ابی طلحہ صحیح مسلم کا راوی المقتدر ہے اور اس نے مجاہد اور
 سعید بن جبیر کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے تفسیر حاصل کی ہے اور اسی کو امام حاکم اور
 ناقدین رجال علامہ ذہبی وغیرہ صحیح کہتے ہیں جیسا کہ باحوالہ گذر چکا ہے اور ہم نے باحوالہ نواب
 (بقیہ پچلا صفحہ) ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ محدث علی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۳۹)
 اور صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۶۵ میں ان کی روایت موجود ہے۔

صاحب سے یہ ذکر کیا ہے کہ ابن عباس کی روایت کے طرق تو متعدد ہیں مگر اچھے ترین طریقہ معاویہ بن صالح از علی بن ابی طلحہ از ابن عباس ہے اور اسی طریق پر امام بخاری نے اعتماد کیا ہے صحیفہ کی قید مؤلف خیر الکلام کی محض سینہ زاد ہے جس کی پرکاشہ بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ روایت اصول حدیث کے رُوسے بالکل صحیح اور متصل ہے۔ رہا امام احمد کا یہ فرمانا کہ لہ اشياء منکرات ترجیحاً ہے لیکن اس کی وجہ ان کا روایت میں ضعف نہیں بلکہ اس لیے کہ

ولکن لہ رأی سوء کان یرى السیف
(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۷۷)
ان کی رائے اچھی نہ تھی کیونکہ وہ خلیفہ کے مقابلہ
خروج کو جائز سمجھتے تھے۔

اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

ونقل البخاری من تفسیر روایت
معاویہ بن صالح عن ابن عباس شیعاً
کثیر فی التاجع وغیرہا و لکن لا یمسہ
یقول قال ابن عباس اویذ کر عن ابن عباس
وقد وقفت علی السبب الذی قال فیہ
ابو داؤد یرى السیف ۱۷
(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۷۷)
امام بخاری نے اپنی تفسیر میں معاویہ بن صالح عن
علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس کے طریق سے اپنے ابواب کے
تراجم وغیرہ میں بہت زیادہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن وہ
ان کا نام نہیں لینے بلکہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا
یا ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے اور میں اس کی وجہ پر مطلع
ہوں گا میں وہ یہ ہے کہ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ وہ بارگاہ
کے خلاف تلموز کے استعمال کی اجازت دیتے تھے۔

ان کے ایسے خیالات، شیعہ منکرات کی مد میں ہیں اور ایسے راوی جو شیعہ، مرجی اور قدری وغیرہ ہیں
مصیحین میں ان کی بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ یہ ان کی ضعف کی وجہ نہیں ہے اہل علم سے یہ امر
مخفی نہیں ہے اگر ضرورت پڑی تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل عرض کریں گے اور اس ارشاد
سے مقصدی کو قرآن سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن قرئی۔ الا یہ اس کا واضح قرینہ ہے۔ باقی جہر
اور شور و غل وغیرہ حضرات صحابہ کرام سے جماعتی رنگ میں حضور کے پیچھے نہ ہوتا تھا۔ افراد کا
معاملہ الگ ہے اور نماز میں قرأت سے منع کرنا اس آیت کا اولین مصداق ہے کیونکہ جمعہ اور
عید وغیرہ کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے اور آیت کئی ہے۔ ہاں ضمنی طور پر وہ بھی اس میں
داخل ہیں کیونکہ بقول مؤلف خیر الکلام شان نزول کے حکم میں اس قسم کی وسعت ہوتی ہے۔

دوسری روایت: امام بیہقی فرماتے ہیں۔ ہم سے ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ بن بشران نے بغداد میں بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں۔ ہم سے ابو جعفر محمد بن عمرو الرزاز نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے سعد بن نصر نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے مسکین بن بکیر الحرقانی نے بیان کیا۔ وہ ثابت بن عجلان سے روایت کرتے ہیں۔ وہ سعید بن جبیر سے اور وہ عبد اللہ بن عباس سے انھوں نے فرمایا:

المؤمن في سعة من الاستماع اليه
الادب في صلوة مفروضة او المكتوبة او يوم
جمعة او يوم فطر او يوم اخضي يعني واذا
قرأ القرآن . . . الآية
کہ آیت واذا قرأ القرآن کے پیش نظر میں
پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس کو گنجائش ہے کہ سنے
یا نہ سنے مگر مفروضہ نماز جمعہ، عید الفطر، عید الاضحی
کے موقع پر اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔
(کتاب القراءة ص ۱۰)

(ان حالات میں اس کو بہر حال خاموش رہنا اور استماع و انصات کرنا ضروری ہے)

۱۔ امام خطیب ان کو ثقہ، صدوق، ثبت، حسن الخلق اور تام المرؤہ لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۱۲ ص ۱۱۱)

۲۔ علامہ بغدادی ان کو ثقہ اور ثبت لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۲ ص ۱۳۲)

۳۔ امام ابو حاتم ان کو صدوق اور دارقطنی ان کو ثقہ اور مأمون لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۵ ص ۲۵۰)

۴۔ امام احمد اور ابن معین ان کی لا باس کہنے ہوئے توثیق کرتے ہیں۔ ابن حبان اور ابن خبیث ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابن عساکر ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو صالح الحدیث اور لا باس بہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ حدیث کے حافظ تھے۔ قاضی مقبول احمد حاکم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ تقریب میں اس کو خطا کا رکھا ہے اور امام احمد اور ابو احمد نے اس کو بہت دہی اور کثیر الخطا کہا ہے۔ (مصلح الاعتقاد ۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۰۱) لہذا اس حدیث پر کسی طرح اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ (ایضاً)

الجواب۔ ان کا ہم اور خطا وغیرہ جو کچھ ہے مطلق نہیں ہے بلکہ صرف سعید بن عبد العزیز کی روایت میں ہے۔ چنانچہ خود ابو احمد نے تصریح کی ہے ومن این کان مسکین یضبط عن سعید ۱۔ (تذریب جلد ۱ ص ۱۳۲) کہ مسکین کو سعید کی روایت میں ضبط کیوں سے قبیح ہوا؟ اور اس سند میں روایت ثابت بن عجلان سے ہے نہ کہ سعید سے۔ ۲۔ امام احمد اور ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ درجہ اولیٰ کی لیس یہ باس سے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں، ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں (تذریب تذریب جلد ۲ ص ۱۰۱) ان کا ذکر عقربہ کے تحت انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابن عباسؓ کی سابق روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول فرضی ہے۔ اور اس روایت میں وہ عموم الفاظ کے پیش نظر جمعہ اور عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ کا حکم بھی استماع و انصات بیان کرتے ہیں اور اس کی پوری تحقیق اپنے مقام پر آگئے گی کہ قصص میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ نہ کہ خصوص اسباب کا۔ اور یہ کہ کوئی آیت شان نزول پر مقید نہیں ہوتی۔ اسی طرح کے مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفل وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کا حکم امام کے پیچھے اقتداء کرنے والا کو ہے۔ مگر حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے بعد کچھ کہنے کی مطلقاً حاجت باقی نہیں رہتی، کیونکہ قرآن کریم کی تفسیر کے متعلق ان کا مقام تمام حضرات صحابہ کرامؓ سے علی الاطلاق بہت اونچا اور بلند ہے اور سند کے لحاظ سے بھی یہ روایتیں سو فی صدی صحیح ہیں جیسا کہ آپ پوری تفصیل سے فرم چکے ہیں۔ مصنف خیر الکلام سے نہ تو جواب بن سکا ہے اور نہ خاموشی گوارا فرما سکے ہیں کیونکہ ملا آں باشد کہ چپ نشود۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعض حنفیہ نے آیت کے شان نزول میں صحابہ کرامؓ سے صرف دو قول نقل کیے ہیں۔ ایک عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔ دوسرا عبداللہ بن عباسؓ کا ہے حالانکہ ابن عباسؓ سے بسند صحیح اور ابن مسعودؓ سے پانچ اسانید کے ساتھ اگرچہ بعض اسانید میں انفرادی طور پر کچھ کلام ہے مگر مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کے قائل تھے پس ان دو صحابہ سے صرف اس قدر مروی ہونے سے کہ یہ آیت نمانہ کے بارے میں ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ آیت نمازی کو قرأت سے روکنے کے لیے ہے۔ (محصلہ خیر الکلام ص ۳۳۳، ص ۳۳۴)

الجواب:

روایت تو صرف ایک صحابی کی بھی کافی ہوتی ہے جب کہ سند صحیح ہو آپ کو دو صحابہ کی روایت سے کیوں قائل نہیں ہوتی؟ اور یہ روایتیں صحیح اسانید کے ساتھ ہیں اور ہیں حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے جو فن تفسیر میں پہلا درجہ رکھتے ہیں اگر ان کی روایتیں معتبر نہیں تو نہ معلوم آپ کے نزدیک کس کی مروی روایتیں معتبر ہوں گی؟ یقین رکھیے کہ یہ کوئی جواب نہیں ہے لیکن ہے کہ آپ کے حواری اس قدر مطمئن ہو جائیں مگر ایک رتی جان بھی اس میں نہیں ہے باقی حضرت ابن مسعودؓ سے ایک روایت بھی قرأت خلف الامام کے جو ان کی ثابت نہیں تفصیل اپنے مقام پر مذکور ہے اور

حضرت ابن عباسؓ کی روایتیں متعارض ہیں۔ صحیح روایت ترکِ قرآنہ کی ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اور اپنے مقام پر آگے بھی آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد ہم بعض تابعینؓ کی چند روایات اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر میں قرآن، حدیث اور صحابہؓ کے بعد تابعینؓ کی تفسیر قابلِ محبت ہے اور یہی اکثر ائمہؒ سے منقول ہے۔ خصوصاً مجاہد بن جبرؒ کی تفسیر کیونکہ وہ فنِ تفسیر کے امام تھے۔ سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے۔ جب مجاہدؒ کی تفسیر تمھارے پاس پہنچ جائے تو پھر کسی کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ اور ان کے بعد سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، حسن بصریؒ، مسروقؒ، سعید بن المسیبؒ، ابو العلاء ربیع بن انسؒ، قتادہؒ اور ضحاکؒ بن مزاحم وغیرہ کا درجہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۵۱۴)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں: وھذا تفسیر التابعی حجة (الجنہ ص ۹۶) صحابی کی طرح تابعی کی تفسیر بھی محبت ہے۔

حضرت مجاہد بن جبرؒ (المتوفی ۱۲۰ھ) سے

پہلی روایت: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ملہ ملامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ، عالم، ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ (طبقات ابن سعد ۵ ص ۲۴) امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۸۷) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی امامت اور جلال پر سب کا اتفاق ہے۔ خلیفہ کا بیان ہے کہ مجاہدؒ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۸۷) جبر الامت حضرت ابن عمرؓ ان کے حفظ کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کہ کاش نافع کا حفظ تمھاری ہی طرح ہوتا (شذرات لکھنؤ جلد ۱ ص ۱۳) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ احمد لاکھ اتا تابعین والی مفسرین تھے اور حضرت ابن عباسؓ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور اپنے زمانہ میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے (ابداۃ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۲) اور ان کے فقہی کمال کے لیے یہ سزا کافی ہے۔ کہ خزین علوم مکہ کی جامعۃ انصار کے ایک معزز رکن تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۳) نواب صاحب لکھتے ہیں: ابن تیمیہؒ گفتہ اعلم الناس بالتفسیر اہل مکہ لانہم اصحابہ اللہ بن عباسؓ کے مجاہد۔ آگے لکھتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ اور دیگر اہل علم نے ان کی تفسیر پر کلی اعتماد کیا ہے (اکسیر ص ۱۱)

۱۔ یہ وہی امام ہیں جن کو احکام کہتے ہیں اور جن کی کتاب مستدرک شائع ہو چکی ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

ہم سے حافظ ابو علی حسین بن علی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو علی الموصلی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن ابوبکر مقدسی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ سفیان سے روایت کرتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالحسن اسماعیل بن کثیر نے بیان کیا۔ وہ مجاہد بن جبر سے روایت کرتے ہیں کہ اذ اقرئ القرآن ف استمعوا له قال فی الصلوۃ۔ (کتاب القراءة ص ۷۲) و اذ اقرئ القرآن

دوسری روایت:

امام بیہقی سے لے کر محمد بن ابوبکر مقدسی تک وہی سند ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے اشعث بن عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے (بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ وہ الحافظ اکبر اور امام احمد بن حنبلہ سے۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۲۷) لے خطیب کہتے ہیں کہ وہ حفظ اتقان، ورع، مذاکرۃ ائمہ اور کثرت تصنیف میں گورے سبقت لے گئے تھے (بقیہ دی جلد ۷ ص ۱) ذہبی ان کو الامام، الحافظ اور محدث اسلام کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۱)۔ لے ذہبی ان کو الحافظ، الشہ اور محدث جزیرہ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۳) لے امام یحییٰ بن سعید بن العطاء اور ابو زرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتم رحمہ ان کو صالح الحدیث اور ابن قانع ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۹) لے امام الجرح والتعلیل ذہبی ان کو الامام العلم اور تید الحفظ کہتے ہیں۔ نسائی فرماتے ہیں کہ مالک اشجبہ اور یحییٰ بن سعید حدیث رسول کے امین تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۷) علامہ ابن سعد رحمہ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ، شہ، جہت، بلند مرتبہ اور مامون تھے۔ خطیب کہتے ہیں وہ بلا کسی اختلاف کے مسلم امام تھے (تہذیب ۱۱ ص ۲۹) لے امام سفیان ثوری کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

لے امام احمد نسائی، یعقوب بن شیبہ، یعقوب بن سفیان اور محمد بن سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو صاحب الحدیث کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو ثقات میں کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۲)

لے امام ابن معین اور ابو داؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام نسائی لا باس یہ سے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۵)

شعبہ نے بیان کیا وہ حمید اعرج سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت مجاہد سے واذا قرئ القرآن فاستمعوا قال فی الصلوۃ (کتاب القراءۃ ص ۳۸) انھوں نے فرمایا کہ واذا قرئ القرآن کا شان نزول نماز ہے۔

تیسری روایت:

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے قاضی عبدالرحمن بن حسنؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے آدم بن ابی ایاسؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے ورقانہؒ نے بیان کیا۔ وہ ابن ابی نجیحؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت مجاہد سے

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوۃ فسمع قرأۃ فتی من الانصار فنزل و اذا قرئ القرآن (الایتہ)
وہ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں قرأت کر رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک انصاری بھی پڑھتا رہا۔ اس پر اذا قرئ القرآن الایۃ نازل ہوئی۔
(کتاب القراءۃ ص ۷)

لہ ذہبیؒ ان کو الحجۃ، الحافظ اور شیخ الاسلام کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۸۱) سفیان ثوریؒ ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے تھے۔ (کتاب الطل امام ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۸)

لہ امام ابن معینؒ، ابو زرعہؒ، ابو داؤدؒ، ابن خیرؒ، بیہقیؒ اور بخاریؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ ان کو بائس بہ کہتے ہیں۔ ابن سعدؒ ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۴۳)
لہ امام حاکمؒ نے اس سند سے (مسند رک جلد ۲ ص ۴۵، ۴۶، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۵۳، ۴۶۶، ۴۶۷)

وجلد ۳ ص ۱۳۱، جلد ۴ ص ۷۷ وغیرہ میں۔ چند حدیثیں نقل کی ہیں اور ہر مقام پر امام حاکمؒ اور ذہبیؒ ان کو صحیح کہتے ہیں اور ایک مقام پر امام احمدؒ، بیہقیؒ دونوں علی شرط الشیخین تصحیح کرتے ہیں۔

لہ ورقانہؒ امام احمدؒ ابن معینؒ اور کثیرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اور ابن شیبہؒ ان کو ثقات میں کہتے ہیں ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ ورقانہؒ کی تفسیر شیبانؒ اور سعیدؒ سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ ورقانہؒ ابن ابی نجیحؒ سے اور وہ مجاہد سے تفسیر روایت کرتے ہیں اور وہ فن تفسیر کے امام تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱۳)
(نمبر ۵ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے قرآن کرنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں معمول نہ تھا۔ ورنہ صرف ایک ہی انصاری کے پڑھنے کا کیا مطلب ہے اور جب حکم نازل ہوا تو نہ پڑھنے والوں کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ منع کیا تو پڑھنے والے ہی کو منع کیا اور آیت کا شان نزول بھی حضرت مجاہدؒ نے وضاحت سے بیان فرمادیا ہے اور اسی مضمون کی ایک روایت امام ترمذی سے بھی منقول ہے۔ (کتاب القراءات ص ۵)

حضرت امام بیہقیؒ اور مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ نے اس اثر کو منقطع کہہ کر غلط فہمی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جو بے سود ہے۔ اولاً اس لیے امام ابن مدینیؒ فرماتے ہیں: کہ مجاہدؒ کا مرسل عطار کے مرسل سے مجھے کہیں زیادہ پسند ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰۷) امام بیہقیؒ بن سعید بن القطنؒ کہتے ہیں: مجاہدؒ کا مرسل مجھے طاؤسؒ کے مرسل سے زیادہ پسند ہے۔ (تدریب الراوی ص ۷ و کتاب العلل ترمذی ص ۳۲۹) جب انہما جرح و تعدیل ان کے مرسل پر کامل اعتماد کرتے ہیں۔ تو تھارخانہ میں طوطی کی کون سنتا ہے؟

وثانیاً علماء اخاف کہ نزدیک اور چھوڑا بل اسلام اور دوسری صدی سے قبل تمام محدثین کو ان کے نزدیک تنہا مرسل قابل حجت ہوتا ہے جیسا کہ اپنے مقام پر آئے گا۔ اور جب دوسری روایات سے (گو مرسل ہی کیوں نہ ہوں) وہ معتضد اور قوی ہو جاتے تو فرق ثانی کے نزدیک بھی وہ حجت ہے۔ اور مبارک پوری صاحبؒ کو اس کا اقرار ہے (دیکھیے تحقیق الکلام جلد ۱) اور اگر حضرت ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ وغیرہ کی صحیح روایات سے بھی انقطاع کا یہ بہانہ رفع (پچھلے صفحہ کا حاشیہ ۵) ابن ابی نعیمؒ، امام احمد بن حنبلہؒ، ابن معینؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابن جبارؒ ان کو ثقہ میں رکھتے ہیں۔ امام سفیانؒ اور ابو یوسفؒ ان کی تفسیر کی بڑی قدر کرتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۵۳)

لے جو پہلے شان نزول کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں جن کا استدلالی رنگ نہیں جیسا کہ مؤلف اخیر الکلام نے ۳۵ میں ان کا کام بہانہ کیا ہے حضرت مجاہدؒ اور ان دونوں حضرات صحابہؓ کے اثر میں شان نزول ہونے کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے اور چھوڑا حضرات صحابہؓ ان کے ساتھ ہیں جیسا کہ ان کا مرسل حجت ہے اس طرح ان کی تفسیر بھی حجت ہے اور کسی صحیح روایت ان کا قرآن خلاف الاماکن ثابت نہیں ہے۔ جزو القراءۃ کا حوالہ بالکل بے سند ہے۔ اس لیے اس کو اس صحیح اور مسند روایات کا جواب ٹھوکر کرنا بے سود ہے۔

نہ ہو۔ تو کسی دوسرے جہان اور دوسری جہان کی انتظار کیجیے۔

والتلثاً، امام شافعیؒ، بخاریؒ، ابن تیمیہؒ وغیرہ کلی طور پر یہی ہد کی تفسیر پر اعتماد کرتے ہیں اور نواب صاحبؒ کا حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ لہذا ان کا یہ عذر بار بار اور رکیک تاویل قابل سماعت نہیں ہے حضرت مجاہدؒ کی اور بھی متعدد روایات باسانید صحیحہ مروی ہیں مگر ہم صرف ان پر ہی اکتفا کرتے ہیں: وفيها كفاية لمن له هداية۔

حضرت سعید بن المسیبؒ (المتوفی ۹۴ھ)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو حنیفہؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے ابو یعلیٰ موصیؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے محمد بن ابوبکر مقدسیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے عبدالرحمن بن محمدؒ ملے امام نوویؒ کہتے ہیں۔ ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار تھے۔ (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۲۲)۔ حافظ ابی ان کو الامام شیخ الاسلام اور اجلہ تابعین میں لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۴ ص ۴۸) ابن حنبلؒ دیکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں حدیث، فقہ، زہد و ورع اور عبادت اور جمہ علمی و عملی کمالات جمع تھے۔ (شذرات الفہم جلد ۱ ص ۱۲) حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ علی الاطلاق وہ سیدنا تابعین تھے اور حضرت ابن عمرؓ ان کو اہل المتقین کہتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۹۹) امام یحییٰ بن سعیدؒ فرمایا کرتے تھے۔ ہم قرآن کی تفسیر میں رائے کو دخل نہیں دیتے صرف وہی کہہ سکتے ہیں۔ جس کا ہمیں علم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان کے تمام مراسیل صحیح ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۵) امام حاکمؒ کہتے ہیں کہ تمام مراسیل میں صحیح تر مراسیل ان کے ہیں۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۲۵) امام بیہقیؒ ان کے مراسیل کو اصح المراسیل کہتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۴۲) علامہ جزائریؒ کہتے ہیں کہ مراسیل میں سے صحیح ترین مرسل سعید بن المسیبؒ کا ہے (توجیہ النظر ص ۱۹) امام ابن صبیحؒ فرماتے ہیں کہ ان کے مراسیل صحیح ترین ہیں۔ (مقدار فتح الملہم ص ۳) امام شافعیؒ باوجودیکہ وہ دیگر تابعین کے مراسیل میں کلام کرتے ہیں مگر حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسیل کی طرح وہ سعید بن المسیبؒ کے مرسل کو محبت اور صحیح مانتے ہیں۔ (مقدار فتح الملہم ص ۳) ملہ ذہبیؒ ان کو حافظ الکبیر الامام العلم اور شہیر کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۸) علی بن المدینیؒ کا بیان ہے کہ ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔ اگر میں رکنِ عظیم اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان کھڑا ہوں تو تم کھڑے ہو تب بھی یہی کہوں گا کہ میں نے ان جلیلان سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (شذرات ص ۳۵) تہذیب الاسلام جلد ۱ ص ۴۰ علامہ سمعانیؒ کہتے ہیں کہ پختہ کار حافظ صاحب تقویٰ اور جامع حدیث تھے۔ (کتاب الانساب ص ۱۹)

تے بیان کیا۔ وہ حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ قتادہؒ سے اور وہ سعید بن المسیبؒ سے وہ فرماتے ہیں واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص ۵۷) کہ آیت وافر قرئی القرآن الا یہ کا شان نزول یہاں ہے۔

حضرت حسن بصریؒ (المتوفی ۱۱۰ھ)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے حافظ ابو علیؒ نے بیان کیا وہ بیان کرتے ہیں ہم سے ابو بکر موصلیؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے محمد بن ابوبکر مقدسیؒ نے بیان کیا علامہ ذہبیؒ ان کو امام، الحافظ احمد بن محمد اور شیخ ابوسعید کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸۹) آخر میں ان کے حافظہ میں معمولی فتور آ گیا تھا۔ (تقریب ص ۱۸) لیکن اس سے ان کی حدیث اور روایت پر مطلقاً اثر نہیں پڑتا۔ اس کی مزید تحقیق اپنے مقالہ پر آئے گی، امام احمد فرماتے ہیں جب کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حماد بن سلمہ کے حق میں کچھ کہتا ہے تو اس کو منافق سمجھنا (فائزہ علی الاسلام) (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹) یہی الحافظ امام ابن معین سے بھی منقول ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۳۷) نواب صاحب لکھتے ہیں: اگر ہم حماد بن سلمہؒ امام است تفرؤش ما دام کہ در مدیش مانع از اصول نبود و مضرت نیست۔ (بدورالابواب ص ۳۳۷)

۷۔ حضرت قتادہؒ کا ترجمہ جلد ۲ ص ۲۲۵ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ کریں۔

۸۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ وہ جامع کلمات عالم بلند مرتبت رفیع المنزلت فقیہ مامون عابد زاہد وسیع العلم فصیح و بلیغ، حسین اور جلیل تھے۔ (طبقات جلد ۱ ص ۱۱۵) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ علم کا سمندر فقیہ النفس کبیر الشیخ عظیم النظر اور بلیغ التذکیر تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۲) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسما جلد ۱ ص ۱۹۱) ابوبکر المذنبی کا بیان ہے کہ جب تک وہ ایک شورت کی تفسیر اور شان نزول وغیرہ سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ کر لیتے تھے۔ اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے۔ (شذرات جلد ۱ ص ۱۳۷) فقہ کے بہت بڑے امام تھے اور ابصرہ کے مفتی اعظم تھے۔ قتادہؒ کا بیان ہے کہ حسن بصریؒ حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۱۵) امام احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں کہ وہ امام الفقیہ المشہور اعدائے بعین الکبار، الاجلہ اور علم و عمل اور اخلاص میں یکتا تھے (الہدایۃ النہایہ جلد ۱ ص ۳۸۸) نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں۔ حسن بصریؒ و محمد بن کعب القرظیؒ و ابوالعالیہ الرازیؒ وغیرہ میں ہما قدر مارنفسر بن اند و غالب اقل ایشان تلقی از صحابہ بودہ است۔ (اکسیر ص ۱۱)

کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے یوسف بن یعقوبؒ نے بیان کیا وہ شعبہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ منصور سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت حسن بصریؒ سے۔ انھوں نے فرمایا: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا فی الصلوٰۃ۔ (کتاب الصلوٰۃ ص ۵۸) کہ واذا قرئ القرآن کا شانِ نزول نماز ہے۔

حضرت ابو العالیہ الریاحیؒ (نام رفیع بن مہران تھا۔ المتوفی ۳۱۵ھ)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم سے حافظ ابو علیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے ابو یعلیٰ (موسلیؒ) نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے محمد بن ابوبکرؒ مقدسیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے عبد الوہابؒ نے بیان کیا۔ وہ ہاجرہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو العالیہ الریاحیؒ سے، انھوں نے فرمایا:

۱۔ امام ابن معینؒ، ابو داؤدؒ، یعقوب بن شیبہؒ اور خلیفہ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو شیخ کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۴۳۲) باقی جملہ روایات کی توثیق چلے نقل کی جا چکی ہے۔

۲۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعینؒ میں تھے۔ ابو القاسم طبریؒ کا بیان ہے کہ ان کی توثیق پر مسند اللہ ہے۔ (تہذیب الاسما جلد ۱ ص ۲۵۱) ابوبکر بن ابی داؤد کا بیان ہے کہ حضرات صحابہؓ کے بعد ابو العالیہؒ سے بڑھ کر عالم قرآن کوئی نہ تھا۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۵۸) ابن حبانؒ ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں (شذرات جلد ۱ ص ۱۱۲)

علامہ ابن سعدؒ ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں (طبقات جلد ۱ ص ۸۵) خود امام بیہقیؒ ان کی تمقہ فی الصلوٰۃ

کی حدیث کے علاوہ باقی تمام احادیث کو صحیح اور مستقیم تسلیم کرتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۴۲) امام علیؒ

فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کبار تابعینؒ میں تھے۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف فی الصلوٰۃ

کے علاوہ ابو العالیہؒ کی باقی تمام احادیث مستقیم اور صالح ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۸۵) مولیٰ

عاشق کبریٰؒ زادہ لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعینؒ میں تھے، اُن حضرت علیؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسلم کی وفات کے صرف

دو سال بعد مسلمان ہوئے تھے اور حضرت ابوبکرؒ کے پاس گئے تھے اور حضرت عمرؒ کے چچے نے ان پر بھی چھوڑا

قرآن کریم حضرت ابی بن کعبؒ، حضرت زید بن ثابتؒ اور حضرت ابن عباسؒ سے پڑھا تھا اور صحیح روایت

سے ثابت ہے کہ تین مرتبہ انھوں نے قرآن کریم حضرت عمرؒ پر پیش کیا تھا۔ (مفاتیح السعادة جلد ۱ ص ۳۶۱) اور اسی کے قریب

تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۸۵ میں ہے۔ (نمبر ۱۲ اور نمبر ۱۷ کے صفحہ پر دیکھیے)

کا الہی صلی اللہ علیہ وسلم اذا

کہ آئی حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے

صلی قرأ فقراً اصحابہ فغزلت

تو ساتھ ساتھ آپ کے حضرات صحابہ بھی قرأت کرتے تھے۔

فاستمحوالہ لایۃ فسکت النجوم

جب واذا قرئ القرآن (لایۃ) نازل ہوئی تو حضرات

قرأ الہی صلی اللہ علیہ وسلم۔

صحابہ کرام نے خاموشی اختیار کر لی اور غائب سول خدا صلی

(کتاب القرۃ ص ۷)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کیا کرتے تھے۔

امام بیہقی علامہ عازمی (المتوفی ۷۵۴ھ) اور مبارک پوری صاحب وغیرہ نے اس روایت کے

منقطع ہونے کا ناکام یہاں نہ کیا ہے اور یہی کچھ مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۵ میں کہا ہے لیکن یہ

صحیح نہیں ہے۔ اولاً: اس لیے کہ مرسل حجت ہے اور مرسل معتبر بل اختلاف حجت ہے جیسا

کہ بیان ہو چکا ہے۔

وثانیاً: اگر اس کو ابوالعالیہ کی تفسیر بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں جس کی تائید

کئی محقق مفسرین کرام سے آگے آ رہی ہے۔ خود مؤلف خیر الکلام ص ۵۵ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

مگر معترض کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی آیت کی تفسیر اگر کسی تابعی سے ثابت ہو اور ایک بڑے

مفسر نے بھی اس کی تصدیق کی ہو اور کسی صحابی اور تابعی سے اس کی تردید وارد نہ ہوتی ہو

تو اس کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اور اسی صوفے کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ایک تفسیر کے

مقابلہ میں محض اشکل سچ پارت بنا نا درست نہیں۔ لہذا ان کو اپنے تجویز کردہ نسخہ پر عمل کرنا چاہیے

کہ ہینگ لگے نہ چسکا رہی۔

حضرت امام زہریؒ:

امام بیہقی فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے

۱۔ ان کا ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی ذیل میں نقل کر دیا گیا ہے۔

۲۔ ماثر بن غنم کہ امام ابن معین صالح کہتے ہیں۔ محدث ساجی ان کو صدق کہتے ہیں۔ اور نیز کہتے ہیں کہ وہ محدث

مشہور تھے۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۳) باقی روایات کا حال اور توثیق

آپ پچھلے پڑ چکے ہیں۔

۳۔ امام زہریؒ اور امام عبد اللہ بن مبارکؒ کا ترجمہ مقدمہ میں عرض کیا جا چکا ہے اور بقیہ روایات کا عنقریب گزر چکا۔

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

حافظ ابوعلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے حسن بن سفیان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے حبان بن موسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے عبد اللہ بن مبارک نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے یونس نے بیان کیا وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ

قال لا یقرأ من وراء الامام فیما یجہر بہ الامام یکفیہم قراءة الامام وان لم یسمہم صوتہ ولکنہم یقرؤن فیما لا یجہر بہ سراً فی انفسہم ولا یصلح لاحد خلفہ ان یقرأ معہ فیما جہر بہ سراً ولا علانیتہ قال اللہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (کتاب القراءة ص ۵)

امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مقتدیوں کو قرات کرے کہ مطلقاً گنجائش نہیں ہے۔ امام کا پڑھنا ہی مقتدیوں کو کافی ہے۔ چاہے وہ مقتدیوں کو کچھ بھی نہ سنا سنا جو ان کو نہ توہر سے پڑھنا جائز ہے اور نہ آہستہ۔ ان ستری نمازوں میں وہ اپنے دل میں قرات کر سکتے ہیں اور جہری نمازوں میں اس کی منع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہو تو تم خاموش ہو کر اس کی طرف توجہ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ستری اور جہری نمازوں کا بیان اپنی جگہ پر ہو گا۔ لیکن بہر حال امام زہری بھی آیت مذکورہ کا شان نزول مسئلہ قرات خلف الامام بتاتے ہیں۔ سکات میں پڑھنے کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں اور یہ استدلالی رنگ نہیں بلکہ شان نزول ذکر ہو رہا ہے۔ مرسل زہری اگرچہ تنہا حجت نہیں ہوتا مگر اس سے دیگر مراسیل کی تائید مطلوب ہے اور دوسرے مراسیل کے ساتھ مل کر یہ مرسل مسئلہ زیر بحث پر مصراحت سے روشنی ڈالتے ہیں۔

(پچھلے صفحہ کا باقی) صرف تین راوی باقی ہیں۔ ان کی توثیق سن لیجئے۔ حسن بن سفیان علامہ ذہبیؒ ان کو حافظہ الامام ابو شیخ خراسان لکھتے ہیں۔ امام حاکمؒ کا بیان ہے کہ وہ خراسان کے محدث اور اپنے تمام معاصرین پر ثبوت، کثرت روایت، فہم، فقہ، ادب اور دیگر علوم میں فائق تھے۔ (مذکورہ ص ۲۴۵)۔ حبان بن موسیٰ، ابراہیم بن الجعد ان کی لا باس بہ سے توثیق کرتے ہیں۔ ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۴۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۷۷) یونس بن یزیدؒ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور ائیت لکھتے ہیں۔ اور احمد بن صالح کا بیان ہے کہ ہم امام زہریؒ کے تلامذہ ہیں یونسؒ کو ترجیح نہیں دیتے۔ امام احمدؒ فرماتے تھے کہ وہ ثقہ ہیں۔

عبد بن حمیر (المتوفی ۳۵۰ھ) اور عطاء بن ابی رباح (المتوفی ۳۵۰ھ)؛

امام ابن جریر فرماتے ہیں ہم سے حمید بن مسعد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے بشر بن الفضل نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے جریر بن عقیل نے بیان کیا۔ وہ حمید بن عبد بن حمید بن کریم سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے عبد بن حمیر اور عطاء بن ابی رباح کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا۔ حالانکہ ایک واعظ وعظ کمرہ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ آپ ذکر کیوں نہیں سنتے اور کیوں وعید کے مستوجب ہو رہے ہیں؟ لیکن ان دونوں نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر کہا۔ انھوں نے پھر میری طرف دیکھا اور باتوں میں مشغول ہو گئے میں نے سربارہ ان سے کہا۔ مگر ان دونوں نے کہا:

انما ذلک فی الصلوۃ یعنی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له
قرئ القرآن فاستمعوا له ولستموا وانصتوا تمہارے پیش نظر ہے۔ اس کا شان نزول
(تفسیر ابن جریر جلد ۹ ص ۱۰۱) و ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲) نماز ہے مذکور وعظ وعام تلاوت۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے باتیں کرنا اور قرأت کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ استماع والصالا کے خلاف ہے اور اس آیت کریمہ کا شان نزول ہی نماز ہے۔ خارج از نماز باتوں کو یہ شامل نہیں ہے۔

۱۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ عالم، واعظ اور کبیر القدر تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۴۲) امام ابن مبین اور ابو زر عہد
کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں۔ بخاری ان کو ثقہ من کہاں لےتا بعدین کہتے ہیں۔ حضرت ابن
عمران کی مجلس وعظ میں حاضر ہوئے اور ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۸)

۲۔ ذہبی ان کو مفتی اہل مکہ اور محدث، القدرہ اور العلم لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۹۲) ابن حبان ان کو
علم فقر ورع اور فضیلت میں تابعین کے سردار لکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کو شیعہ، مجتہد، امام اور کبیر القدر
لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۸) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ کبار اور ثقات و بلند پایہ
تابعین میں تھے۔ و توفی صحابہ سے ان کی ملاقات ہوئی ہے۔ نیز ابن سعد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ثقہ،
فقیر عالم اور کثیر الحدیث تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۳۰۶)

۳۔ ابو حاتم ان کو صدوق اور نسائی ثقہ لکھتے ہیں اور ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۹)

۴۔ امام ذہبی ان کو امام، اثناعشر، حافظ اور العابد لکھتے ہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ کبیرہ میں نسبت ان پر ختم تھا۔
(تذکرہ جلد ۱ ص ۲۸) (باقی نمبر ۶۰ کے صفحہ پر دیکھئے)

حضرت محمد بن کعب القرظی (المتوفی ۸۸ھ):

امام بیہقی فرماتے ہیں ہم سے ابو نصر عمر بن عبد العزیز بن عمار نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے ابو منصور عباس بن فضل نصری نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے احمد بن محمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے سعید بن منصور نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو معشر نے بیان کیا۔ وہ محمد بن کعب (القرظی) سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرامؓ ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ جب آپ قرأت کرتے تھے تو وہ بھی ساتھ ساتھ قرأت

(نمبر ۱۰ دیکھئے صفحہ کے حاشیے) ۱۰ علامہ بیہقی ان کو الحافظ الجعفی کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۲)

۱۱ امام احمد اور نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن جابر ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۵) ۱۲ ابن جابر کہتے ہیں کہ وہ علم و فقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علمائیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲) امام نووی کہتے ہیں۔ وہ بڑے اور ائمہ تابعین میں تھے (تہذیب، الاسرار جلد ۱ قسم اول ص ۹) حافظ عجمی ان کو ثقہ، رجل صالح اور عالم قرآن کہتے ہیں۔ ابن سعد ان کو ثقہ، عالم اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ عمران بن حیدر اللہ کا بیان ہے کہ میں نے تفسیر قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۰) تہذیب التہذیب، جلد ۱ ص ۲۲)۔ علامہ ذہبی ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں۔ (دول الاسلام جلد ۱ ص ۵۵) حافظ ابن کثیر ان کو عالم تفسیر قرآن، صالح اور عابد کہتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۵) جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمائی تھی کہ بنو قریظہ میں ایک شخص پیدا ہوگا جو قرآن تفسیر میں اپنا نظیر رکھتا ہوگا۔ ائمہ کا خیال ہے کہ یہ محمد بن کعب قرظی کے حق میں تھی۔ (البدایہ جلد ۱ ص ۲۲)۔ مولانا مبارک پوری ص ۱۰۰ لکھتے ہیں: مدینہ طیبہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم جیسا مفسر قرآن کوئی اور نہ تھا۔ (تحفۃ الاحوذ جلد ۱ ص ۱۴)

۱۳ امام بیہقی کے شیخ ہیں۔ ان کی سند سے ایک حدیث کی امام بیہقی تصحیح کرتے ہیں (دیکھئے سنن الکبریٰ ص ۱۲۹) ۱۴ ثقہ اور مشہور تھے (تقریب ص ۱۹) ۱۵ امام دارقطنی ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان پر کسی کی جرح منقول نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۵۸) ۱۶ ابو حاتم ان کو ثقہ من المحدثین الا ثبات لکھتے ہیں۔ ابن نمیر اور ابن خراش ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن قانع ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں۔ حلی لکھتے ہیں ان کے ثقہ ہونے پر سب اتفاق ہے (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۹۴-۹۵) ابو معشر کو بعض محدثین روایت حدیث (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

کرتے جیسے۔ اس پر سورۃ اعراف کی یہ آیت نازل ہوئی :

وَإِذْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ
وَأَنْصِتُوا (الذیۃ) (کتاب، القرآۃ ص ۷۷)
کہ جب قرآن کریم کی قرأت کی جاتی ہو تو تم توجہ
کرو اور خاموش رہو۔

حدیث مرسل :

مرسل حدیث سے احتجاج اور عدم احتجاج کی بحث اسی کتاب میں آگے اپنے مقام پر آ رہی ہے
(انشاء اللہ تعالیٰ) یہاں بقدر ضرورت تھوڑی سی بحث مناسب معلوم ہوتی ہے تاکہ بات ذرا واضح
ہو جائے اور یہ حوالے آگے ذکر نہ کیے جائیں گے تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔ امام سیوطیؒ علامہ قاسم
بن قطلوبغاؒ محدث جزائریؒ اور مولانا خٹمانیؒ نقل کرتے ہیں :

کمزور سمجھتے تھے۔ مگر امام احمدؒ ان کو صحیح محلہ الصدوق کہتے تھے۔ ابن مہبیںؒ کہتے ہیں۔ ان سے حدیثیں لکھی جاسکتی
ہیں۔ ابو زرؒ ان کو صدوق فی الحدیث کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ کہتے ہیں ان سے بڑے بڑے ثقات نے روایات کی
ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۷۲ و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۰۲) امام نعیمؒ ان کو کفیس اور حدیث کہتے ہیں
(تہذیب ص ۲۷۲) علامہ ذہبیؒ ان کو علم کا عرف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام نسائیؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے
(تذکرہ جلد ۲ ص ۲۷۲) حافظ ابن حجرؒ ان کو ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی بتاتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۱۰۲)
ان کے متعلق یہ اختلاف صرف روایت حدیث کے بارے میں ہے نہ تفسیر میں وہ بلا اختلاف اور بلا فحش
مسلم امام تھے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ، محمد بن عثمان بن ابی شیبہؒ، امام علی بن المدینیؒ اور عمرو بن علی
نفسؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ ابو معشرؒ کی وہ روایات جو تفسیر کے سلسلہ میں ہیں اور خاص طور پر وہ جو محمد بن
قفیسؒ اور محمد بن کعبؒ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ بلا چون چرا صحیح، معتبر اور قابلِ ثقت ہیں۔ (تہذیب تہذیب
جلد ۱ ص ۱۰۲ و ص ۲۷۲) محضہ، مبارک پوری صاحب نے ان کی جو تضعیف نقل کی ہے وہ ان کے یہ چنداں
مفید نہیں۔ کیونکہ محدثین جب ان کو کمزور کہتے ہیں تو صرف روایت حدیث کے بارے میں اور ہم نے جو روایت
نقل کی ہے وہ تفسیر کے بارے میں ہے اور خاص طور پر محمد بن کعب قرظیؒ سے ہے اور ان کی روایت کو اس میں
میں باقیل وقال محدثین تسلیم کرتے ہیں۔ مولف خیر نظام نے اپنی عادت کے مطابق محدثین کی جرح تو نقل کر دی
ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۲۵۹) مگر تفسیر کے بارے میں ان کی روایت کے قابلِ اعتبار ہونے کا کوئی معقول جواب
نہیں دے سکے اور لکھتے ہیں کہ جس حدیث کو محدثین کی شرائط کے مطابق محمد بن کعبؒ سے بیان کریں ان سے چند

مراسیل کے ساتھ گذشتہ زمانہ میں علماء احتجاج کیا کرتے تھے۔ مثلاً امام سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ اور امام ابو زاعیؒ جب امام شافعیؒ آئے تو انھوں نے مرسل کی حقیقت میں کلام کیا۔

واما المرسل فقد كان محتج بها
العلماء فيما مضى مثل سفیان الثوریؒ
ومالكؒ والذہبیؒ حتی جاء الشافعیؒ فکلم
فیه اه

والمحطة فی ذکر الصحاح المستحسن وتوجیه النظر

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ

فاذا لم یکن مسند عند المرسل
ولم یوجد مسند فالمرسل محتج به
ولیس هو مثل المتصل فی القوة۔

(مسند ابو داؤد، ص ۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مراسیل سے احتجاج اور عدم احتجاج کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

بہر حال مراسیل کے قبول اور رد کرنے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور صحیح تر قول یہ ہے کہ مراسیل میں مقبول و مردود اور موقوف کبھی اقسام ہیں سو جس کے حال سے یہ معلوم ہوا کہ وہ ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہے تو اس کا مرسل قبول کیا جائے گا اور جو ثقہ اور غیر ثقہ سب سے ارسال کرتا ہے اور جس سے اس نے حدیث مرسل روایت کی ہے۔ اس کا علم نہیں تو ایسی مرسل حدیث موقوف ہوگی اور جو مراسیل ثقات کی روایت کے خلاف ہیں تو وہ مردود ہوں گے اور جب مرسل دو طریقوں سے مروی ہو ایک مرسل الگ شیوخ سے اور دوسرا الگ

واما المرسل قد تنازع الناس
فی قبولها وردّها واهمّ الاقوال ان
منها المقبول والمردود ومنها الموقوف
فمن علم من حاله انه لا یرسل الا
عن ثقہ قبل مرسله ومن عرف انه
یرسل عن الثقتہ وغیر الثقتہ کان ارساله
روایتہ عن من لا یعرف حاله فہذا موقوف
وما کان من المرسل مخالف لما رواه
الثقات کان مردوداً واذ کان المرسل
من وجهین کل من الراویین اخذ العلم
عن شیوخ اخر فہذا یدل علی صدقہ

فان مثل ذلك لا يتصور في العادة تماثل
الخطأ فيه وتعتمد الكذب
(منهاج السنة جلد ۲ ص ۱۱)

تو یہ اس کے صدق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عادتاً اس
میں خطا اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کا تصور نہیں کیا
جاسکتا۔

امام نوویؒ پہلے ان حضرات کا ذکر کرتے ہیں جو مرسل کو قابل استلال نہیں گردانتے۔ آگے ارشاد
فرماتے ہیں کہ

ومذهب مالك وابي حنيفة واحمد
واكثر الفقهاء انه يجمع به مذهب الشافعي
انه اذا انضم الى المرسل ما يعضده
احتج به وذلك بان يرفى مسنداً
او مرسلًا من جهة اخرى او يعمل
به بعض الصحابة واكثر العلماء

امام مالک و ابی حنیفہ و امام احمد اور اکثر
فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے اور
امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ
کوئی تقویت کی چیز مل جاتے تو وہ حجت ہوگا مثلاً
یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے
وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض حضرات صحابہ کرامؓ
(مقدمہ نووی بر شرح مسلم ص ۱)

حضرت امام شافعیؒ نے یہ بحث اپنی کتاب الرسالة فی اصول الفقہ ص ۱ طبع بولاق میں
کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرسل معتقد کے حجت ہونے کے امام موصوفؒ بھی قائل ہیں
اور اس کی ان کے نزدیک چند شرطیں ہیں جن کا اختصار کے ساتھ امام نوویؒ نے تذکرہ فرمایا ہے
ایک شرط یہ ہے کہ

وزاد في الاعتضاد ان يوافق قول
هشابي او يفتي اكثر العلماء به مقتضاه
الم (تدريب الراوي ص ۱۱)

امام شافعیؒ نے اعتضاد کے لیے یہ شرط زائد کیا
کی ہے کہ وہ کسی صحابی کے قول کے موافق ہو یا اکثر علماء
نے اس کے مقتضی پر فتویٰ دیا ہو۔

امام ابن الجوزیؒ اپنی کتاب التحقیق میں اور محدث خطیب بغدادیؒ اپنی تالیف
الجامع فی ادب الراوی والسماع میں امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کرتے ہیں۔

ربما كان المرسل اقوى من
المسند (شرح نقایہ جلد ۱ ص ۱۱ طبع ہند)
بسا اوقات حدیث مرسل مسند سے قوی تر
ہوتی ہے۔

اور عہد حاضر کے محقق علامہ زہد الکوشری (المتوفی ۱۲۵۷ھ) لکھتے ہیں کہ

والاحتجاج بالمرسل كان سنة
متوارثة جبرت عبيد الامة في القدين
الفاضلة حتى قال ابن جرير رد المرسل
مطلقاً بعد عتد ثقت في رأس المائتين
كما ذكره الباقر في اصوله وابن عبد البر
في التمهيد وابن رجب في شرح علل الترمذ
مرسل کے ساتھ احتجاج کرنا ایک ایسا متوارث طریق
تھا جس پر قرون فاضلہ میں امت عمل پیرا رہی ہے امام ابن
جریر نے تو یہاں تک کہ ہے کہ حلقہ مرسل کو رد کر دینا بدعت
ہے جو دوسری صدی کے آخر میں ایجاد ہوئی جیسا کہ علامہ
باقری نے اپنے اصول میں اور ابن عبد البر نے تمہید میں اور
ابن رجب نے شرح علل ترمذی میں ذکر کیا ہے۔

(تانیب الخطیب ص ۱۵۵ طبع مصر)

تقلید فحشی تو بقول فریق ثانی جو تھی صدی کے بعد کی بدعت ہے مگر مطلقاً مرسل کو رد کرنا دوسری
صدی کے بعد کی بدعت نکل ان تمام اقتباسات سے یہ بات بالکل مبرہن ہو چکی ہے کہ مرسل حدیث
کے حجت ہونے نہ ہونے کا جھگڑا تو دوسری صدی کے بعد سے تاینوز چلا آ رہا ہے مگر دوسری صدی
تک ساری امت مرسل کو حجت سمجھتی تھی۔ لہذا محض مرسل کہ کہہ سکتی مگر غلامی چاہنا جیسا کہ فریق ثانی
کر رہا ہے آسان نہیں ہے حق بات یہ ہے کہ مرسل جبکہ اس کی سند صحیح ہو اور کسی مرفوع متصل ردائے
کے خلاف بھی نہ ہو تو وہ بالکل حجت ہے۔

بعض حضرات تابعین اور تبع تابعین کے مراسیل؛

علی اور تحقیقی طور پر بعض حضرات تابعین اور اتباع تابعین ایسے بھی ہیں جن کے مراسیل کو امت
مسلمہ نے بخوشی قبول کیا ہے حتیٰ کہ خود حضرت امام شافعیؒ نے بھی ان کو تسلیم کیا ہے اور وہی اس
کے ذکر کرنے میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ بتایا گیا ہے کہ وہ حضرت
سعید بن المسیبؒ کے مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ (تدریب الراوی ص ۱۶۰)

اور امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیبؒ کے مراسیل اصح ترین ہیں۔

(تدریب ص ۱۶۳)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیبؒ کے مراسیل صحیح ترین ہیں اور ابوالیم یحییٰؒ کے
مراسیل لا بأس بہا ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۳ و ص ۱۶۴)

اور امام ابن معینؒ نے فرمایا کہ مراسل ابراہیمؒ بخفی مجھے شیعہ کے مراسل سے زیادہ محبوب ہیں۔
 (ایضاً ص ۱۲) اور امام المحققین علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ کے مراسل جن کو ان سے ثقہ
 راوی نقل کریں بالکل صحیح ہوتے ہیں۔ (ایضاً) اور علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے مجاہد کے مراسل،
 عطاء کے مراسل سے کئی درجہ زیادہ پسند ہیں (ایضاً ص ۱۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مراسل
 ایک دوسرے کی نسبت سے صحیح تر ہوتے ہیں مگر بعض ایسے بھی ہیں جو فی نفسہ صحیح بلکہ واضح ہیں۔
 لہذا مؤلف خیر الکلام کا یہ بہانہ کہ ترجیح سے اعتماد سمجھ لیا حالانکہ ضعیف پر ضعیف کو بھی ترجیح ہوتی
 ہے۔ اَلِیْ اِنْ قُلْ یَا دُرُکْنَا چاہیے کہ مرسل کو مرسل سے اس وقت قوت ہوتی ہے جب دونوں کبار تابعینؒ
 سے ہوں..... الخ (ص ۱۳) محض اپنے قلب کی تسکین کا سامان ہے اور ناخواندہ حواریوں کو طفل تسلی
 دینا ہے اور بس کیونکہ ان مراسل میں مطلقاً بعض مراسل فی نفسہا صحیح ہیں اور اعتضاد کے یہ
 کبار تابعینؒ کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ محض مؤلف مذکور کی اختراع ہے کیونکہ حضرات ائمہ ثلاثہؒ اور
 دوسری صدی تک کی ساری امت تو ویسے ہی مرسل کو محبت مانتی ہے اور امام شافعیؒ مرسل
 مقتضہ کو (جو بعض حضرات صحابہ کرامؓ یا اکثر علماء کے عمل کے موافق ہو) محبت سمجھتے ہیں اور امام کے
 پیچھے قرأت کا ترک کرنا خصوصاً جہری نمازوں میں نہ صرف یہ کہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ کے عمل سے
 مؤید ہے بلکہ جہور صحابہ کرامؓ کا یہی معمول تھا اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ جہری نمازوں میں ترک قرأت پر
 اجماع امت ہے لہذا ہر حیثیت سے یہ مراسل محبت میں لاشک فیہا۔

فائدہ۔ اگرچہ بعض محدثینؒ نے مرسل اور منقطع میں اصطلاحی طور پر کچھ فرق کیا ہے لیکن علامہ
 جزائریؒ لکھتے ہیں:

وقد اطلق المرسل علی المنقطع من
 ائمة الحديث ابو ذرعة وابو حاتم
 والدارقطنی۔ ۱۔ (توجیہ ص ۲۲)
 حدیث منقطع پر مرسل کا اطلاق ان ائمہ حدیث
 نے کیا ہے امام ابو ذرؒ، امام ابو حاتمؒ اور امام دارقطنیؒ

مؤلف خیر الکلام نے حضرت مجاہد کے اثر کے بارے میں امام بیہقیؒ کی کتاب القراءۃ ص ۲ کے
 حوالے سے جو یہ لکھا ہے کہ یہ منقطع ہے اور منقطع ضعیف کی قسم ہوتی ہے (محصلہ ص ۳۵۳)
 محض طفل تسلی ہے کیونکہ مرسل فی نفسہ صحیح قول کی بنا پر محبت ہے اور حکم منقطع و مرسل ایک

وغیر اہل کتاب القراءۃ مشحون القراءۃ مثلاً) اہم کے پیچھے ہویا اکیلا۔

جواب :- اس کی سند میں زیادہ بن ابی حنیفہ ہے اہم ابن حنیفہ اور ابن ابی حنیفہ اس کو نہیں
 بشی کہتے ہیں نسائی^{۱۸۰} اور دارقطنی^{۱۸۱} اس کو متروک کہتے ہیں ابو زرہ^{۱۸۲} اس کو وہابی کہتے ہیں علامہ ذہبی^{۱۸۳}
 فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے (میزان جلد ۱ ص ۲۵۱) و تہذیب
 جلد ۲ ص ۳۶۸) مولف غیر الکلام نے بھی علامہ ذہبی کا حوالہ نقل کیا ہے (ص ۲۷۲) یہ روایت بھی نہایت
 کمزور اور ضعیف ہے اور ان کی ایک روایتوں سے لا تجوز صدۃ الافیاضۃ الکتاب و آیتین
 فصاعداً (کتاب الفتنۃ مثلاً) کہ نماز سورۃ فاتحہ اور دو آیتوں اور اس سے کچھ زیادہ کے بغیر صحیح
 نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں ایک تو خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے اور دوسرا اس میں و آیتین
 فصاعداً کی زیادت موجود ہے۔

لطیفہ :- حضرت عمران بن حصین^{۱۸۴} سے مروی ایک روایت مروی ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک
 شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد
 آپ نے فرمایا کس نے میرے ساتھ نماز عت اور پٹھائی کی ہے؟ غرضیکہ آپ نے اہم کے پیچھے قرأت
 کرنے سے منع کر دیا (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۳) اس روایت پر فریق ثانی کی طرف سے جن میں اہم دارقطنی
 بھی ہیں یہ اعتراض ہوا ہے کہ سند میں حجاج بن ارطاة ہے اور وہ ضعیف ہے ہم نے حجاج بن
 ارطاة سے کوئی روایت نہیں لی۔ لیکن فریق ثانی کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ حجاج بن ارطاة، ابو داؤد،
 ترمذی، نسائی اور مسلم وغیرہ کے روایات میں ہیں (ازالہ ستر ص ۱۱) علامہ ذہبی، ابن کثیر، احمد، ابی داؤد،
 ظہر لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۵) ابو زرہ^{۱۸۲} اور ترمذی ان کی توثیق کرتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۱۹۶)
 اہم نووی لکھتے ہیں کان بارعانی الحفظ والعلم کہ حفظ اور علم میں وہ بلند پایہ لکھتے تھے۔

(تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۵۳) امام ترمذی ان کی ایک حدیث کو حسن کہتے ہوئے تخریج کرتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۵۳)
 بلکہ ایک حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۵۳) افسوس ہے کہ ان کی روایت تو فریق ثانی کے
 نزدیک حجت نہیں ہے لیکن زیادہ کی روایت حجت ہے جو یوں بشی ہے اور اس کی تضعیف
 پر اجماع ہے ان کی ایک روایت یوں ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک شخص نے سبح اسمہ ربک الاعلیٰ
 کی سورت آپ کے پیچھے پڑھی تھی (مسلم جلد ۱ ص ۱۴۱) نسائی جلد ۱ ص ۱۴۱، ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۴۱، چوہدری لغت

توفیق ہے اس لیے قرآن کو جہر کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا اور پڑھنے والا بھی صرف ایک شخص تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس نے قرآن ظہر کی نماز میں کی تھی جو ستری ہے مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو بھی گوارا نہیں کیا اور پوری تحقیق گندہ چکی ہے کہ اعتقاد عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور منازعت و مخالفت میں قرأت سورۃ فاتحہ اور دوسری تمام سورتیں یکساں ہیں کیونکہ علت ایک ہے اور مآذ علی الفاتحہ کو منازعت کے لیے متعین کر دینا اور سورۃ فاتحہ کو اس سے خارج تصور کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے جو بہر حال مردود ہے۔

حضرت ہشام بن عمار کا اثر: حمید بن بلال سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔
 ان ھتہ بن عامر قرأ فقیر لہ القراءۃ کہ ہشام بن عامر نے قرأت کی ان سے پوچھا گیا کہ
 خلعت الامام قال انا لافعل رکب القراءۃ آپ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں؛ فرمایا ہاں ہم
 مکہ والسفن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۷۱ میں ہی کرتے ہیں۔

جواب: یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابو جہر بہاری ہے اور عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ کذاب تھا دانیاً اس بات میں اختلاف ہے کہ حمید بن بلال کی ہشام بن عامر سے ملاقات ثابت ہے یا نہیں؛ امام ابو حاتم کہتے ہیں ملاقات ثابت نہیں ہے اور ان کی روایت مرسل ہے ردیکھے تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۷۱ و جلد ۱۱ ص ۱۷۱ و ثانیاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے فرق ثانی کا دعویٰ صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت کا ہے نہ کہ مطلق قرأت کا۔

حضرت معاذ بن جبل کا اثر: ایک سائل نے حضرت معاذ سے قرآن خلعت الامام کے متعلق سوال کیا۔

قال اذا قرأ فاتحۃ الكتاب وقل هو الله احد واذا لم تسمع فترفع نفسك ولا تؤذ من عن يمينك ولا من عن شمالک والسفن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹
 انہوں نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم بھی سورۃ فاتحہ اور قل هو الله احد پڑھا کرو اور جب اس کی قرآن نہ سنا تو دل میں پڑھا کرو دائیں اور بائیں پہلو والوں کو ازیت نہ دیا کرو۔

جواب: یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہو سکتا اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں احمد بن محمد

واقعہ ہے حافظ ابن حجرؒ ایک سند کے متعلق جس میں احمد بن محمدؒ واقع ہے لکھتے ہیں کہ سند باطل ہے اور اس سند کے زوی ضعیف ہیں دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ مجہول ہیں (لسان المیزان جلد ۶ ص ۳۲) وثانیاً اس کی سند میں ابوشیبہ مہریؒ ہے علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ بلج مہریؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ یسندی من ذاولا من شیخہ بلج مہریؒ اور اس کا استناد ابوشیبہ مہریؒ پر نہیں یہ دونوں کون تھے؟ امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس کی سند مجہول ہے (میزان جلد ۳ ص ۳۲) و ثالثاً اس سند میں علی بن یونسؒ واقع ہے اگر علی بن یونسؒ بلجی ہے تب بھی کمزور ہے (میزان جلد ۲ ص ۳۲ و لسان مشہد ص ۱۲) اور اگر علی بن یونس مدینی ہے تب بھی ضعیف ہے (الایضہ ص ۲۶۹) اگر کوئی اور ہے تو اس کی توثیق درکار ہے و رابعاً اس اثر سے نظریہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذؒ نے صرف سہری نمازوں میں اجازت دی ہے و خصوصاً اس میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ قل ہو اللہ احد کی قرأت کا بھی ذکر ہے اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر: حضرت سالم سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ان ابن عمرؓ کان ینصت لمام فیما جہر فیہ ولا یقل امام معہ (کتاب القراءة ص ۲) و تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲) کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے خاموش رہا کرتے تھے اور قرأت نہیں کرتے تھے، فریق ثانی کا کہنا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہری نمازوں میں وہ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔

جواب ۱۔ یہ اثر بھی فریق ثانی کے مفید نہیں اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابن جریرؒ ہیں، امام دارقطنیؒ علامہ ذہبیؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھے (تذیب جلد ۶ ص ۴۵، میزان جلد ۱ ص ۱۵۱، ایکار ص ۲۳) اور یہاں وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں وثانیاً اس میں زہریؒ ہیں اور مبارکپوری صاحبؒ ان کی مدلس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے اور یہاں بھی وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں وثالثاً یہ اثر عبارتہ انص کے طور پر ہماری دلیل ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں قرأت کے قائل نہ تھے بلکہ سہری نمازوں میں اس سے قرأت کا اثبات کہنا تو مضموم مخالفت پر مبنی ہے اور ہمارے نزدیک مضموم مخالفت حجت نہیں ہے (تعلیق المجد ص ۹۲ و اعلام السنن جلد ۴ ص ۱) و رابعاً اگر مضموم مخالفت کو بعض فقہاء

کے قول کے مطابق صحیح ہے تیسرے کر لیا جائے تب بھی اس سے اتنا ہی ثابت ہوگا کہ حضرت ابن عمرؓ
 سہری نمازوں میں اہم کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور فریق ثانی کا دعویٰ اس سے خاص ہے کیونکہ
 ان کا دعویٰ صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ہے و خاتما موطا امام مالکؒ وغیرہ کے حوالہ سے بسند صحیح ان
 کا یہ اثر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ اہم کے پیچھے کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کے قائل نہ تھے اور ان کا یہ
 مسلک ایک مسلم حقیقت ہے اور ان سے ایک روایت یوں ہے انہ کان یہی عن القدۃ
 خلف الامام (الجوہر لنقی جلد ۲ ص ۱۳۷) کہ حضرت ابن عمرؓ اہم کے پیچھے قرأت کرنے سے منع
 کیا کرتے تھے۔ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) جو فریق ثانی کے مقتدر اور
 پیشوا ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی علماء احناف کے نزدیک اجازت نہیں ہے
 اور ان کا استدلال ان صحابہ کرامؓ کی روایات سے ہے اور یہ قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔
 حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت
 ابو سعیدؓ، الخدیجؓ، حضرت انسؓ، مالکؓ، حضرت عمرؓ بن الخطابؓ، حضرت زید بن ثابتؓ،
 حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم (منع قرائت خلف الامام۔ بحوالہ
 ایضاح الادلۃ ص ۱) اہم صحیح اسانید کے ساتھ جلد اول میں ان اکابر کے آثار نقل کئے جا چکے ہیں کہ یہ
 جملہ حضرات اہم کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور یہی بات مولانا نذیر حسین صاحبؒ فرماتے ہیں
 حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ایک اثر کتاب القراءۃ ص ۱۹۰ و ص ۱۹۱ میں ہے لیکن اس میں محولؒ مدلس ہیں
 اور غلطی سے روایت کرتے ہیں علاوہ انہیں اہم یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن عمرؓ نہیں بلکہ
 عبد اللہ بن عمرؓ بن العاص ہیں (ص ۱۳۹) اور مستزاد برآں اس میں خلف الامام کا جملہ بھی مذکور نہیں ہے
 لہذا یہ روایت منفرد کے حق میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ابو العالیہؒ نے مکہ مکرمہ میں
 دریافت کیا کہ کیا میں نماز میں قرأت کیا کروں؟ فرمایا میں بیت اللہ کے رب کے حیا کرتا ہوں کہ نماز
 میں قرأت نہ کروں و لایام الکتاب اگرچہ ہم القرآن ہی ہو (جزء القراءۃ ص ۱۸) لیکن اس میں
 بھی خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ بریں کتاب القراءۃ ص ۱۸ میں اسی اثر کے آخر میں
 فاتحۃ الکتاب کے بعد ہاتھ کی زیادت بھی موجود ہے اور یہ زیادت اس بات کو متعین کر
 کہ دیتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ اثر مقتدی کے حق میں نہیں ہے کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک

یہی اس کو مازاد علی الفاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے اور کتاب القراءۃ ص ۶۴ میں ان کی اسی روایت میں بام الکتاب کے بعد فزاتاً یا فصاعداً کی زیادت بھی مروی ہے حضرت ابن عمرؓ سے ایک اثر ان الفاظ سے مروی ہے۔

سئل ابن عمرؓ عن القراءۃ خلف الامام فقال ما كانوا یرون باساً ان یقرؤ بفتحہ لکتاب فی نفسہ (جزء القراءۃ ص ۱۲) ان سے سوال کیا گیا کہ کیا امام کے پیچھے قرآن کی جاسکتی ہے؟ فرمایا لوگ اس میں کوئی عرج نہیں سمجھتے تھے کہ اپنے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔

لیکن اس کی سند میں ایک تو ابو جعفر رازی ہے جس کا نام عیسیٰ بن مہان ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی اس سند کا یحییٰ البکاء ہے امام احمد، ابو داؤد، ابوزر اور ابن عدیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، دارقطنیؒ اس کو ضعیف اور علی بن الجعدؒ اس کو مختلط کہتے ہیں، ازہریؒ کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے، ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۴۹) امام نسائیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ضعف اصغیر ص ۵۵) حافظ ابن حجرؒ اس کو ضعیف الحدیث لکھتے ہیں (تقریب ص ۲۹۵) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن مہان متکلم فیہ ہے مگر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ صدوق ہے اس کا حافظ اچھا نہیں (تقریب ص ۳۲) اور یحییٰ البکاء کو ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ ہے انشاء اللہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے (محصلہ ص ۳۲۴) الجواب: اہل بس ایسے ہی راویوں کی ایسی ہی جن قسم کی حدیثوں پر آپ کے مذہب کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی اکثریت کی نمازوں کو باطل اور کالعدم ٹھہرانے والوں کی وکالت فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ تعالیٰ اور آگے لکھتے ہیں کہ تطبیق کی یہی صورت ہے کہ نفی سے مراد جبری نماز میں فاتحہ سے مازاد کی نفی مراد لی جائے اور فاتحہ کو اس نفی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے انتہی ص ۳۲۵ الجواب نہ معلوم یہ حضرت کس روایت کی کس سے تطبیق جسے کہتے ہیں؟ صحیح اور ضعیف کی تطبیق کا کیا معنی؟ الحاصل حضرت ابن عمرؓ ہوں یا کوئی اور صحابی ہو ان میں کسی سے پسند صحیح یہ ثابت نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری اور واجب ہے۔

حضرت عبادۃ بن الصامت کا اثر۔

حضرت محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ۔

سمعت عبادۃ بن الصامت یقرأ خلف
الامام فقلت له تقرأ خلف الامام فقال عبا
لا صلوة الا بقراءة (سنن الکبیری جلد ۳ ص ۱۶۸)
امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ان کی ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس میں امام کے پیچھے آہستہ
قرأت کرنے کی اجازت ہے اور پھر لکھا ہے۔

ومذهب عبادۃ فی ذلک مشہور (ص ۱۶۸)
حضرت عبادۃ کا مذہب اس میں مشہور و معروف ہے۔

جواب :- سند کے لحاظ سے گو کلام کرنے کی کافی گنجائش ہے مگر ہم سند کے لحاظ سے اس
پر کوئی کلام نہیں کرتے حضرت عبادۃ بن الصامت نے صحیح سمجھایا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات
ہے کہ حضرت عبادۃ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک
مذہب تھا مگر فہم صحابی اور عارف صحابی حجت نہیں ہے خصوصاً قرآن کریم، صحیح احادیث اور مشہور
حضرات صحابہ کرام کے آثار کے مقابلہ میں لیکن یہ روایت خود اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ حضرت
صحابہ کرام اور تابعین میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور یہ
مسئلہ ان میں رائج بھی نہ تھا اور محمود بن دینح جو خود صغار صحابہ میں تھے حضرت عبادۃ بن الصامت
کی امام کے پیچھے قرأت سے کبھی تعجب نہ کرتے اور نہ یہ پوچھنے کی فہمیت ہی آتی کہ حضرت آپ امام
کے پیچھے کیوں قرأت کرتے ہیں؟ یقینی امر ہے کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے نمازیں تکبیر
قیام، رکوع، سجود، تشهد، اور سلام وغیرہ جملہ اموال کے ہوں گے مگر ان میں سے کسی چیز کے بارے
میں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ حضرت آپ نے رکوع کیوں کیا ہے؟ سجود کیوں کیا ہے؟
وغیرہ وغیرہ اگر سوال کیا ہے تو اس چیز کے بارے میں کہ آپ کے امام کے پیچھے قرأت کیوں کرتے
ہیں؟ یہ بھی مستحب و بیاد ہے کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے محمود بن دینح کو یہ نہیں فرمایا کہ پروردگار
تبارکی تمام سابق نمازیں سب کا کالعدم اور باطل ہیں کیونکہ تم نے قرأت نہیں کی اور تمام نمازیں واجب
عادہ ہیں اور نہ سہی تو یہی نماز جو تم نے ابھی میرے ساتھ بغیر قرأت کے ادا کی ہے وہی دوبارہ
پڑھ لو اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت محمود بن دینح حضرت عبادۃ کے داماد تھے (تمذیب
نسنزب جلد ۱ ص ۶۲) انہوں نے ان کو یہ بھی نہ فرمایا کہ تم امام کے پیچھے ترک قرأت کے مرتکب

ہوئے ہوا و تارکِ قرأت کی نماز باطل اور کاہل ہے اور من ترک الصلوٰۃ متعددا فقد کفر
 لہذا میری محنت جگر کو میرے گھر پہنچا دو اور خود منے اُراتے پھر حضرت عبادہؓ وہی جلیل القدر صحابی
 ہیں جو فرماتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر اس شرط سے
 بیعت کی ہے کہ ان لا تخاف فی اللہ لومۃ لائتہ (مستدرک وقال صحیح جلد ۳ ص ۳۵۶) اللہ
 تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز نہ گھبرائیں گے اور ایک معمولی قسم
 کے مسکد میں حضرت امیر معاویہؓ سے اُلجھ کر ملک شام ترک کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ ہمارا اجتماع ناممکن ہے
 لیکن حضرت عمرؓ کی زبردست مداخلت سے اپنے ارادہ سے باز آئے (دیکھئے مستدرک جلد ۳ ص ۳۵۵)
 مسند ذری ص ۳ اور ابن ماجہ ص ۳ وغیرہ) مگر جب قرأت خلف الامام کے مسکد کی باری آتی ہے تو اپنے
 پڑھنے کی وجہ تو بتلاتے ہیں لیکن اس اہم مسکد کے اظہار پر کما حقہ وہ جوش و خروش ظاہر نہیں کرتے جو
 اس کے رکن اور ضروری ہونے پر کرنا چاہیے تھا۔ اگر حضرت عبادہؓ کے نزدیک قرأت خلف الامام واجب
 فرض اور رکن ہوتی تو اس کے اظہار میں پوری قوت اور طاقت صرف کرتے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی
 کو تاہی نہ کرتے اس بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آ سکتی ہے کہ حضرت عمرو بن ربیع
 مطلقاً امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کے قائل نہ تھے اور حضرت عبادہؓ کو قائل تو تھے لیکن محض استجاباً
 طور پر اور اگر کسی کو حکم بھی کیا ہے تو صرف استجبانی امر سمجھ کر۔ اگر اس کو رکن اور فرض سمجھتے تو کہنا حق سے
 بچتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ کی طرح (جنہوں نے قرآن کریم کی دو سورتوں کے تقدم و تاخر فی النزول
 کے بارے میں اعلان کیا تھا) یہ اعلان فرماتے من شاء باہلتہ جس کا جی چاہے میں اس کے ساتھ
 مبارک کرنے کے لیے آیا ہوں جب حضرت عبادہؓ نے ایسا نہیں کیا تو قطعی بات ہے کہ وہ امام کے پیچھے
 بلا شک سورۃ فاتحہ پڑھتے تو تھے (اور جہری نمازوں میں نہ تھے بھی صرف تنہا اور اکیلے تھے دوسرے
 حضرات صحابہؓ کا ان سے اتفاق نہ تھا) مگر صرف مستحب سمجھ کر ہم نے جو یہ کہا ہے کہ دوسرے صحابہؓ فرام
 حضرت عبادہؓ بن الصامت سے جہری نمازوں میں قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ میں اتفاق رائے
 نہیں رکھتے تھے، سینہ زوری نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ چنانچہ ابویہؓ کہتے ہیں کہ۔

وانما تعجب من تعجب من قرأۃ عبادۃ بن الصامت جو لوگ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کے قائل
 خلف الامام فیما یحرم فیہ بالقرأۃ لہذا دتھے انہوں نے حضرت عبادہؓ کی جہری نمازوں میں قرأت

من ذهب الى ترك القراءة خلف الامام فيما
يجهر الامام فيه بالقراءة حين قال النبي
صلى الله عليه وسلم مالي نازح القرآن
ولم يسمع استثناء النبي صلى الله عليه
وسلم قراءة فاتحة الكتاب سراً وقوله
صلى الله عليه وسلم فانه لا صلوة لمن
لم يقرأ بها وسمعه عبادة بن الصامت
واقفنه واذا و اظهره فوجب الرجوع
اليه في ذلك (انتهى بلفظه كتاب القراءة ص ۴۷)

پر تعجب کا اظہار کیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ میرے ساتھ قرآن
میں نازح است کیوں کی جا رہی ہے؟ اور اس کے بعد آپ نے
آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا اور اسی طرح آپ نے یہ
فرمایا کہ جس آدمی نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز
نہ ہوگی تو یہ استثناء صرف حضرت عبادہ بن الصامت نے
سنی اور دیگر حضرات صیغہ نہ سن سکے اور اس کو حضرت
عبادہ نے خوب محفوظ رکھا اس کو ادکیا اور ظاہر کیا سو انکی
بات کی طرف رجوع کرنا ضروری تھا۔

صحابی اور تارک نماز؟ یہ دو متضاد باتیں ہیں اور واقعہ صبح کی نماز کا ہے جس میں سینکڑوں حضرات
صحابہ شریک ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالی انازع النہی سے تنبیہ فرما کر سب
حضرات صحابہ کرام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی اور یہ حکم بھی پیش نظر تھا۔ يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ
بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَرَفَا صَلِّحْ بِمَا نَوْمَرُ (یعنی اے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اللہ تعالیٰ کے حکموں کو کھول کر بیان کریں جن میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے) مگر بایں ہمہ جناب رسول
خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ حکم آہستہ دہرا بیان کرتے ہیں اور حضرت عبادہؓ کے بغیر اس حکم کو کوئی
دوسرا سنتا ہی نہیں؟ پھر حضرت عبادہؓ پر لوگ تعجب کیوں نہ ہوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ جو آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم اور ارشاد کو عزیز از جان سمجھتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے
کوئی بات نہیں سمجھ سکتی تو پھر استدعا کرتے تھے اور کوئی ضروری امر ہوتا تو آپ تین تین مرتبہ ایک ایک
جگہ کو دہراتے تھے لیکن جب اہم کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ کے حکم کے بیان کرنے کا ممبر آتا ہے تو
سب آہستہ بیان کرتے ہیں؟ تین مرتبہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے؟ اور یہ حکم صرف
حضرت عبادہؓ سنتے ہیں کسی دوسرے کے پتے کچھ نہیں پڑتا؟ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ آپ سے
دریافت کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے کہ حضرت آپ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اگر اہم کے پیچھے
سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا مسئلہ ضروری فرض، واجب اور رکن ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اسلم ایک بار نہ فرماتے بلکہ کئی بار فرماتے سترانہ فرماتے بلکہ جہر فرماتے صرف حضرت عبادہؓ کو نہ سنتے بلکہ تمام حضرات صحابہؓ کو سنتے اور اگر حضرت عبادہؓ بھی اس حکم کو ضروری سمجھتے تو یقیناً بغیر خوفِ ہمدردی کے اس کی خوب نشر و اشاعت کرتے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو اس بات کا قائل کر لیتے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے۔ یہ حکم تو ضروری نہ تھا اس لیے اس کی پُرندہ اشاعت کی ضرورت ہی امنوں نے نہ سمجھی، بخلاف اس کے ترک قرأت کا حکم ضروری تھا اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صرف ایک شخص نے قرأت کی تو اپنے فرمایا میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے؟ کیوں میرے ساتھ نماز عت اور مخالفت ہوتی رہی ہے؟ حتیٰ کہ آپ نے بیابانگ دہل یہ ارشاد فرمایا مَالِی نَافِع لِقَرْنٍ نَجْتَبِہُ ہُوَ اَکْرِیہُ ارْشَادِ سَبْیَہِ سَاوِرِیہُ ارْشَادِ مَنْ کَرَّمَ تَمَامِ حَضَرَاتِ صَحَابَہِؓ کَوْنِہِ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی۔ جیسا کہ مفصل پینے گند چکا ہے۔ باقی اگر حضرت عبادہؓ سے پسند صحیح یا کسی اور صحابی سے بلا حیل و قال خلف الایم کی قید سے کوئی روایت صحیح ہوتی تو یقیناً اس کی طرف رجوع کیا جاتا مگر روایات کا حال آپ ملاحظہ کر ہی چکے ہیں اور بتول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حضرت عبادہؓ کے موقوف قول سے ہی غلطی و غلطی پیدا ہوئی ہے الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کے یہ آثار پہلے تو سند ہی صحیح نہیں ہیں اور اگر کچھ صحیح بھی ہیں تو ان میں صرف تہری نمازوں کا ذکر ہے کسی میں مطلق قرأت کا ذکر ہے اور اکثر میں ما زاد، ما قید اور فضا عدا وغیرہ کی زیاد بھی موجود ہے لہذا یہ آثار فریق ثانی کو ہرگز مفید نہیں ہو سکتے۔

آثار حضرات تابعینؓ وغیرہم

فریق ثانی نے اپنے اس دعویٰ پر کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے دتر نماز ناقص، بیکار، کا اہم اور باطل ہوگی، حضرات تابعینؓ و اتباع تابعینؓ وغیرہم کے آثار اور اقوال سے بھی استدلال کیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک درموقوفات صحابہؓ بحت نیست اگرچہ بصحت رسد پھر آثار حضرات تابعینؓ وغیرہم سے استدلال کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے جب کہ وہ سنداً اور روایتاً بھی صحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور دعویٰ اور درستی پہلو کے پیش نظر بھی وہ ان کو چنداں مفید نہیں ہو سکتے مگر مشہور ہے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، حضرات تابعینؓ وغیرہم کے وہ آثار جو بحث سکتا

وغیرہ اور دیگر مواقع پر نقل کئے جا چکے ہیں اور جن پر کلام بھی کیا جا چکا ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اس موقع پر صرف وہ آثار پیش ہوں گے جو پہلے نقل نہیں ہوئے۔

حضرت محول کا اثر :- ان سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مغرب عشاء اور صبح کی نمازیں ہر رکعت میں آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور جہری نمازوں میں جب اہم سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سکوت اختیار کرے تو اس وقت آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور اگر اہم خاموش نہ ہو تو اس کے ساتھ یا اس کے بعد یا اس سے پہلے ہر حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھو اور کسی حالت میں نہ چھوڑو (سبقی جلد ۲ ص ۱)

جواب :- یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اگر بالفرض یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی نص قرآنی، صحیح احادیث اور مجہود حضرات صحابہ کرام کے صحیح آثار کے مقابلہ میں اس کو گننا کرنا ہے ؟ وثانیاً قرأت سورۃ فاتحہ کے لیے سکتے کی کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ بحث سکنت اہم میں اس کی سیر حاصل تحقیق پیش ہو چکی ہے اور جہر اہم کے ساتھ ساتھ پڑھتے جانا منازعت اور محبت کا موجب ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے مردود ہے۔

حضرت عروۃ بن زبیر کا اثر :- ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ لا تسمی صلاۃ لاحد من الناس لا یقرئہا کسی شخص کی کوئی نماز نہ وہ فرضی ہو یا نقلی اس وقت بفتح الکتاب فصاعداً مکتوبۃ ولا سبحة تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک اس میں سورۃ فاتحہ اور اس سے کچھ زیادہ کی قرأت نہ کی جائے۔ (کتاب الفترۃ ص ۱)

جواب :- یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں محمد بن العباس ہے کتب اسماء الرجال سے اس کی تعیین نہیں ہو سکتی کہ یہ کون اور کیا ہے ؟ وثانیاً اس میں احمد بن حنبل ہے جس کا کتب رجال میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ملتا، مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہوا ۳۳۹ جواب :- یہ ٹھیک ہے مگر مولف مذکور کا یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اس راوی کی نشان دہی کرتے اور کتب رجال سے اس کی توثیق نقل کرتے وراثتاً اس کی سند میں حماد بن سلمہ ہے ان کے اس اثر کا مقابلہ اس اثر سے نہیں ہو سکتا جو جلد اول میں اسند صحیح نقل کیا جا چکا ہے مہر کپوری صاحب لکھتے ہیں۔ سو یہ معارضہ بھی صحیح نہیں

علی وجوب الاستماع والانصات لقراءة
الامامة۔۔۔ الخ (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۹)

علامہ سید محمود آلوسی (مفتی بغداد المتوفی ۱۲۷۰ھ)
اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

لانها تقتضي وجوب الاستماع
عند قراءة القرآن في الصلاة وغيرها و
قد قام الدليل في غيرها على جواز
الاستماع وتركه فبقي فيها على حاله في
الانصات بلجزم وكذا في الانخفاء لعلنا
بانه يضر ويؤيد ذلك اخبار جمة
(روح المعاني جلد ۹ ص ۱۳۳)

آیت کا مقتضی یہ ہے کہ نماز میں یا خارج
از نماز جب بھی قرآن کریم کی قرات ہوتی ہو تو خاموش
رہنا چاہیے۔ لیکن خارج از نماز سماع و عدم سماع
دونوں کے جواز پر دلیل قائم ہو چکی ہے۔ لہذا جہاں
نمازوں میں انصات بہر حال ضروری ہے اور اسی
طرح ستر نمازوں میں بھی کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ
امام قرات کرتا ہے اور متعدد حدیثیں بھی اس کی
تائید کرتی ہیں۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے متعدد صحیح حدیثیں، عقلی و ترجیحی دلائل پیش کر کے بڑے
وزنی دلائل سے اپنا دعویٰ ثابت کیا ہے۔

قارئین کرام! آپ حقیقت کی تہ کو پہنچ چکے ہوں گے۔ ابھی بہت سے مفسرین کرام
مثلاً علامہ خازن (المتوفی ۷۲۱ھ) اور شیخ احمد جوہر ری (المتوفی ۱۱۳۰ھ) وغیرہ وغیرہ
کی عبارتیں باقی ہیں، مگر ہمارا مقصد صرف منصف مزاج لوگوں کے لیے معتبر مفسرین کے

۱۔ مولانا میر صاحب لکھتے ہیں کہ متاخرین حنفیہ میں بڑے پائے کے مفسروں (تفسیر واضح البیان ص ۴۴)
مثلاً مشہور تفسیر ہے اور ۷۵ھ میں مصنف اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تھے۔ (اکسیر نقل)
آیت مذکورہ کی تفسیر انھوں نے جلد ۲ ص ۲۷۷ میں کی ہے۔

مثلاً یہ اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ فی ۱۱۱۸ھ کے استاد تھے۔

(اکسیر ص ۳۴)

اور تفسیر احمدی ص ۲۸۰ میں انھوں نے آیت مذکورہ کی سیر حاصل تفسیر کی ہے۔

چند اقوال بطور نمونہ عرض کرنے تھے اگر استقصا کیا جائے تو تقریباً محال ہے اور ہمارا موضوع بھی یہ نہیں۔ اس لیے اب ہم بعض ضروری عبارتیں نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

امام بیہقی رحمہم کی کتاب القراءہ پر مسئلہ زیر بحث میں فریق ثانی کا مدار ہے۔ رقم طراز ہیں

ان لا تنكروا نزول هذه الآية في

ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ یہ آیت نماز کے

الصلوة او في الصلوة والخطبة كما

بار سے میں یا نماز اور خطبہ دونوں کے بارے میں

ذهب اليه من ذكرنا قوله من سلف

نازل ہوئی ہے جیسا کہ سلف امت کے اقوال ہم

هذه الامة غيرنا لهم او بعض من

نقل کیے ہیں لیکن ہمارا اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے

روى عنهم، تختصروا الحديث فقالوا

یا ان میں سے بعض نے حدیث کو مختصر کر دیا ہے اور

في الصلوة مطلقاً۔

اس آیت کا شان نزول مطلقاً نماز کو قرار دیا ہے۔

(اور خطبہ وغیرہ کا ذکر تک نہیں کرتے۔)

(کتب القراءۃ ص ۱۱)

امام بیہقیؒ کو اس کا اقرار ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول صرف نماز یا نماز اور خطبہ دونوں

ہیں اور جمہور امت کا بھی یہی قول ہے مگر ان کا اعتراض یہ ہے کہ آیت کو فقط نماز پر کیوں قصر کر دیا

ہے؟ اس میں خطبہ وغیرہ کا ذکر بھی آنا چاہیے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے لیکن امام موصوفؒ کا یہ اعتراض

محض دفع الوقتی اور تسکین قلب کا سامان ہے۔

اقول: اس لیے کہ جمعہ اور عید کی فرضیت مدینہ طیبہ میں ہوتی ہے اور آیت مذکورہ مکی ہے جیسا

کہ علامہ نفوٹؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے۔ پھر اس کا شان نزول خطبہ کیسے ہوا؟

و ثانیاً: جس حدیث (بلکہ احادیث) کے اختصار کا الزام امام موصوفؒ نے عائد کیا ہے۔ ان میں

ایک بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ اپنے مقام پر عرض ہو گا۔ پھر ان سے استدلال و احتجاج کیسا؟

و ثالثاً: آیت کا حکم خطبہ کو عموم الفاظ کے لحاظ سے شامل ہے نہ کہ شان نزول کے لحاظ سے۔

جیسا کہ آپ پوری وضاحت سے یہ پڑھ چکے ہیں۔ مگر یہ کس قدر حقیقت فراہم کنی ہے کہ جس نماز

کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس میں استماع و انصات تو ضروری نہ ہوا اور خطبہ

(وغیرہ بالنتج امور) کو اس بنا پر اصل حقیقت سے گریزا اور پہلو تہی کی جائے؟

قاضی شوکانی (محمد بن علی المتوفی ۱۲۵۵ھ)

اس مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

(۱) ان عموماً مات القرآن والسنة قد دلت علی وجوب الانصات والاستماع ولمن جہد حال قراءة الامام للقرآن غیر منصب ولا مستمع .. الخ
 (۲) امام جب قرأت کر رہا ہو تو اس وقت مقتدی پر انصات اور استماع واجب ہے۔ حالانکہ اس حالت میں امام کے ساتھ پڑھنے والا استماع اور انصات پر عامل نہیں ہے۔

قاضی صاحب بھی جہر اور اہل اسلام کی طرح جہر امام کے وقت مقتدی کی قرأت کو قرآن کی یکساں توجہ ماننے قرآن سنت عمومی دلائل کے خلاف سمجھتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ اس کے خلاف کرنے والا عموماً قرآن اور سنت کا مخالف ہے۔ قاضی صاحب نے سکتات امام میں مقتدی کے لیے قرأت فاتحہ کو احوط کہا ہے، لیکن قرأت مقتدی کے لیے سکتات کا شریعت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے جس کی پوری تشریح اپنے مقام پر عرض ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

مؤلف خیر الکلام کا مناقشہ نمبر ۳ میں یہ کہنا کہ اس میں فاتحہ کا ذکر نہیں اور قاضی شوکانیؒ پر حالت میں فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں اور استماع وانصات آہستہ پڑھنے کے منافی نہیں (مصلح خیر الکلام ص ۵۳۷، ۵۳۸) تو یہ محض لغظی ہے۔ ہم نے کب فاتحہ کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے تو یہ حوالہ صرف اس لیے پیش کیا ہے کہ جہر امام کے وقت مقتدی کا پڑھنا استماع وانصات کے بالکل منافی ہے اور یہی کچھ قاضی صاحب فرماتے ہیں حتیٰ کہ باقر مؤلف خیر الکلام قاضی صاحب مقتدی کے لیے فاتحہ کی قرأت کو سکتات میں احوط کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو خیر الکلام ص ۵۳۸) کہ قاضی صاحب نے فرمایا کہ

ہے قاضی صاحب موصوفہ اپنے وقت کے متبحر اور وسیع المطالعہ محقق عالم تھے۔ فواب صدیق صاحب کہتے ہیں کہ وہ القاضی، العلامة، الابرار، الانور، الزکی، المنور اور عرۃ الاسلام تھے اور لکھتے ہیں کہ وہ کمال عالم انسانی پر حادی تھے۔ (اکبر ص ۹)

اگر ممکن ہو تو فاتحہ کو امام کے سکنا میں پڑھنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ (نیل جلد ۲ صفحہ ۱۳۳) اور قرأت میں کہ قرآن و سنت کے عوی و لائل مقتدی پر استماع و انصات کو واجب قرار دیتے ہیں۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر (یوسف بن عبد اللہ التوفی ۳۶۳ھ) :

لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک (وغیرہ) جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قرأت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

و حجتہ قولہ تعالیٰ و اذ اقرئ القرآن
فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون لا
خلوہن انہ نزل فی ہذا المعنی دون غیرہ
و معلوم نہ فی صلاۃ الجہلان السرا
یسمع فذل علی انہ اراد التجسس خاصۃ۔
(بخاری ۱، و جز المساک جلد ۸ ص ۲۴۸)

اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ جب
قرآن کریم کی قرأت ہو رہی ہو تو تم اس کی طرف توجہ کرو
اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو اور اس میں کسی کا
اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت کا شان نزول صرف یہی
ہے۔ نہ کہ کوئی اور۔ اور یہ ظاہر ہے کہ استماع تو صرف
جہری نمازوں میں ہو سکتا ہے۔ لہذا اس آیت سے

فقط جہری نمازیں مراد ہوں گی نہ کہ ستری۔

انشاء اللہ العزیز یہ بات تو اپنے مقام پر آگے گی کہ آیت میں صرف استماع کا لفظ ہی نہیں جو بقول ان
کے محض جہری نمازوں کو شامل ہے (اور نیز استماع اور سماع میں بھی فرق ہے)۔ بلکہ اس میں انصات کا لفظ
بھی ہے جو ستری نمازوں کو بھی شامل ہے لیکن حافظ المغرب قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا شان نزول نماز
اور خلف الامام کا مسئلہ بتلاتے ہیں اور لفظ کی بات یہ ہے کہ پوری ذمہ داری اور وضاحت سے تحریر فرماتے
ہیں کہ آیت مذکورہ کا شان نزول صرف نماز اور خلف الامام کا مسئلہ ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف

نہ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، شیخ الاسلام اور حافظ المغرب لکھتے ہیں۔ (مذکورہ جلد ۳ ص ۳۰۳) علامہ
ابو الولید باجیؒ ان کو حافظ لیل المغرب لکھتے ہیں (ایضاً ص ۳۰۳) امام حیدریؒ کہتے ہیں کہ وہ فقیہ، حافظ
کثیر التصنیف قرأت اور علم خلاف کے عالم اور علوم حدیث اور اسرار الرجال کے مسلم امام تھے (ایضاً
ص ۳۰۳) غرضیکہ وہ حفظ اتقان میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ علامہ ابن حزمؒ کہتے تھے کہ میں نے فقہ احمدؒ

پر ابن عبد البرؒ کی کتاب التہدیک کی مانند کوئی کتاب نہیں دیکھی چہ جائیکہ اس سے بہتر اور اعلیٰ اور کتاب
الاستاذ کا راسی کا محض ہے (مذکورہ جلد ۲ ص ۳۰۳) حافظ ابن القیمؒ ان کو الامام کا حافظ اور اپنے زمانہ میں امام اہل
السنت لکھتے ہیں۔ (اجتاج البحر کشش الاسلام ص ۱۴)

نہیں ہے۔ انصاف شرط ہے کہ اس اجماع و اتفاق کے بعد اور کون سی تفسیر معتبر اور قابل اعتماد ہو سکتی ہے؟ جو حضرات صحابہ کرام سے لے کر قاضی شوکانی صاحب تک ہر دور ہر طبقہ اور ہر مسلک کے فقہاء و محدثین، مؤرخین اور مفسرین کے ہاں طے شدہ حقیقت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (جن کے نام اور محاسن سے مقدمہ میں آپ اچھی طرح متعارف ہو چکے ہیں) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالنزع من الطرفين لكن الذين ينهون
عن القراءة خلف الامام مرجعهم السلف
والخلف ومعهم الكتاب والسنة الصحيحة
والذين اوجبوا على المأمومين ان يقرأوا
ضعفوا الاثمة -

مسئلہ زیر بحث میں نزاع تو طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے ہیں۔ وہ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کے ہاتھ میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ ہے اور جو لوگ امام کے پیچھے مقتدی کے پیچھے قرأت کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ان کی حدیث کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تنوع العبادات ص ۸)

مطلب ظاہر ہے کہ منکرین قرأت خلف الامام صرف چند نفوس نہیں، بلکہ جمہور سلف و خلف ہیں اور یہ نظریہ جمہور نے اجتہاد اور قیاس ہی سے قائم نہیں کر لیا۔ بلکہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے لیا ہے اور جو لوگ امام کے پیچھے قرأت بخیر کرتے ہیں۔ ان کا ہاتھ کتاب اللہ سے یکسر خالی ہے اور محض حدیث پر ان کے استدلال کی بنیاد قائم ہے اور حدیث بھی وہ ہے جس کی تضعیف ائمہ حدیث سے منقول ہے۔ (پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ العزیز۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

وقول الجمهور هو الصحيح فان
سبحانه وتعالى دل و اذ اقرئ القرآن
فاستمعوا له و انصتوا لعلكم تحذرون
قال احمد اجمع الناس على انها نزلت
في الصلوة -

جمہور کا مسلک اور قول ہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سب لوگوں کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے۔

شیخ الاسلام کی اس عبارت نے اس امر کی مزید تشریح کر دی ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول ہی نماز ہے اور اس پر تمام اہل اسلام اور ائمہ دین کا یعنی حضرات صحابہ کرام و تابعین و اتباع تابعین اور جمہور سلف و خلف کا اجماع و اتفاق ہے۔ یہی شیخ الاسلام ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

وذكر احمد بن حنبل الاجماع على
انها نزلت في الصلوة وذكر الاجماع على
انها لا تجب القراءة على المأموم حال البصر
امام احمد بن حنبل نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ
آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز اس پر
بھی اتفاق نقل کیا ہے کہ جب امام جہر سے قراءت کرتا ہو تو
(فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۳۳) مقتدی پر قراءت واجب نہیں ہے۔

اور نواب صاحب اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

واین آیت دلالت نمی کند مگر بر منع قراءت در حال جہر امام بقراءت لقوله فاستمعوا
واستماع نمی باشد مگر از برائے قراءت مجبور بہانرا برائے قراءت مخافتت ... ۱۰
(دلیل الطالب صفحہ ۲۸)

قارئین کرام! آپ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود سے لے کر قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحب تک کی عبارات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس مذکورہ آیت کا شان نزول صرف نماز ہے۔ خطیبہ (وغیرہ) عموم الفاظ کے لحاظ سے بالتبع اور ضمنی طور پر اس حکم میں شامل ہے۔ اور حافظ ابن عبدالبرؒ اور شیخ الاسلام سے یہ بھی سن چکے ہیں کہ اس بات پر تمام اہل اسلام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اس کا شان نزول فقط نماز ہے۔ اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اجماع کے نقل کرنے والے بھی امام اہل السنۃ اور مقتدائے ملت حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں اور آپ یہ بھی سن چکے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قراءت کرنا اجماع اور اتفاق کے سراسر خلاف ہے۔ اس تمام بحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیرثانی بے بنیاد دعاوی کو (جن کا ذکر سخن ہائے گفتنی میں ہو چکا ہے) دیکھیے کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کس کے ہاتھ میں ہے اور جمہور سلف و خلف کی معیت کس کو نصیب ہے؟

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

کوئی دعوٰی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا۔ جب تک کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بقیہ عادلہ سے اس پر ثبوت نہ پیش کیا جائے۔ دلیل طالب احمد اللہ تعالیٰ کہ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جمہور سلف و خلف کی معیت بھی ہمیں حاصل ہے جو نوائے حدیث کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی اور نہ ہوگی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس آیت کے سلسلہ میں فریق ثانی کی طرف سے قیداً و حدیثاً جو جو اعتراضات اور معارضات وارد کیے گئے ہیں ان پر بھی طائرانہ نگاہ ڈال لیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے ان کو ایک خاص ترتیب سے ہم نقل کرتے ہیں اور ہر ایک کا جواب ساتھ ساتھ عرض کرتے جائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

پہلا اعتراض :

مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ زیلعیؒ نے "فصل فی الرأیہ" ص ۱۲ میں امام بیہقیؒ کے حوالہ سے امام احمد بن حنبلؒ کا جریہ قول نقل کیا ہے کہ آیت "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" اور اتفاق سے نماز ہے تو مجھے اس اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے امام بیہقیؒ کی معرفت السنن و الآثار اور کتاب القراءة کا مطالعہ کیا ہے لیکن ان میں مجھے یہ قول نہیں مل سکا۔

(تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۶۵، تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۹ و ابکار المنن ص ۱)

جواب :

مبارک پوری صاحب کا یہ اعتراض چند وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ علامہ جمال الدین زیلعیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) نقل میں بڑے محتاط اور نادر ہیں اور پھر انھوں نے امام بیہقیؒ کی کسی خاص کتاب کا نام بھی نہیں لیا۔ اور امام بیہقیؒ کثیر التصانیف تھے۔ لہذا مبارک پوری صاحب کا ان کی صرف دو یا تین کتابیں دیکھ کر یہ نظریہ قائم کرنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

لے جراحہ الامام، الحافظ اور الحجۃ تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ من اعلام العلماء اور فقیہ

حدیث اند اسماہ الرجال کے مسلم امام تھے۔ قواعد البیہ ص ۲۲

وثانیہ۔ فواب صاحب نے تو جہوں کیساتھ اس امر پر اتفاق کیا ہی تھا کہ وہ عدم علم او علم بعدم نیست۔ (ردورالابلہ ص ۳۷۹) مگر مبارک پوری صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ عدم نقل عدم وقوع کو مستلزم نہیں (تحقیق الکلام ص ۱۳) اگر مبارک پوری صاحب کو اس کا علم نہیں ہو سکا تو اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ یہ جملہ اور قول ہی کتابوں سے نکل کر جگایا ہے ؟

وثالثہ۔ تنہا علامہ زبلی ہی اس قول کے ناقل نہیں بلکہ علامہ موفق الدین ابن قدامہ (معنی جلد ۷ ص ۱۷۱) اور علامہ شمس الدین ابن قدامہ (شرح مقنع بلکیر جلد ۲ ص ۱۷۱) اور حافظ ابن ہمام (فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۲۱) اور ملا علی القاری (شرح نقایہ جلد ۱ ص ۸۳) اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اپنے فتاویٰ میں جیسا کہ گزر چکا ہے) وغیرہ سب اس کو نقل کرتے ہیں۔ مبارک پوری صاحب کو ان کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہیے تھی تاکہ علامہ زبلی کے قول کی صداقت معلوم ہو جاتی۔
ولابعد۔ لیجیے ہم مبارک پوری صاحب کے ہم مسلک اور ہم مشرب عالم سے یہ منوا دیتے ہیں
مولانا عبد الصمد صاحب پشاورؒی غیر مقلد نقل کرتے ہیں کہ

والاصح كونك في الصلوة لما روى
البیهقی عن الامام احمد قال اجمعوا
على انك في الصلوة۔
صحيح ترین بات یہ ہے کہ آیت واذا قرع القرآن
کاشان نزل ہی نماز ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے امام احمد
سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نازل کے بارے میں نازل
(اعلام الاعلام في قراءة خلف الامام) ہونے پر اجماع و اتفاق ہے۔

لہ بعض ائمہ نے حدیث قلتین کی تصحیح کی نسبت امام طحاویؒ کی طرف کی تھی مولا شوق نیوی نے لکھا
کہ مجھے شرح معانی الآثار میں تصحیح نہیں مل سکی۔ اس پر مبارک پوری صاحب یوں گرفت کرتے
ہیں کہ تصحیح کی نسبت کرنے والوں نے امام طحاویؒ کی کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا۔ لہذا نیوی
صاحب کو ان کی دوسری کتابیں دیکھنی چاہیے تھیں۔ (نہ معلوم یہ مفید مشورہ یہاں کیوں قبول گئے
ہیں۔) مگر کیا کیا جائے: حج تمہیں عادت ہے قبول جانے کی۔

لہ المتوفی ۸۸۲ھ جو الامام الفقیہ الزاہد الخطیب اور قاضی القضاة تھے۔ (مقدمہ معنی ص ۱۷)

لہ المتوفی ۸۶۱ھ اپنے وقت کے امام محدث اور فقیہ تھے اور ان کا شمار اہل ترجیح میں ہے۔ (فتاویٰ البیہقی ص ۱۸)

لہ المتوفی ۸۱۲ھ علم و تحقیق کے یگانہ اور محدث و فقیہ تھے۔ (تعلیقات ص ۸)

نوٹ: یہ کتاب نواب صاحب کی مشہور کتاب "لقطۃ العجلون" کے ساتھ منضم ہے۔
اور دونوں یکجا طبع ہوئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر ہم مبارک پوری صاحب کو اور کیا ثبوت دے سکتے

ہیں؟

دوسرا اعتراض

مبارک پوری صاحب کہتے ہیں کہ اس آیت کا خطاب مومنوں کو نہیں بلکہ کافروں کو ہے۔ جو تبلیغ کے وقت شور و غل مچایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قرآن نہ سنو جیسا کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر (الکبیر جلد ۲ ص ۵۰۲) میں لکھا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر واقعی خطاب مومنوں کو ہوتا تو لَعَلَّكُمْ کے لفظ کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ یہ لفظ ترجمی کے لیے آتا ہے اور مومن بہر حال رحمت خداوندی کا مورد اور مستحق ہیں۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۵ و تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۹) اور مولانا امیر صاحب کہتے ہیں اور نہ اس کا خطاب مومنوں سے ہے جس نے اس کا خطاب مومنوں سے سمجھا اس نے سلسلۂ عبارت اور سیاق مضمون پر غور نہیں کیا۔ (تفسیر واضح البیان ص ۵۰۲) اور یہی مضمون کم و بیش مولانا عبد الصمد صاحب پشاورؒ لکھتے ہیں۔ (اعلام الاعلام ص ۱۹۰) اور یہی حذر رنگ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۳۴۳)

جواب

یہ اعتراض بھی بالکل بے بجا اور بے بنیاد ہے۔ اس لیے کہ آپ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابن مسعودؓ سے لے کر قاضی شوکانیؒ تک اکثر حضرات مفسرین کا بلکہ تمام امت کا اجماع و اتفاق سن چکے ہیں کہ اس آیت کا خطاب نہ صرف مومنوں سے ہے بلکہ اس کا شان نزول ہی ناز ہے۔ اس اجماع کے مقابلہ میں ایسے لغو اور پادروا نظریہ اور رائے کو کون منتا ہے؟ ہم سہولت کے لیے اس اعتراض کا یوں تجزیہ کر سکتے ہیں یہ تجزیہ اس لیے ضروری ہے کہ بات سمجھ آ سکے، کہ ان حضرات کے اعتراض کے یا بزعم خود استدلال کے تین مرکزی نقطے ہیں۔ ہم ان کو الگ الگ بیان کر کے ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ یہ آیت کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ مومن اس کے مخاطب

نہیں ہیں۔ ولّا اعلیٰ یہ ہیں :

۱۔ امام رازیؒ نے یوں کہا ہے۔

۲۔ لَعَلَّکُمْ کا لفظ اس کی تائید کرتا ہے۔

۳۔ سیاق و سباق کا تقاضا یہی ہے۔

پہلی جزو کا جواب

یہ ٹھیک ہے کہ حضرت امام رازیؒ (المتوفی ۴۱۰ھ) منطق و فلسفہ اور عقلیات وغیرہ کے مسلم امام تھے۔ لیکن قرین روایت اور نقلیات میں ان کا پایہ نہایت کمزور تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں امام رازیؒ عقلیات کے مسلم امام ہیں، لیکن احادیث و آثار میں ان کا پایہ کمزور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں رطب و یابس بھی کچھ موجود ہے۔ (لسان المیزان جلد ۴ ص ۳۶۶) امام سیوطیؒ نقل کرتے ہیں کہ تفسیر کبیر میں سبھی کچھ ہے مگر اس میں تفسیر نہیں۔ (درمثور جلد ۱ ص ۱۵۵) اتقان جلد ۲ ص ۱۸۹۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ مؤلف سے از علم حدیث کے خبر است و در علوم کلام و فنون رسمیه امام اہل زمان بعضیہ از اہل معرفت بعلوم کتاب و سنت گفتہ اند۔ فیہ کل شیء الا التفسیر۔ (اکسیر ص ۱۱۱)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ رازیؒ از علم حدیث خبر ندارد (اکسیر ص ۱۱۱) فریق ثانی ہی از راہ انصاف فرماتے کہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت کی تفسیر جو حضرات صحابہ کرام رض و تابعینؒ اور جہور سلف و خلف سے صحیح آسانید سے نقل کی جا چکی ہے (بلکہ اسی پر اُمت کا اجماع ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے) وہ قابلِ محبت ہے یا امام رازیؒ کی تفسیر؟

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن !

مصلحت بین و کار آساں کن !

دوسری جزو کا جواب

امام رازیؒ کا لفظ لَعَلَّ سے یہ استدلال کرنا کئی وجوہ سے غلط ہے :
اَوَّلًا لَفْظُ لَعَلَّ اگرچہ ترجمے کے معنی میں ہے۔ لیکن حضرات مفسرین کرامؒ اور ائمہ شخواس

امر کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجود کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، علامہ حازن لکھتے ہیں: لَعَلَّ وَعَسَىٰ مِنَ اللَّهِ وَاجِب (جلد ۲ ص ۶۲۳) اور صاحب مدارک علامہ عبداللہ بن احمد النسفی (المتوفی ۳۸۶ھ) لکھتے ہیں کہ

ولعل للترجي والاطماع ولكن من
كثير ليجري مجري وعده المحذور
وفاته وبه قال سيوطيه -
آتا ہے۔ لیکن ذات باری سے یہ جتنی اور ضروری ص
کے طور پر آتا ہے اور سیوطیہ اسی کا قائل ہے۔

(مدارک جلد ۱ ص ۸۱)

علامہ جبار اللہ لکھتے ہیں کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کا وعدہ کرتے ہیں تو اپنی شانِ استغنا کو ملحوظ رکھ کر لَعَلَّ وَعَسَىٰ استعمال کرتے ہیں۔ (کشاف جلد ۱ ص ۹۲)
اور مولانا تھانوی (المتوفی ۱۳۶۳ھ) لکھتے ہیں، شاہی محاورہ میں لَعَلَّ کے معنی عجب نہیں کے آتے ہیں۔ (بیان القرآن جلد ۱ ص ۱) لہذا اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ بے نیازی کے مطابق لَعَلَّ کے لفظ کے ساتھ مومنوں سے خطاب کیا ہے تو اس میں خرابی کیا ہے؟
ثانیاً۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مومنوں کے لیے لَعَلَّ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ معلوم وہاں یہ منطق کیسے چلے گی؟ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے لَعَلَّ تَتَّقُونَ۔ (پ۔ بقرة) تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف اسے مومنوں کے سب لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (پ۔ فود۴) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اس آیت میں خطاب بھی تمام مومنوں کو ہے جب مومن ہیں تو ان کی کامیابی یقینی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ (پ۔ المؤمنون رکوع ۱) تحقیق مومن فلاح پا چکے ہیں۔ اگر لَعَلَّکم کے خطاب سے مومن مراد نہیں ہو سکتے تو قرآن کریم کی ان آیات کا کیا مطلب ہو گا؟

اور ایک مقام پر یہ فرمایا ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کہی جائے تو تم جلدی نہ بنو۔ آگے ارشاد ہوتا ہے لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ۔ (یا جمعہ) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَقَالَتْ اِغْرِيْهِ تِلْكَ لَمْ يَلِجْهُ لَوْ كَرِهِيَ قُرْاٰنٍ كَرِيْمٌ اَوْ صَحَّحَ اَحَادِيْثٌ مِّنْ اِسِّ كَا كُوْنِيْ ثُبُوْتٌ نَّهِيْثٌ كِه
بعض مومن اپنی ناشائستہ حرکات کی بنا پر خدا تعالیٰ کی رحمت کے مستحق نہیں رہتے ؟ کیا قاتل، چور،
شرابی، زانی، راشی اور سود خور وغیرہ کے لیے لعنت اور غضب و نجرہ کے الفاظ قرآن کریم اور
حدیث میں وارد نہیں ہوئے ؟ اور کیا وہ خدا تعالیٰ کی رحمت کے حق دار اور محتاج نہیں ؟ یا
ان کے لیے یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی رحمت کے دروازے کھلے اور رحمت واجب ہے ؟
اور کیا رحمت کا مستحق صرف کافر ہی ہو سکتا ہے ؟

دوابعاً۔ تمام علمائے اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن کریم تمام اقوام عالم کے لیے ایک ستار
اعمل اور ضابطہ حیات ہے اور قرآن کے کسی حکم اور آیت کو اس کے شان نزول اور خاص
سبب پر منحصر کر دینا بالکل بے کار اور بے حقیقت ہے۔ اگرچہ اکثر احکام کے نزول کا کوئی نہ کوئی
سبب اپنی جگہ ضرور ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ آیات کے اسباب و شان نزول کچھ ہی
ہوں۔ مگر احکام کی دائرہ مدار الفاظ پر ہے۔ (کتاب الاثم جلد ۵ ص ۲۴۱)

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے عمومی احکام کو اسباب نزول پر مقید کر دینا باطل
ہے۔ (الصارم المسلول ص ۵۰) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جہور علماء اصول و فروع کے نزدیک
اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۹) حافظ ابن قیمؒ لکھتے
ہیں کہ جن اسباب کی وجہ سے عبادات کی مشروعیت ہوتی ہے۔ ان کا دوام شرط نہیں ہے،
جیسا کہ طواف میں رمل اور صفا و مروہ پر سعی کا سبب مشرکین کا اعتراض تھا، لیکن باوجود
ان مشرکوں کے ختم ہونے کے اس کا حکم قیامت تک باقی رہے گا۔ (بدائع الفوائد جلد ۳ ص ۱۹)
حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۴۱)
امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ اعتبار تقسیم الفاظ کا ہوگا نہ کہ خصوص سبب کا (التقان جلد ۱ ص ۷۴)
قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ عام کو سبب پر بند کر دینا مرجوح اور کمزور مذہب ہے۔

(نبیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۲۹)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ
اعتبار عموم لفظ کا ہوگا۔ (دلیل الطالب ص ۴۱۴) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: و بجز

بعموم لفظاً مست نہ بخصوص سبب، چنانکہ در اصول مقرر است (بدور الاولہ ص ۲۹)
مولانا عبد الصمد پشاوری لکھتے ہیں کہ والحق ان المقدار اعتبار عموم المبدی و

لونخص سببہ (اعلام الاعلام ص ۱۹۰) اور اس قاعدہ کو مبارک پوری صاحب بھی
صاف لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں (دیکھئے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۴۳) مولف خیر الکلام
نے پہلے تو جواب ہو کر ادھر ادھر کی بے کار باتیں کی ہیں پھر اقرار پر بھی مجبور ہو گئے ہیں۔
چنانچہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت نماز کو بھی شامل ہے خواہ اس طرح شامل بلکہ اس آیت میں
مقتدیوں کو خطاب ہو یا سب مسلمانوں کو جس میں مقتدی بھی داخل ہیں یا اس طرح شامل ہو کہ
خطاب تو کفار کو ہو مگر نمازی اور سب مسلمان عموم علت کی بنا پر داخل ہوں۔ (اح ص ۳۲۸)
اگر بالفرض آیت مذکورہ کا شان نزول صحیح روایات اور آثار سے نماز نہ بھی ثابت ہوتا۔ بلکہ
یہ آیت کافروں کے حق میں ہی نازل ہوتی۔ تب بھی اس کو کافروں پر منحصر سمجھنا اور مسلمانوں
اور مومنوں کو اس سے خارج کر دینا باطل ہے۔ حالانکہ اس کا شان نزول ہی (مومن اور)
نماز ہے۔ مگر افسوس ہے کہ فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ اس آیت کا جواز لین سبب ۱ اور
مصدق تھا۔ اس کو یہ آیت شامل نہیں ہے۔ یہ تو صرف کافروں کو شامل ہے۔ حیرت
اور تعجب ہے اس غلط نظریہ پر۔

وخاصاً۔ اگر فریق ثانی کی یہی منطق صحیح تسلیم کر لی جائے تو نہ معلوم ان کا قرآن کریم
کے ان عمومی احکام کے بارے میں کیا ارشاد ہو گا جو بظاہر ایک کافر اور مشرک قوم کے
بارے میں نازل ہوئے تھے۔ مثلاً ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے نبیؐ آپ
ان کافروں سے کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں، جو تمہارے رب نے تم
پر حرام کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ قتل اولاد کا ارتکاب نہ کرو۔
فواحشات کے قریب نہ جاؤ۔ خون ناحق نہ کرو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ وغیرہ وغیرہ۔ (پارہ ۸،
سورۃ انعام) کیا یہ کہنا بجا اور صحیح ہو گا کہ یہ احکام تو کافروں اور مشرکوں کے حق میں نازل
ہوئے ہیں۔ لہذا مومن کے لیے شریک کرنا، قتل کرنا اور یتیم کا مال چرپ کر لینا بالکل جائز
ہے؟ فریق ثانی نے یہ عجیب قاعدہ نکالا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ فرما دیں کہ ہم تو گروہ بندی کا

شکار ہو کر قاعدہ سے بے نیاز ہوں۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ

اے اسیرانِ قفص میں تو گرفتاروں میں نہیں

تیسری جزو کا جواب

ہو سکتا ہے کہ تیسرے صاحب کا سیاق و سباق کے بارے میں قاعدہ ہی کوئی نرا لا اور ماوراء
الادراک ہو اور ہم اس کو نہ سمجھ سکیں۔ لیکن بھلا اللہ تعالیٰ اس آیت کا سیاق اور سباق ہم بیان
کر سکتے ہیں اور تیسرے صاحب کو فکر و غور کی دعوت دیتے ہیں اور مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ
ارشاد فرمائیں کہ غور کس نے نہیں کیا؟

اہل ایمان کے تین درجے ہو سکتے ہیں۔ اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ۔ جو لوگ توحید و معرفت
کے تمام زینوں کو طے کر کے اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں کہ کارخانہ زمین و آسمان کی علوی
اور سفلی چیزیں مشاہدہ کے طور پر ان کے سامنے آجاتی ہیں اور وہ عین الیقین تک پہنچ
جاتے ہیں تو ایسے لوگ اصحاب بصیرت کہلاتے ہیں اور جو لوگ نظر و استدلال سے کسی
حقیقت تک پہنچنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور وہ علم الیقین کے درجہ تک پہنچ کر خود ان
کا قدم ہدایت سے ایک انچ نہیں ہٹتا اور لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں تو وہ ہادی
اور مہدی کہلاتے ہیں اور جن کو نہ پہلا درجہ حاصل ہوتا ہے اور نہ دوسرا، صرف یہی جانتے
ہیں کہ حق تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے وہ گروہ عامۃ المؤمنین کا ہے،
جن کو حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق رحمت
کے امیدوار ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

هٰذَا ابْصَارُ مَنْ رَزَقَكُمْ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ وَلَئِذَا قِيلَ لِّلْقُرْآنِ
فَاسْمِعُوا وَلَا تُصِرُّوا لَعَنُوكُمْ فَرِحْتُمْ۔
یہ سمجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور
ہدایت و رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو مومن ہیں اور
جس وقت قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا

رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ (پا ۹، اعراف ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے تین طبقوں کی خوبیوں کو علی الترتیب ہذا ابصار من ربکم و
ہدی ورحمۃ کے ارشاد سے بیان فرما کر لقوم یؤمنون کہہ کر سب کو مومن کا خطاب

اور لقب عطا فرمایا ہے اور آگے قرآن کریم کی طرف توجہ کرنے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔
اس سے زیادہ صحیح اور مضبوط ربط اور کیا ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت لقوم یؤمنون۔

پُر ختم ہوتی ہے اور دوسری واذا قرئ القرآن الایۃ سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی آیت میں
مومنوں کے تین طبقوں کی خوبیوں کا ذکر ہوتا ہے اور دوسری آیت میں بصیرت، ہدایت اور
رحمت کے سرچشمے قرآن کریم کا ذکر ہوتا ہے۔ پہلی آیت میں اللہ کی رحمت کا ذکر ہے اور دوسری
میں لعلکم ترحمون سے مستحقین رحمت کا تذکرہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس مضمون کا اپنے سیاق
سباق سے اور کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور تمام اہل اسلام اور جملہ معتبر مفسرین کہ انم اس کا یہی ربط
اور تعلق سمجھے ہیں۔ خوب طوالت سے صرف دو شہادتیں ہی نقل کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے!

علامہ خازنؒ لکھتے ہیں کہ

واذا قرئ علیکم ایہا المؤمنون القرآن
فاستمعوا لہ یعنی اصغوا لہ باسما عکھ
تم اس کی طرف توجہ کرو یعنی بگوشش ہوش اس کی
طرف مائل ہو جاؤ تاکہ تم اس کے معانی سمجھو اور اس کی
نصائح سے تدبیراً درغور کر کے فائدہ حاصل کرو اور
یعنی عند قراءتہ۔

(تفسیر خازن جلد ۲ ص ۲۸۱)

اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ کافر لوگ قراءت قرآن کے وقت شور و غل مچا کر تہمتے۔
وقد امر اللہ عبادہ المؤمنون
لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس کے
خلاف حکم دیا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جاتا ہو تو تم
لہ والنصت لکم ترحمون (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۸۱)
اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے سردار و استیلا انبیاء و امام المرسلین و خاتم
النبیین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کیا ہے کہ آپ اپنے رب کو دل میں عاجزی
اور زاری کرتے ہوئے صبح و شام یاد کرتے رہیں گو خطاب آپ کو ہے لیکن گفتہ آید در حدیث
دیگران کے قاعدہ کے مطابق حکم سب کو دیا گیا ہے۔

بہر حال اس آیت سے قبل بھی مومنوں کا ذکر ہے اور بعد بھی اکمل ترین مومن سے خطاب

ہے۔ تیر صاحب کو اس سے بہتر سیاق و سباق کہاں سے ملے گا مگر ہاں یہ بات الگ ہے کہ
لاذکرہ کا کوئی جواب نہیں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم نے توحق و فاداکر دیا ہے شاید آپ
فرمادیں۔

بلک کر کہ رہا ہے جانے کیا کیا تیر گشتے میں
عجب انداز ہے اس کا یہ کوئی دل جلا ہو گا۔

تیسرا اعتراض

مبارک پوری صاحب (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول خطبہ ہے جیسا کہ امام
بیہقی نے (کتاب القراءۃ ص ۷۵ میں) لکھا ہے۔ لہذا اس آیت سے قرأت خلف الامام کے
عدم جو اثر پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ (ایکار المنہ ص ۱۲۵)

جواب

یہ اعتراض بھی بے حقیقت اور بے کار ہے، اولاً، اس لیے کہ دلائل اور براہین سے
یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول ہی نماز ہے خطبہ وغیرہ اس کے عمومی اور
ضمنی حکم میں شامل ہے۔

وثانیاً۔ خطبہ سے اگر جمیع کا خطبہ مراد ہو تو امام بغوی کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ
جمیع کی فرضیت مدینہ میں ہوتی ہے اور آیت مکی ہے۔ اور امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ جمیع کی فرضیت
مدینہ میں ہوتی ہے حالانکہ آیت مذکورہ بالاتفاق مکی ہے اور مولانا عبد الصمد لکھتے ہیں کہ جو لوگ
اس آیت کا شان نزول خطبہ بتلاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور خطبہ کا
حکم مدینہ میں ہوا ہے۔ (اعلام الاعلام) اور اگر خطبہ سے مراد عید کا خطبہ ہے تو وہ بھی صحیح
نہیں کیونکہ عید کی نماز کا حکم بھی مدینہ طیبہ میں ہوا تھا۔ (طبری ص ۱۲۸۱)

وثالثاً۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس آیت کا شان نزول جمیع یا عید کا خطبہ ہے
تو اس سے نماز کو بالیقین خارج کرنا کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے جب کہ امت کا ایک معتد بہ طبقہ
اس کا قائل ہے کہ اسباب نزول میں تعدد بھی جائز ہے جیسا کہ شیخ عبد الرحمن بن حسن نے اس
کی تصریح کی ہے۔ (فتح البیہد شرح کتاب التوجید ص ۱۵)

چوتھا اعتراض

مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ آیت واذا قرى القرآن۔ الایة قرآن کریم کی دوسری آیت فاقروا ماتیسر من القرآن۔ الایة سے منسوخ ہے۔ لہذا اس سے مستند خلف الامام کیسے ثابت ہوگا اور اس دعویٰ کے دلائل یہ ہیں:

- ۱۔ امام ابو نصر مروزی (المتوفی ۳۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ آیت فاقروا..... الایة مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس آیت میں جہاد اور قتال کا حکم ہے اور جہاد کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے۔ (قیام اقلیل)
- ۲۔ امام سیوطی نقل کرتے ہیں کہ باقی تمام سورہ منزل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ مگر فاقروا اما تیسر..... الایة (تفسیر اتقان جلد ۱ ص ۱۳)

۳۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ روئے بالاتفاق مدینہ فرض ہوئے ہیں اور حضرت قیس بن سعد فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے قبل ہمیں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم تھا۔ جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو نہ ہمیں فطر ادا کرنے کا تاکید دی گئی اور اور نہ اس سے منع کیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱) اور اس آیت فاقروا ماتیسر..... الایة میں زکوٰۃ کا حکم بھی ہے۔ اور زکوٰۃ صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی اور صدقہ فطر صوم رمضان کا تتمہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت فاقروا ماتیسر..... الایة مدنی ہے۔ لہذا یہ ناسخ اور آیت واذا قرى القرآن۔ الایة منسوخ ٹھہری اور منسوخ آیت سے استدلال اور احتجاج باطل ہے۔ (اوکما قال تحقیق الکلام ۲ ص ۳)

جواب: یہ دعویٰ بھی قطعاً باطل اور بے بنیاد ہے۔ ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی شق کا جواب: حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو نصرؒ کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ اس لیے کہ تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ سورہ منزل کی آخری آیت بھی مکہ ہے۔ امام ابو نصرؒ کو قتال اور جہاد کے حکم سے جو شبہ ہوا ہے۔ وہ مردود ہے۔ کیونکہ اس میں ارشاد یوں ہوتا ہے۔

لے ان کی یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۲۶۹، ابن ماجہ ص ۱۳۲، طحاوی ص ۶۸ اور مستدرک جلد ۱ ص ۱۲ وغیرہ میں مروی ہے۔

عَلَيْهِمْ أَنْ يَكُونُ مِنْكُمْ قَرْطُومٌ وَلَوْ أَنَّ
 يَحْيَى بْنُ قَتَّانٍ فِي الْأَرْضِ... الْآيَةُ
 اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ عنقریب تم میں بعض آدمی
 بیمار ہوں گے اور بعض دیگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں
 نکلیں گے۔

اور بیماری و سفر میں پابندی کے ساتھ تہجد کی نماز ادا نہیں ہو سکے گی۔ اس کی تاکید اللہ تعالیٰ
 نے ساقط کر دی ہے اور اس آیت میں سَيَكُونُ (حرف سین جو استقبال کے لیے آتا ہے) سے
 خوشخبری سن کر وجود مشقت سے پہلے ہی تہجد کی نماز کی فرضیت ساقط کر دی گئی ہے۔ اس سے
 یہ کیونکر ثابت ہوا کہ جہاد اور قتال کا حکم اس وقت نازل ہو چکا تھا کہ بہر حال آیت مکہ مکرمہ میں
 نازل ہوتی ہے اور اس میں زمانہ مستقبل میں جہاد اور قتال کے حکم کی خوشخبری سنائی گئی ہے اگر
 امام ابو نصر سیکون میں حرف سین پر ہی نگاہ ڈال لیتے جو استقبال کے لیے آتا ہے تو ایسی فاضل غلطی
 کا ارتکاب نہ کرتے اور نہ اس آیت کو مدنی کہنے پر مجبور ہوتے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۳۹۳)

دوسری شق کا جواب: امام سیوطی نے یہ قول نقل کیا ہے لیکن پورے زور کے ساتھ اس کی تردید
 بھی کی ہے اور لکھتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سورہ منزل کی آخری آیت مدینہ میں نازل ہوئی
 ہے تو وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سورہ منزل
 کا آخری حصہ پہلے حصہ کے نزول کے پورے ایک سال بعد نازل ہوا ہے۔ (تفسیر اتقان جلد ۱ ص ۳۸)
 اور سورہ منزل قرآن کریم کی ابتدائی سورتوں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ ثبارک پوری صاحب لکھتے
 سب سے پہلے سورہ قلم نازل ہوئی اور اس کے بعد سورہ منزل۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۸)

۱۷۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وجود مشقت سے قبل تفسیح صحیح نہیں یا اس میں تردد ہو تو اس کو معراج کی ۵۰
 طویل حدیث پڑھنی چاہیے جس میں پچاس نمازوں کی فرضیت کے بعد وجود مشقت سے قبل ہی باقی سب
 نمازیں معاف کر کے صرف پانچ ہی باقی رکھی گئیں ہیں۔

۱۸۔ ان کی یہ روایت مسلم جلد ۱ ص ۲۵۶، نسائی جلد ۱ ص ۱۸۷، ابوعوانہ جلد ۲ ص ۳۲۲ اور مستدرک
 جلد ۱ ص ۵۵۵ وغیرہ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے اور اسی مضمون کی روایت حضرت ابن عباس سے
 بھی مروی ہے۔ مستدرک جلد ۲ ص ۵۰۵ و سنن الکبیری جلد ۲ ص ۵۰۵۔ الغرض یہ صحیح روایتیں ابن عمرؓ
 کی اس روایت سے جس میں یونس بن حبیبؓ وغیرہ راوی موجود ہیں جن کا اتنا کتبہ حال سے نہیں ملتا۔ بدرجاء
 زیادہ قابل اعتماد ہیں۔

جب صحیح روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ سورۃ منزل من وعن سب ملکی ہے تو اس کو ملکی کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

تیسری شق کا جواب: یہ دعویٰ کرنا کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی صحیح نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ نفس زکوٰۃ کا حکم مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکا تھا۔ کیونکہ سورۃ مومن، سورۃ جم سجدہ اور سورۃ لقمان وغیرہ تمام مکی سورتوں میں زکوٰۃ کا حکم موجود ہے پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ مکہ میں نہیں ہوئی تھی۔ باقی یٰٰقون الزکوٰۃ کو تزکیۃ نفس پر حمل کرنا تاویل بعید اور توجہ رکبیک کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور حضرت جعفر طیارؓ نے دربارِ نباشی میں جو تقریر کی تھی اس میں زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے حالانکہ وہ جرین حبشہ شہد نبوت میں ہجرت کر گئے تھے۔ (طبری ص ۱۱۱۸، زاد المعاد جلد ۲ ص ۶۱)

امام الانعم ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۱۱)
امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہو چکی تھی۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۲۳۵) سید آوسیؒ لکھتے ہیں کہ اکثر علما کی تحقیق یہ ہے کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہو چکی تھی۔ (روح المعانی جلد ۱۹ ص ۱۴۱) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سورۃ منزل کی آخری آیت ان لوگوں کی تائید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نفس زکوٰۃ تو مکہ میں فرض ہو چکی تھی لیکن اس کے نصاب اور مقدار کی تعیین مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۳۹)

حضرت ابن عمرؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار اور تعیین نصاب سے پہلے اپنی ضرورت سے زائد سب مال صرف کر دینے کا حکم تھا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۲۱۷) اس تحقیق کو پیش نظر رکھنے کے بعد حضرت قیس بن سعد کی روایت کا مطلب یہ ہو گا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور مقدار کی تعیین سے قبل صدقہ فطر کی اس لیے تاکید کی جاتی تھی تاکہ فقراء اور مساکین کی امداد اور اعانت لے یہ روایت ابو داؤد جلد ۱۹ میں منقول ہے اور مسند احمد جلد ۵ ص ۲۹۱ اور مستدرک جلد ۲ ص ۳۱۰ وغیرہ میں مفسلاً موجود ہے۔ قال الحاکم والذہبی علی شرطہما۔

اے یہ بات بھی نہ بھولیے کہ صحابہ کرامؓ کی مکی زندگی اور مدینہ طیبہ کا ابتدائی دور غربت اور افلاس کا دور تھا اس میں زکوٰۃ کے نصاب اور مقدار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا صدقہ فطر کے تاکید کا حکم سے اس کی تلافی کر دی گئی تھی۔

بخوبی ہو سکے اور جب شہر کے نگ بجگ زکوٰۃ کا نصاب اور مقدار مقرر ہوئی تو صدقہ فطر کا وہ تاکید اور فرضی حکم باقی نہ رہا۔ گو روزہ و صدقہ فطر کا حکم اور زکوٰۃ کا نصاب اور مقدار کی تعیین مدینہ طیبہ میں ہوئی اور صدقہ فطر بعض ائمہ کی تحقیق میں اب بھی واجب ہے مگر فرض نہیں۔

اس بحث کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے مبارک پوری صاحب کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ کس بے باکی سے یہ لکھتے ہیں کہ اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فاقرؤ اما تیتس... الایۃ مدنی ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۳۶) فوا اسغا آپ دلائل واضحہ کے ساتھ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ اندرونی اور بیرونی عقلی اور نقلی شہادتوں سے فاقرؤ اما تیتس... الایۃ کا ملکی ہونا ثابت ہو چکا۔

پانچواں اعتراض

مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ فاقرؤ اما تیتس... الایۃ سے واذا قریئ القرآن... الایۃ منسوخ نہیں۔ لیکن اس میں نسخ کا احتمال تو موجود ہے۔ جب اس میں یہ احتمال موجود ہے تو اس سے استدلال کیسے؟ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۳۶)

جواب : یہ اعتراض بھی مردود ہے۔

اقلاد۔ اس لیے کہ نسخ کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ وہ محض بے بنیاد احتمالات سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے اثبات کے لیے قطعی، حکم اور اٹل دلائل کی ضرورت ہے اور صرف ظن اور تخمین سے قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہو سکتی۔

وثانیہ۔ یہ احتمال صرف مبارک پوری صاحب کے خیال مبارک میں ہی آیا ہے یا امام اٹھابین حنبلؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ بلکہ جہور سلف و خلف کو بھی یہ نکتہ ہاتھ آیا ہے؟

اگر یہ احتمال کسی دلیل و برہان پر مبنی ہوتا تو جہور اہل اسلام کا اس آیت سے استدلال کیسے صحیح ہوتا؟ اور باوجود ان حضرات کے علم کی گہرائی کے اس احتمال کی طرف ان کا ذہن کیوں نہ گیا؟

وثالثہ۔ خود مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ آیت فاقرؤ اما تیتس سے قرأت کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۶) تو اس آیت سے ہر ہر مقتدی کی قرأت کے

وجوب پر استدلال کیونکر درست ہوا؟ اور آیت واذا قریئ القرآن... الایۃ اس سے منسوخ کیسے ٹھہری؟ کیونکہ اس میں استماع اور انصات کا حکم سب مقتدیوں پر بہر حال واجب اور

لازم ہے اور فاقرؤا سے فرضیت ہی ثابت نہیں ہے۔

ورابعا۔ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ سورۃ منزل پہلے نازل ہوئی ہے۔ (جس میں خاقرؤا ماتیس کی آیت ہے) اور سورۃ اعراف بعد کو نازل ہوئی ہے (جس میں واذا قرئ القرآن ... الآية ہے۔) (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۶۹) اور پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ منزل کا آخری حصہ بھی مکی ہے اور اقل و آخر میں صرف ایک سال کا وقفہ ہے۔ پھر محض خیال سے متاخرہ سورۃ کو مقدم سے منسوخ کرنے کا کیا مطلب ؟

و خامسا۔ نواب صاحب سورۃ اعراف کے متعلق لکھتے ہیں کہ دروے کی آیت یادو آیت منسوخ است باقی ہمہ حکم۔ اقل۔ خذ العوذ امر بالعرف۔ دوم۔ و اعرض عن الجہلین (امادۃ الشیوخ ص ۶۵) تو حکم آیات کے منسوخ ہونے کا کیا معنی ؟

چھٹا اعتراض: مولانا تیسر صاحب سیالکوٹی رح لکھتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں احناف کے نزدیک تعارض ہے۔ جیسا کہ ملا جیون اور صاحب تلویج رح نے لکھا ہے۔ لہذا اس تعارض کے ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر واضح البیان ص ۴۳۸) مبارک پوری صاحب نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۳۸، ابکار المنن ص ۱۳۸ و تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۸)

جواب ۱

بلاشبک ملا جیون خفی تھے لیکن مدار صرف دلائل پر ہے۔ شخصیتوں پر نہیں ہے اور تلویج کے کے مصنف علامہ سعد الدین تقانزانی (المتوفی ۷۹۱ھ) حسب تصریح علامہ حسن چلیپی (المتوفی ۸۹۶ھ) و علامہ سیوطی رح (المتوفی ۹۱۱ھ) و علامہ محمود الکفوی رح (المتوفی ۹۹۰ھ) و علامہ کا تب چلیپی رح (المتوفی ۹۷۰ھ) صاحب کشف الظنون، شافعی المسلک تھے۔ احناف میں ان کا شمار غلط ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تعارض کے لیے شرائط کیا ہیں ؟ حافظ ابن حجر رح (شرح منجۃ الفکر ص ۴۷ میں) بیان کرتے ہیں کہ تعارض کی شرطیں یہ ہیں:

۱۔ دونوں حکموں کا محل ایک ہو۔

۲۔ تقدم اور تاخر معلوم نہ ہو سکے۔

۱۲۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جاسکے۔

۱۳۔ دونوں میں تطبیق نہ ہو سکے۔ مگر ان دونوں آیتوں میں تعارض کی ایک شرط بھی موجود نہیں ہے۔

دونوں کا محل جُدا جُدا ہے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن کا شان نزول فرضی نماز ہے اور آیت فاقرؤا ماتیسر کا محل نماز تہجد ہے جیسا کہ ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۹۲ اور عون المعبود جلد ۱ ص ۵۰۳ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور امام بیہقیؒ لکھتے ہیں: وهذا معروف مشہور فیما بین اهل العلم۔ (کتاب الفرائض ص ۱۵۳) اور یہ امر اہل علم میں مشہور و معروف ہے اور حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ یہ آیت صلاۃ تہجد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (

اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۳۷۸) خطیب شربینیؒ جو بڑے پایہ کے مفسر تھے لکھتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول تہجد کی نماز ہے۔ (السراج المنیر جلد ۴ ص ۲۴۸) علامہ فولستوف لکھتے ہیں کہ یہ صلاۃ تہجد کے بارے میں ہے۔ (تفسیر ابوالسعود بر کبیر جلد ۸ ص ۴۸) مبارک پوری صاحبؒ بھی صاحب روح المعانی سے یہ مضمون نقل کرتے ہیں (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۷)۔ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ نزول فی قیام اللیل فلیست مما نحن فیہ (نیل جلد ۲ ص ۲۱۸) یعنی یہ آیت نماز تہجد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ہمارے اس مسئلہ سے (کہ سورۃ فاتحہ رکن ہے یا جہاں سے بھی پڑھ لیا جائے صحیح ہے) اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود مولانا میر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ سورہ منزل کا یہ رکوع نماز تہجد میں تخفیف کے لیے اتر ہے۔ (تفسیر واضح البیان ص ۴۴۳) جب ایک آیت کا محل فرضی نماز ہے اور دوسری کا تہجد کی نماز ہے تو پھر تعارض کیسے؟ کیونکہ تعارض کے لیے وحدت محل شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

دونوں کا تقدم اور تاخر: پہلے پوری تحقیق گذر چکی ہے کہ ان کے تقدم اور تاخر کا علم اور تو اور خود مبارک پوری صاحبؒ کو بھی اقرار ہے کہ سورہ منزل پہلے اور سورہ اعراف بعد کو نازل ہوئی ہے۔ سو تعارض کی یہ شرط بھی نہ پائی گئی۔

وجہ ترجیح :

اگر بالفرض دونوں کا محل بھی ایک ہوتا اور تقدم و تاخر بھی معلوم نہ ہوتا تب بھی واذا قرئ القرآن .. الآية کے حکم کو ترجیح ہوتی۔ کیونکہ صحیح روایات اور آثار اور جہور سلف خلف کی اکثریت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت میں مقتدی کو قرأت خلف الامام سے منع کیا گیا ہے ترجیح کے لیے یہ دلیل کیا کم وزنی ہے ؟

جمع و تطبیق : علاوہ بریں ان دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق بھی چنداں دشوار اور مشکل نہیں ہے کیونکہ واذا قرئ .. الآية مقتدی کے حق میں ہے جو جامعیت فرض نماز پڑھتا ہو اور فاقروا ماتیسر تہجد کی نماز کے بارے میں ہے جو انفرادی طور پر پڑھی جاتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی آیت صرف سورۃ فاتحہ کو شامل ہو کیونکہ قرآن العظیم کا اطلاق اسی پر ہوا ہے اور فاقروا ماتیسر سے مازاد علی الفاتحہ مراد ہو۔ چنانچہ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں : کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بلند صحیح یہ روایت مروی ہے کہ فاقروا ماتیسر سے مازاد علی الفاتحہ مراد ہے۔ (کتاب القراءة ص ۶۶، ص ۱۵۳، ۱۵۴) اور امام دارقطنیؒ حضرت ابن عباسؓ سے باسناد حسن اسی مضمون کی روایت نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کے لیے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فاقروا ماتیسر مازاد علی الفاتحہ پر محمول ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۶۹) اور میر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ الغرض آیت فاقروا ماتیسر میں اگر قرأت سے مراد قرأت القرآن فی الصلوٰۃ مراد لی جائے تو اس سے مراد فاتحہ کے بعد کی قرأت ہے۔ (واضع البیان ص ۴۴۵)

اور چونکہ فریق ثانی کے نزدیک بھی مازاد علی الفاتحہ کی قرآۃ مقتدی کے لیے ممنوع ہے۔ لہذا اس سے مراد صرف منفرد ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فاقروا ماتیسر کا حکم امام کے لیے ہو۔ اور واذا قرئ القرآن صرف مقتدی کے لیے۔ اندر میں حالات جب جمع و تطبیق کی صحیح صورتیں بھی سامنے موجود ہیں تو تعارض کا دعویٰ بالکل باطل ہو گیا۔

ساتواں اعتراض :

مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن الآية پہلا

جواب خود حنفی دیوبندی کے قلم سے کہ جو شخص اس آیت سے خلف الامام کے منسوخ ہونے پر استدلال کرتا ہے اسے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ آیت افتراض صلوات خمسہ کے بعد نازل ہوتی ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۵)

جواب

کیا قرأت خلف الامام کی ممانعت اور افتراض صلوات خمسہ میں کوئی علت اور معلول کا تلامذہ یا عرفی اور عادی تعلق ہے؟ کیا قرآن کریم کی تعظیم کے پیش نظر قرأت خلف الامام کی ممانعت صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ پانچ نمازیں ہی فرض ہوں۔ پانچ سے کم نمازوں میں یہ ممکن نہیں ہے؟ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ دار و مدار دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ شخصیتوں پر شخصیتیں قابل صدا احترام ہیں مگر صحت و سقم کا مبنی دلائل ہیں۔

آٹھواں اعتراض

مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ آیت اذا قرأ القرآن کی ہے اور امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم مدینہ طیبہ میں ہوا ہے۔ لہذا مقدم حکم سے متاخر حکم کے خلاف استدلال درست نہیں ہو سکتا۔ اور مدینہ میں قرأت خلف الامام کے جواز پر یہ دلیل موجود ہیں:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی (موطا امام مالک ص ۲۹)

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتباً حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی اور جب فارغ ہوئے تو فرمایا: میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے؟ اس حدیث کے آخر میں فرمایا: امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے بغیر اور کچھ بھی نہ پڑھا کرو۔ (کتاب القرات ص ۵۱)

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس پر اتفاق اجماع ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ (تخفیف المجہد ص ۱۱۳)

لے یہ مضمون انھوں نے اپنی مشہور کتاب الفرقان ص ۸۹ میں لکھا ہے اور اس کے مولف مولانا ناظر حسن صاحب دیوبندی تلمیذ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۱۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ میں اور انھوں نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے۔

(تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۵۲)

میر صاحب سیالکوٹی یہ لکھتے ہیں کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ احادیث مثبتہ قرآنہ خلف الامام آیت واذا قرئ القرآن کے بعد فرمائی گئی تھیں۔ کیونکہ عبادہ رضی اللہ عنہ میں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ (تفسیر واضح البیان ص ۱۳۵)

جواب۔ یہ اعتراض بھی محض بے کار ہے، اولاً۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی کسی آیت اور حکم منسوخ ٹھہرانے کے لیے کسی محکم قطعی اور اٹل حکم کی ضرورت ہے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ مبارک پوری صاحب نے بزعم خود بڑی دوراندیشی کا ثبوت دیا ہے اور لکھتے ہیں: اولاً۔ کہ اگرچہ حضرت عبادہ بن الصامت بیعت عقبہ اولی (جو سلمہ نبوت میں ہوئی تھی) اور بیعت عقبہ ثانیہ میں (جو سلمہ نبوت میں ہوئی تھی) حاضر ہوئے تھے۔ لیکن ان کی حاضری سے (یعنی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سلامانے کیلئے حاضری سورۃ اعراف پہلے نازل ہو چکی تھی کیونکہ مجمع البحار جلد ۲ ص ۵۳۰ میں لکھا ہے کہ سلمہ نبوت میں پہلے سورۃ جن نازل ہوئی اور پھر سورۃ اعراف۔

وثانیاً۔ یہ کہ عقبہ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع ہی نہ تھی۔ اس لیے بہر حال حضرت عبادہ کی حدیث کا یہ حکم آیت کے بعد ہی ہوگا۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۸، مصلحہ) مگر یہ تمام مقدمات غلط ہیں۔ اولاً۔ اس لیے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی خلف الامام کی قید کے ساتھ کوئی مرفوع روایت صحیح نہیں ہے۔ لہذا وہ مکی ہوں یا مدنی فرق کیا ہوگا؟

وثانیاً۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بیعت عقبہ اولیٰ رجب سلمہ نبوت میں اور بیعت عقبہ ثانیہ سلمہ نبوت میں ہوئی تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۵۹)

وثالثاً۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ابتدائے نبوت سے مشروع تھی۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۳) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نماز باجماعت ابتدائے اسلام سے مشروع تھا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۴۰) مسلم جلد ۲ ص ۶۹۶ اور مستدرک جلد ۲ ص ۵۹۶ میں روایت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر رجب اپنی قوم کے پاس گئے تو حضرت ایمان بن رافع ان کو جماعت سے نماز پڑھایا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے قبل مردوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت ابوہریرہ رضی کی اخبار احاد سے قرآن کریم کی آیت کیسے منسوخ ہو سکتی ہے۔

وثالثاً۔ حضرت عبادہ رضی کی خلف الامام کی قید کے ساتھ کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر بیان ہو گا۔ پھر ایسی بے حقیقت، ضعیف کمزور اور معلول روایتوں نص قطعی کیونکر منسوخ ہو گئی؟ اور حضرت ابوہریرہ رضی سے موطا امام مالک ص ۲۹ میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کا مفہوم یہ ہو کہ اگر مقتدی فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے یہی اُن کی مرفوع روایت خراج والی تودہ موجود ہے اور ان کا قول اقداً بھائی نفسک یا فارسی بھی موجود ہے مگر اس کا مطلب بطلان صلوٰۃ نہیں ہے جس کی بحث جلد ثانی میں آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔
وثالثاً۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی متاخر الاسلام صحابی کی روایت سے متقدم الاسلام صحابی کی روایت کو بلا دلیل محض تقدم و تاخر کی وجہ سے منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (شرح منجۃ الفکر ص ۲۷) نہ معلوم متاخر الاسلام صحابی کی روایت سے نص قرآنی کیسے منسوخ ٹھہرائی جاسکتی ہے؟

ورابعا۔ کیا صرف حضرت عبادہ رضی اور حضرت ابوہریرہ رضی ہی مدنی تھے یا حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابوالدرداء رضی، حضرت انس بن مالک، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن جحیفہ رضی اور حضرت ابوبکرہ رضی وغیرہ بلکہ خود حضرت ابوہریرہ رضی بھی جن سے قرأت خلف الامام کی ممانعت کی روایتیں مروی ہیں مدنی تھے؟

(بقیہ پچھلا صفحہ) اور بیسیوں میں صرف حضرت خدیجہ رضی مسلمان ہوئی تھیں۔ (مذکورہ جلد ص ۱۷۱ و ۱۷۲) مگر اس ابتدائی دور میں بھی جماعت ہوتی تھی۔

لہٰذا صاحب لکھتے ہیں کہ ناسخ مثل منسوخ باشد در قوت بلکہ اقویٰ از ان چہ در صورت ضعف منزل قوی نہ تواند شد و اس حکم عقل است و اجماع بر آن دلالت کردہ چہ صحابہ رضی نص قرآن را بدخبر واحد منسوخ نہ کردہ اند۔ (افادۃ الشیوخ بمقدار النسخ والمنسوخ ص ۵)

حضرت مولانا عبدالحی صاحب کھنوی رحمۃ اللہ علیہ علامہ حنفیہ کا ضابطہ یہ بیان کرتے ہیں۔ ان تخصیص العام القطعی بنحیر الاحاد خلیں جائز..... الخ (غیث الغمام ص ۲) کہ عام قطعی کی تخصیص خبر واحد سے جائز نہیں ہے۔

و خامساً۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے موقف اور غیر صریح قول سے نص قرآنی کس طرح منسوخ ہو سکتی ہے۔ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ مرفوع حدیث کے مقابلے میں امت میں سے کسی کا قول قابل قبول نہیں ہو سکتا چنانچہ امام شافعی رحمہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلے میں ماوشما کے قول کی کیا وقعت ہے؟ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۵۳)

امام ابن خزمہ کا بیان ہے کہ حدیث کے مقابلے میں کسی کی بات حجت نہیں ہو سکتی۔ یحییٰ بن آدم فرماتے تھے کہ مرفوع حدیث صحیح کے مقابلے میں کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔ (معرفت علوم الحدیث) امام بخاری رحمہ لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب حدیث ثابت ہو جائے تو پھر کسی امتی کا قول قابل اعتما و نہیں ہے (جزء القراءة ص ۱) امام بیہقی رحمہ لکھتے ہیں کہ حضورؐ کی حدیث کے مقابلے میں کسی امتی کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۶۳) محدث ابن حزم لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی موجودگی میں کسی کی بات قابل قبول نہیں ہے (محل جلد ۱۰ ص ۱۷۰) شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو پھر کسی کی بات حجت نہیں ہے۔ (رفع الملام عن ائمة الاعلام ص ۶۴) نواب صاحب لکھتے ہیں: زیرا کہ حجت در روایت صحابی است نہ در راستے فعل و سے (بدور الابلہ ص ۵۵) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ علامہ شوکانی رحمہ در ثلقات خود ہزار بار می نویسد کہ در موقوفات صحابہ حجت نیست (دلیل الطالب ص ۶) عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو فرق ثانی کے نزدیک موقوفات صحابہ حجت نہیں ہیں اور دوسری طرف ان سے فاذا قرئ القرآن کی آیت قرآنی منسوخ قرار دی جاتی ہے۔ فاسفاح: میں وہ جواق میں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں۔

و سادساً۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو روایت امام بیہقی رحمہ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے وہ کمزور اور ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی داہر بن نوح ہے۔ امام دارقطنی رحمہ لکھتے ہیں وہ قوی نہیں۔ ابن حبان رحمہ لکھتے ہیں۔ اس کی روایتوں میں خطا ہوتی ہے۔ ابن قسطلک لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہے۔ (لسان المیزان جلد ۲ ص ۳۱۱)

دوسرا راوی اس سند میں روح بن بکر ہے۔ امام بخاری رحمہ لکھتے ہیں کہ امام ابن قتیبہ اسکو ضعیف

کہتے تھے (ضعفہ صغیرہ ص ۱۲) امام نسائی رحمہ اللہ اس کو متروک کہتے ہیں۔ (ضعفہ صغیرہ نسائی ص ۳۲) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ متروک تھا۔ (تقریب ص ۱۲۱) امام ابن معین رحمہ اللہ ابو داؤد رحمہ اللہ اور ابن عدی وغیرہ اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۳۳۳) امام بیہقیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ (کتاب القراءة ص ۱۳۸) یعقوب بن سفیانؒ اور ابن خراشؒ اسے متروک کہتے ہیں۔ جوزقانی رحمہ اللہ اس کو واہی الحدیث اور ابوحاتمؒ اس کو ذاہب الحدیث اور ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ عجل محمد بن عثمانؒ اور عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سب اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ بیان ہے کہ ضعیف اور کمزور لوگوں سے موضوع اور جعلی روایتیں بیان کرتا تھا۔ ابن حبانؒ دارقطنی رحمہ اللہ اور ازہریؒ سب اسے متروک کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۷۳۹)

حضرات! آپ مبارک پوری صاحبؒ کی کرامت ملاحظہ کیجئے کہ اس روایت سے وہ واذا قرأ القرآن... الاذیہ کو منسوخ قرار دینے پر اُدھار کھاتے بیٹھے ہیں۔ تعجب اور حیرت ہے ایسے علم پر۔
وَسَابِقًا۔ کیا جہور کی طرف سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت عبادہؓ وغیرہ بیعت عقبہ اولیٰ یا ثانیہ کے موقع پر قرأت خلف الامام کا حکم سنا ہو اور حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ صحیح اور مرفوع حدیث واذا قرأ فانصتوا اور مالی، نافع القرآن احمدیث سے وہ حکم منسوخ ہو گیا ہو۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ متاخر الاسلام ہیں اور سنیہ کو مسلمان ہوتے تھے۔ حدیث، حدیث کے مقابل میں آگئی اور نص قرآنی محفوظ رہ گئی۔

وَتَامَنًا۔ اگر محض احتمال کا نام ہی استدلال ہے تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت عبادہؓ نے بیعت عقبہ اولیٰ یا ثانیہ میں یہ حکم سنا ہو اور آیت واذا قرأ القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہو۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ تفسیر جلد ۲ ص ۲۵۴ میں اور نواب صدیقی حسن خاں صاحبؒ اپنی تفسیر فتح البیان جلد ۳ ص ۳۹۳ میں لکھتے ہیں کہ سورہ اعراف مدنی ہے۔ کیونکہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت یہود کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ یہود کا مرکز مدینہ طیبہ تھا نہ کہ مکہ مکرمہ، لہذا ثابت ہوا کہ یہ ساری سورت ہی مدنی ہے۔ ع
ہے یہ گنبد کی صمد جیسی کہروسی منو

نواں اعتراض

امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن کا شان نزول یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اقتدار کی حالت میں بلند آواز سے نماز میں تکلم کیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے:

۱۔ محمد بن دینار کہتے ہیں ہم سے ابو ہریرہؓ نے بیان کیا۔ وہ ابو عیاض سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں تکلم کیا کرتے تھے حتیٰ کہ واذا قرئ القرآن ... الآية نازل ہوئی۔

۲۔ مولیٰ بن اسماعیل حضرت ابو ہریرہؓ سے یہی مضمون نقل کرتے ہیں۔

۳۔ عبد اللہ بن عامر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ صحابہ بلند آواز سے نماز میں گفتگو اور تکلم کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۔ عاصم بن عمر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں تکلم کیا کرتے تھے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے ممانعت قرأت سے نہیں بلکہ تکلم اور رفع اصوات سے ہے اور تکلم فی الصلوٰۃ و رفع اصوات اور چیز ہے اور قرأت فی الصلوٰۃ الگ امر ہے۔ (کتاب القراءة ص ۷۷)

جواب۔ امام موصوفؒ کا یہ بسان باطل ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ صحیح اسانید سے پہلے یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول قرأت خلف الامام کا منفی پہلو ہے۔ عام تکلم اور رفع اصوات اس کا شان نزول نہیں ہے۔ وثانیاً۔ امام موصوفؒ نے جتنی روایتوں سے احتجاج کیا ہے۔ وہ سب ضعیف کمزور اور معطل ہیں۔ پہلی روایت میں ایک راوی محمد بن دینار ہے۔ امام ابن معینؒ، دارقطنیؒ اور نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ عقلی رد کا بیان ہے کہ اس کی حدیث میں وہم ہوتا ہے۔ ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ان کا حافظہ آخر میں متغیر ہو چکا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۵۵) دوسرا راوی اس کڑی کا ابو ہریرہؓ ہے۔ امام ابن معینؒ، نسائیؒ، ابوزرّہؒ، ترمذیؒ، احمدؒ، سعدیؒ، حربیؒ اور ابو حاتمؒ سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ اور ابو حاتمؒ اس کو منکر

الحديث كتمتہ ہیں۔ ابن عدنی کا بیان ہے کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔ علی بن الحسین بن ابی حمزہ
 کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔ (میزان جلد ۳۱، تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۶۵)

دوسری روایت میں مولیٰ بن اسماعیل ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔
 ابو حاتمؒ اس کو کثیر الخطا کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ کا بیان ہے کہ ان کی روایت میں کثرت سے خطا ہوتی
 ہے۔ یعقوب بن سفیانؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کو ان کی روایات سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ وہ
 منکر روایتیں بیان کرتے ہیں۔ ساجیؒ اس کو کثیر الخطا کہتے ہیں۔ دارقطنیؒ اور ابن سعدؒ اس کو کثیر الخطا
 اور کثیر الغلط کہتے ہیں۔ ابن قانعؒ اس کو کج خطی سے تعبیر کرتے ہیں۔ محمد بن نصرؒ مزیؒ اس کو سیئ الغلط
 اور کثیر الخطا کہتے ہیں۔ امام ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ وہ کثیر الخطا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۲۱،
 تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۸۰)

تیسری سند میں عبد اللہ بن عامر ہے۔ امام احمدؒ، ابو زرعہؒ، ابو عاصمؒ، نسائیؒ، ابو داؤدؒ، دارقطنیؒ
 محدث سعدی سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ امام ابن معینؒ ان کو لیس شیخی اور ابو احمد الحاکم رحم
 لیس بالقوی کہتے ہیں۔ ابن ماجہؒ اس کی ذیل تضعیف کرتے ہیں (ضعیف ضعیف) ابو حاتمؒ اس
 کو متروک کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ محدثین ان کے حافظہ کی شکایت کرتے ہیں۔ (میزان
 جلد ۲ ص ۵۱ و ۵۲، لسان جلد ۳ ص ۳۰۳، تہذیب جلد ۵ ص ۲۵۵)

چوتھی روایتیں عاصم بن عمرؒ ہے۔ امام احمدؒ، ابن معینؒ اور جوزقانیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں۔
 علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جس راوی سے متعلق امام بخاریؒ منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اس کی
 حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔ (میزان جلد ۵ ص ۵) اور اسی طرح طبقات شکی جلد ۱ ص ۱ اور
 تدریس الراوی ص ۲۳۵ میں ہے کہ امام بخاریؒ جس کو منکر الحدیث فرمائیں: لا یجوز الروایۃ عنہ۔
 ایسے راوی سے روایت بیان کرنا جائز اور حلال نہیں ہے۔

لطیفہ: فریق ثانی صحیح ابن خزیمہؒ کے حوالہ سے فوق الحدیث کی جو روایت پیش کیا کرتا ہے اس کی سند
 میں بھی یہی مولیٰ بن اسماعیل واقع ہے (دیکھئے اعلام المتقین جلد ۳ ص ۹ اور بدائع النوافذ جلد ۳ ص ۹) کیا
 بعید ہے کہ اصل روایت تحت السرہ ہو اور مولیٰ بن اسماعیل کی کثرت خطا کا نشانہ بن کر روایت فوق الحدیث
 ہو گئی ہو؟
 نہ تم حدیث ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے،
 نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یہ رسوا تیاں ہوتیں

امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث اور ترمذیؒ متروک کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۴، ترمذیؒ التنبیہ جلد ۵ ص ۵۱) یہ ہیں وہ روایات اور آثار جن پر امام بیہقیؒ نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں۔
خالی اللہ المشتکی۔

وڈ لٹا۔ امام بیہقیؒ کی یہ غلطی ہے کہ وہ تکلم فی الصلوٰۃ سے صرف عام انسانی نظم اور گفتگو مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ تکلم کا مفہوم عام ہے جس میں قرأت قرآن، تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر، نماز، خطبہ اور جملہ ادعیہ آجاتی ہیں۔ لہذا نہی عن التكلم فی الصلوٰۃ میں سورہ فاتحہ کی نہی بھی آجائے گی۔ کیونکہ عام کی نفی سے خاص کی نفی عین عقلی اور منطقی قاعدہ ہے۔ تکلم کا مادہ کلام اور کلمہ ہے۔ اور قرآن کریم میں متعدد مقامات اور مختلف مواضع میں کلام اللہ، کلمات ربی، اور کلمات ربک وغیرہ کا قرآن کریم اور اس کی آیتوں پر اطلاق ہوا ہے۔ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے وقت امام کے منبر پر تشریف لانے سے قبل جتنی نماز کوئی پڑھنا چاہے پڑھے۔ ثم ینصت اذا تکلم الامام (بخاری جلد ۱ ص ۱۷) پھر جب امام آجائے اور تکلم کرے تو اس وقت وہ نمازی خاموش ہو جائے۔ اس حدیث میں جمعہ کے خطبہ پر تکلم الامام کا اطلاق ہوا ہے خطبہ کیا ہے؟ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وانما الخطبة هي قراءة القرآن (الحديث مستطاب ص ۶۵) خطبہ تو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی قرأت ہے۔ حضرت ام ہشام رضی فرماتی ہیں کہ میں نے سورۃ ق والقرآن المجید جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُن کر یاد کی ہے۔ آپ اسے ہر جمعہ کے خطبہ میں پڑھا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۲۳ و مسلم جلد ۱ ص ۲۸۹) آخری تشہد میں درود شریف کے بعد کوئی متعین وعاشر بیت نے نہیں بتائی۔ لیکن ادعیہ ماثورہ میں رَبَّنَا اِنَّا... اَلَا يَهْدِي الصَّلٰوةَ... اَلَا يَهْدِي رَبَّنَا لَا تَمْنَحْ قُلُوبَنَا... اَلَا يَهْدِي رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا... اَلَا يَهْدِي وَغَيْرَ وغیرہ بھی ادعیہ ثابت ہیں اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آخری تشہد سے فارغ ہونے کے بعد شعر لیتخیر بعد من الکلام ما شاء (بخاری جلد ۲ ص ۹۲) جو کلام بھی دل چاہے نمازی انتخاب کر لے۔ ایک شخص نے رکوع کی حالت میں الحمد للہ حمداً كثيراً طیباً مبارکاً فیہ پڑھا تھا اور آپ نے فرمایا: من المتکلم (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۳) و مستند احمد جلد ۳ ص ۱۰۳ متکلم کون تھا؟ ایک شخص نے یہ دعا کی تھی: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَحَمَمَةً اَوْ لَا تَرْحَمْ

مَعَنَا أَحَدًا - ۱۔ امام نسائیؒ اس پر ایک باب قائم کرتے ہیں۔ باب الكلام في الصلوة (جلد ۱ ص ۱۱۰) امام بخاریؒ ایک باب میں عنوان قائم کرتے ہیں:

اذا قال والله انكلم اليوم فصلے اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں ظلم نہیں
اوقرأ أو سبّ أو كبر أو حمد او کروں گا تو اگر اس نے نماز پڑھی یا قرآن کی تلاوت
ہٹل فھو علی نیتہ۔ (بخاری ۲ ص ۹۸) کی یا سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا الحمد لله لا اله الا
اللہ پڑھا تو یہ اس کی نیت پر موقوف ہے۔

یعنی اگر وہ تکلم سے قرأت قرآن وغیرہ مراد لے اور اس کی نیت کرے تو تکلم کا
اطلاق اس پر صحیح ہے اور وہ حائث ہو جائے گا۔ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:

فلا يجوز من الكلام الا ما خضع جب امام خطیب پڑھ رہا ہو تو اس وقت کلام
صحیح نہیں ہے۔ مگر جس کو شرعی دلیل نے خاص کر دیا
دلیل كصلوة التحية۔
نبیل الاطراف جلد ۳ ص ۱۵۷ ہو جیسے صلوۃ تحیہ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب موصوف صلوۃ تحیہ پر کلام کا اطلاق صحیح
تسلیم کرتے ہیں۔ جب یہ امر بانیہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ نہی عن التكلم قرأت قرآن وغیرہ پر
مشتمل ہے تو امام بیہقیؒ کا یہ استدلال کہ نہی تو تکلم سے ہے۔ تلاوت اور قرأت
قرآن سے نہیں بالکل سبب بنیاد ہے اور جیسے ج کے ساتھ پڑھنے سے منازعت
اور مخالفت ہوتی ہے۔ اسی طرح آہستہ پڑھنے سے بھی ہوتی ہے۔ جس کی تحقیق
آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وربعاً۔ امام بیہقیؒ نہی عن التكلم في الصلوة ان ضعيف اور کمزور روایتوں سے
ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ عام تکلم في الصلوة کی نعت
لہ محدثین و مؤرخین ۵ اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ نہی عن التكلم في الصلوة مکہ مکرمہ میں
نازل ہوئی یا مدینہ طیبہ میں؟ حافظ ابن قیمؒ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۶۱ میں) حافظ ابن کثیرؒ

(البدایہ والنہیہ جلد ۳ ص ۹۲ میں) اور قاضی ابوالطیب الطبرانیؒ (المستوفی ص ۲۵۸) دیکھے
بذل المجود جلد ۲ ص ۹۵ اس کے مدعی ہیں کہ یہ مانعت مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی۔ اور ذیل
باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے۔

آیت قومو لله فانتین سے ہوئی ہے جیسا کہ بخاری جلد ۱۶ ص ۱۶۰ و مسلم جلد ۴ ص ۲۰۴ میں حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے اور اس کی پوری تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ آیت واذ اقرئی القرآن کا شان نزول ہی خاص قرأت خلف الامام کا مسئلہ ہے۔

دسواں اعتراض

حضرت امام بخاری ۲ فرماتے ہیں کہ آیت واذ اقرئی القرآن ۱۰۰ آیتہ میں استماع اور انصات کا حکم ہے اور استماع کا تحقق صرف ان نمازوں میں ہو سکتا ہے جن میں قرأت سنی جاسکتی ہو اور ستر میں نمازوں میں چونکہ قرأت سنی نہیں جاسکتی۔ اس لیے ان میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنی جائز ہوگی۔ لہذا آیت اپنے عموم پر باقی نہ رہی اور منکرین قرأت خلف الامام کا علی الاطلاق استدلال اس آیت سے صحیح نہ ہوا (۱) وکما قال جزمہ القدۃ ص ۱۹ اور یہی سوال امام بیہقی رحمہ نے کتاب القراءة ص ۶۶ میں اور فواب صاحب نے دلیل الطاسب ص ۲۸۰ میں اور مبارک پوری صاحب نے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۵۱ اور ابکار المنن ص ۱۳۸ میں کیا ہے۔

جواب۔ ان کا برکے سوال یا استدلال کے مرکزی نقطے اصولی طور پر صرف دو ہیں۔ ان کا تجزیہ یوں کیا جاسکتا ہے:

۱۔ استماع کا معنی سننا ہے۔

۲۔ ستر میں نمازوں میں آہستہ آہستہ امام کے پیچھے قرأت کرنا استماع اور انصات کے منافی نہیں ہے علی الترتیب دونوں شقوں کا جواب ملاحظہ کریں:

استماع کا معنی۔ استماع کا معنی سننا نہیں بلکہ کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے، قرأت سنی جاسکتی ہو یا نہ۔

(بقیہ صفحہ) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ صحیح روایت پیش کرتے ہیں جو صحاح ستہ میں موجود ہے کہ حبشہ سے لوٹنے کے بعد انھوں نے بحالت نماز آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کہا۔ مگر جواب نہ ملا۔ کیونکہ نہی عن المتکلم فی الصلوۃ نازل ہو چکی تھی۔ مگر حافظ ابن حجر ۷ لکھتے ہیں کہ یہ آیت چونکہ بال اتفاق مدنی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عام تکلم فی الصلوۃ کی نہی مدینہ ہی میں نازل ہوئی (فتح الباری جلد ۱۵ ص ۵۵) اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ بعض مہاجرین حبشہ مکہ مکرمہ بھی آپس آئے اور بعض مدینہ منورہ میں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ رجوع مدینہ طیبہ میں ہوا تھا۔

۱۔ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب بلسلہ مہاجد کسی قصبہ یا شہر پر حملہ کرنا چاہتے تھے تو

وكان يستمع الاذان فان سمع
پچھے توجہ کرتے۔ گرواں کی آواز سن لیتے تو حملہ سے باز رہتے۔ ورنہ ہلہ بول دیتے تھے۔

رسم ۱۹، ابو حوازہ جلد ۵ ص ۳۳۵، دارمی ص ۳۲۳، طحاوی ص ۲۷۱

قطبی پڑھنے والا طالب علم بھی بخوبی اس امر سے واقف ہو گا کہ تقسیم النبی الی نفسه والی غیرہ محال ہے۔ اگر استماع اور سماع کا ایک ہی معنی ہو تو اس حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ اذان سنتے تھے۔ سوا اگر آپ سن لیتے تو حملہ نہ کرتے والا حملہ کر دیتے تھے جب پہلے اذان سن لی ہوتی تھی تو پھر اگر اذان سن لیتے گا کیا مطلب؟ استماع کا معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے۔ مطلب واضح ہے کہ آپ پہلے کان دھرتے اور توجہ کرتے۔ توجہ کے بعد اگر اذان سن لیتے تو فیہا والا حملہ کر دیتے تھے۔ متوقف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ استماع سے مراد ارادۃ استماع ہے۔ ۱۰ ص ۳۸۱۔ ایک بے کار بہانہ ہے۔ اس لیے کہ مجازی معنی کے لیے قرینہ درکار ہے اور اس جگہ قرینہ مفقود ہے۔ فان سمع . الخ کے واضح الفاظ اس کا ابطال کرتے ہیں کیونکہ حرف فا سے سماع کا ترتیب امر باطنی یعنی ارادہ پر چسپاں نہیں ہوتا بخلاف کان دھرنے کے جو ظاہری امر ہے۔

۲۔ صراح ص ۳۱۱ میں لکھا ہے۔ استماع گوش داشتن۔ کان دھرنا اور توجہ کرنا۔

۳۔ حلفیہ کے امام ثعلب سے روایت ہے واذ قرئی القرآن . الا یہ کا یہ مطلب نقل کیا ہے کہ قل ثعلب معناه اذا قرء الامام فاستمعوا الی قرآنہ ولا تتکلموا (تاج العروس ج ۱ ص ۵۹۱) ثعلب لکھتے ہیں کہ استماع کا معنی یہ ہے کہ جب امام قرآن کرے تو اس کی قرأت کی طرف توجہ کرو، درود لو مت ۔ ۴۔ اور امام راغب فرماتے ہیں کہ والاستماع الاصغاء۔ استماع کا مطلب کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے۔ (مفردات ص ۲۴۲)

۵۔ اور نجات الصحاح میں ہے : واستمع له ای اصغی۔ کہ استمع لہ کا یہ معنی ہے کہ اس نے توجہ کی اور کان دھرے۔

۶۔ منجد اور قاموس میں ہے : استمع له والیہ اصغی۔ استمع لہ اور الیہ کا ایک ہی مطلب

ہے کہ اس نے توجہ کی اور کان دھرے۔ (عقد صفحہ ۳۱، قاموس جلد ۳ صفحہ ۱۲)

۷۔ امام فودیؒ لکھتے ہیں:

الاستماع الاصغاء۔ (شرح مسلم کہ استماع کا معنی توجہ کرنا اور کان دھرنا ہے۔

جلد ۱ صفحہ ۱۸۳)

۸۔ امام رازمیؒ لکھتے ہیں:

لان السماع غیر والاستماع غیر۔ سماع اور چیز ہے اور استماع اور ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۵۰)

۹۔ قاضی شوکانی صاحب قرأت خلف الامام کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

يدل على النهي عن القراءة عند مجرد الجهر من الامام وليس فيه ولا في غيره ما يشعر باعتبار السماع۔
یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کر رہا ہو تو مقتدی کو اس حالت میں قرأت کرنا منع ہے۔ یہ حدیث اور کئی دیگر حدیث

(نیل لاوطن جلد ۲ صفحہ ۱۱۳) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ مقتدی کو قرأت سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ قرأت سن رہا ہے۔

اس عبارت میں قاضی صاحب واشگاف الفاظ میں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ترک قرأت خلف الامام کی علت سماع نہیں ہے۔ موصوف جہر امام کو اس کی علت ٹھہراتے ہیں اور جہور اہل اسلام بڑے وسیع النظم ہیں۔ وہ صرف قرأت امام کو ترک القرات خلف الامام کی علت سمجھتے ہیں۔

۱۰۔ نواب صاحبؒ لکھتے ہیں:

ومعتبر استماع است نہ سماع پس یہ کہ بانتہاء وقوف واقف شد و نمی شنود یا اصم است یا صوت خطیب خفی است و سے بچو سماع است۔ (بدور الابلہ ص ۷۳)

ان تمام پیش کردہ اقتباسات سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ استماع اور سماع دو الگ الگ چیزیں ہیں اور استماع کا معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے۔ اس میں سننے کا معنی ملحوظ نہیں ہے۔ لہذا اس آیت کو صرف جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص کر دینا

باطل ہے بلکہ یہ آیت ستری اور جہری ہر قسم کی نمازوں کو شامل ہے اور سماع قرأت، ترک قرأت کی علت نہیں۔ جیسا کہ قاضی شوکانی صاحب کو بھی مسلم ہے۔

انصات کا معنی

انصات کا معنی ہے خاموشی بدون (صراح ۷۹) خاموشی جلد ۹۲ میں ہے۔

انصت، سکوت یعنی انصات کا معنی خاموشی ہونا ہے اور یہی معنی مغرب ۲ ص ۲۱۲ اور منجد ص ۸۸۳ وغیرہ کتب لغت میں آئے ہیں۔ امام نووی لکھتے ہیں: الانصات السکوت کہ انصات کا معنی سکوت کرنا اور خاموش رہنا ہے۔ (شرح مسلم جلد ۳ ص ۲۸۱) امام بیہقی لکھتے ہیں: اذ لا فرق بین السکوت والوانصات عند العرب (کتاب القراءات ص ۸) اہل عرب کے نزدیک سکوت اور انصات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور مختار الصحاح میں ہے کہ الانصات السکوت والا ستماع انصتہ وانصت لہ (ص ۵۸)۔ انصات کا معنی خاموشی رہنا اور کان دھرنا ہے لام کے ساتھ ہوا بدون لام دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

اور منجد میں ہے کہ انصت وانصت لہ سکت مستمعاً لحدیثہ (ص ۸۸۳) انصت اور انصت لہ کا معنی یہ ہے کہ اس کی بات کے لیے توجہ کرتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ اور تاج العروس میں ہے کہ

انصتہ وانصت لہ اذا سکت	انصتہ اور انصت لہ کا معنی ایک ہی ہے
لہ مثل نصحه ونصح لہ وانصتہ و	کہ اس کے لیے خاموش ہو گیا جیسے نصحہ اور
انصت لہ مثل نصحتہ ونصحت	نصح لہ کا ایک ہی مطلب ہے اور انصات کا
لہ والا نصات ہوا السکوت والا ستماع	معنی سکوت اور بات کی طرف توجہ کرنا ہے۔ کہا
للحدیث یقال انصتہ وانصت لہ۔	جاتا ہے انصتہ وانصت لہ۔

(جلد ۱ ص ۵۹۱)

امام ابو بکر الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

قد بینا دلالة الآية علی وجوب الانصات ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت وجوب انصات

عند قرأة الامام في حال جهل الامام
ولا خفاء وقال اهل اللغة لا نص
الامساك عن الكلام والسكوت (ومتن)
القرأة ولا يكون القاري منصتاً ولو ساكتاً
بحال وذلك لان لسكوت ضد الكلام وهو
تسكين الالة عن التحريك بالكلام۔
۔ (احكام القرآن جلد ۳ ص ۴۹)
پر دلالت کرتی ہے جب کہ امام قرأت کر رہا
ہو جو ہر سے قرأت کرے یا آہستہ اور اہل لغت
کہتے ہیں کہ انصاف کا معنی کلام سے ترک
جانا اور قرأت کی توجہ کے لیے خاموش رہنا
ہے اور پڑھنے والا کسی صورت میں منصت
اور ساکت نہیں ہو سکتا کیونکہ سکوت کلام کی
ضد ہے اور سکوت کا یہ معنی ہے کہ زبان کو
کلام کے لیے حرکت نہ دی جائے۔

سکوت کا معنی

امام اللغت والادب ابو عبد اللہ الحسین بن احمد المعروف بابن خاور (المتوفی ۳۸۵ھ)
لکھتے ہیں: نزل الرجل اذا انقطعت حجته عند المناظرة وسكت وامسكت مثله۔
(اعراب ثلاثين سورة من القرآن ۳)
یعنی مناظرہ کرتے وقت جب کوئی آدمی بالکل لاجواب ہو کر خاموشی اختیار کر لیتا ہے تو اس پر
نزل کا لفظ اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی اپنے کلام کو منقطع کر دیتا ہے۔ اسی طرح
جب کوئی اپنے کلام کو منقطع کر دیتا ہے تو اس پر سکت اور امسکت بولا جاتا ہے۔
منجد ص ۳۵۲ اور قاموس جلد ۱ ص ۹۲ میں لکھا ہے: اسکت انقطع كلامه فلم يتكلم کہ
سکوت کا معنی یہ ہے کلام بالکل ترک کر دیا اور کوئی بات نہ کی۔ مجمع البحار جلد ۲ ص ۲۵ میں
اس کی تصریح یوں کی ہے۔ جرى الوادي ثلاثاً ثم سكت اي انقطع يعني بين دن تک
سیلاب چلتا رہا پھر بالکل ٹوک گیا۔

امام راغب اصفہانی (المتوفی ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں: السكوت منقطع بترك
الكلام۔ (مفردات ص ۷۲) سکوت ترک کلام کے ساتھ مختص ہے۔

امام لازمی تحریر فرماتے ہیں:

لان السكوت عدمی معناه انه

سکوت عدمی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس

لم یقل شیئاً ولم یقل امداً ولم یقتصر فی قول ولا فعل ولا شک ان هذا المعنی عدمی محض۔
 نے کچھ بھی نہیں کہا نہ کوئی بات نقل کی ہے اور نہ کسی قول اور فعل میں تصرف کیا ہے اور اس کے عدمی محض ہونے میں کیا شک، اور شبہ

(مناہرت امام رازی ص ۳۵) ہو سکتا ہے؟

ان منقولہ حوالوں سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے کہ بغیر مکمل خاموشی کے انصات اور سکوت اور اسکات کا مفہوم کسی طرح بھی محقق نہیں ہو سکتا اور جو لوگ جہری یا ستری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرأت تجویز کرتے ہیں۔ وہ کسی طرح انصات پر عامل نہیں تصور کیے جا سکتے اور یہ بھی وضاحت کے ساتھ عرض کیا جا چکا ہے کہ استماع کا معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے، سننا اس کے مفہوم میں شامل نہیں ہے۔ اس لیے ستری اور جہری کا سوال اٹھانا محض بے جا اور دور از کار بحث ہے۔

آہستہ پڑھنا بھی انصات اور استماع کے سر اسر منافی ہے:

جو حضرات بحالت اقتداء امام کے پیچھے آہستہ قرأت تجویز کرتے ہیں اور اس کو انصات اور استماع کے منافی نہیں سمجھتے وہ غلطی پر ہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم پڑھتے تو آپ بھی آہستہ آہستہ ساتھ پڑھتے جاتے کہ مبادا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد میں مجبور نہ جاؤں اور کان یحدرک شفقتیہ آپ آہستہ آہستہ ہونٹ مبارک ہلاتے جاتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہ آیا کہ آپ قرأت قرآن کے وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دیں اور یہ حکم نازل ہوا۔ لا تحریک لہ لسانک کہ آپ اپنی زبان تک کو حرکت نہ دیں۔
 فاستمع له وانصت۔ (بخاری جلد ۱)
 ص ۳، مسلم جلد ۱ ص ۱۸۳، طحاوی ص ۳۳۳ اور مکمل خاموشی اختیار کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آہستہ پڑھنا، زبان کو حرکت دینا اور ہونٹ ہلانا استماع اور انصات کے بالکل منافی ہے۔ اسی لیے تو آپ کو تحریک لسان اور تحریک شفقتین سے بھی منع کیا گیا۔

حالانکہ آپ آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ بعض علمائے واذکور بک فی نفسہ ۱۰۰۰۰ الایۃ سے آہستہ قرأت کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ حاکم ابن کثیر علیہ الرحمہ ان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
 وهذا بصید مناف لا نصات المأمور، یہ معنی حق اور انصاف سے بعید اور انصاف
 بہ۔ (تفسیر ابن کثیر مع المعالم ج ۳ ص ۷۷ وغیرہ) مامور بہ کے قطعاً اور سراسر سرمنافی اور مخالف ہے۔
 جلد ۲ ص ۲۸۱

حضرات آفتاب نیم روز کی طرح یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مقتدی کے لیے سترمی اور جہری کسی بھی نماز میں قرأت کرنا استماع، انصات اور سکوت کے منافی ہے۔
 گیارہواں اعتراض: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے
 آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان
 جواسکات اور خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ اس وقت آپ کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا
 کہ میں یہ دُعا پڑھا کرتا ہوں۔ اللہم باعد بینی وبين خطایا می۔ (الحديث - بخاری جلد ۱ ص ۱۸۱)
 امام بیہقیؒ اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ آہستہ آہستہ پڑھنے
 پر اسکات کا اطلاق صحیح ہے لہذا جو شخص امام کے پیچھے آہستہ قرأت کرتا ہے تو وہ آیت استماع
 و انصات کی مخالفت نہیں کر رہا۔ (کتاب القرات ص ۵۵) یہی بات تمباک پوری صاحب
 وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ (دیکھیے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۵۱)
 جواب۔ یہ اعتراض یا استدلال بھی خردوش ہے۔

آؤ۔ اس لیے کہ ہمارا استدلال نص قرآنی سے ہے جس میں لفظ استماع اور انصات آیا
 ہے۔ اسکات اور سکوت کا لفظ صراحت کے ساتھ اس آیت میں مذکور نہیں ہے۔ استماع
 اور اسکات و سکوت کے درمیان فرق نمایاں ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ جو یہ فرمایا ہے کہ ان میں
 فرق نہیں ہے صحیح نہیں ہے اور اسی سے قاضی مقبول احمد صاحب کو مغالطہ ہوا ہے۔ (دیکھیے
 الاعتصام) اس میں اہل علم کے لیے اشکال کی کوئی وجہ نہیں اور انصات اور سکوت میں جو فرق
 ہے وہ مبارکپوری صاحب کو بھی مسلم ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ انصات اور سکوت کا معنی
 ایک نہیں ہیں بلکہ انصات کا معنی سکوت مع الاستماع ہیں۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۵۱ و

تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۵) لہذا حدیث انسگاہ سے استماع اور انصاف کی تفسیر کرنا اور اس پر استدلال کی بنیاد رکھنا باطل ہے۔

دو ثانیاً۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت زبید بن ارقم کی آمدنا بالسکوت کی روایت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں نمازیں مطلقاً سکوت کا حکم دیا گیا کہ نہ تو تم ٹٹا رو آئیں پڑھو اور نہ تم سبغ، تحمید، تشہد اور درود وغیرہ پڑھو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ حکم سابق سے سکوت کا حکم دیا گیا کہ سلام و کلام وغیرہ سے سکوت اختیار کرو تو اس وقت میں سکوت عن الکلام المتقدم مراد ہے۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۴۰ محصلہ) گویا جن چیز سے سکوت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے حقیقتاً سکوت ہی مراد ہے۔ اس بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۷۲ھ) حدیث انسگاہ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں اسکات عن التکبیر مراد ہے یعنی تکبیر تحریمہ سے اسکات اور سکوت کرنا (فصل الخطاب) خلاصہ یہ ہوا کہ اسکات کا معنی آجستہ پڑھنا نہیں جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ کو دھوکا ہوا ہے بلکہ اسکات کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔ وہ یہ کہ جس چیز سے خاموش رہنے کا حکم تھا اس کو حقیقتاً ترک کر دینا اور اس سے خاموش ہونا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو یہ ایک مجازی معنی ہے اور آیت زیر بحث میں جمہور سلف و خلف نص صحیح احادیث اور لغت کی روشنی میں حقیقی معنی مراد لیتے ہیں۔ لہذا مجازی معنی کو حقیقی معنی کے ترک کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ امام ابو بکر الرازی اسی حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: انما سَتْنَاهُ سَاكْتَ هَذَا لَنْ مَن لَوْ يَمَعَهُ يَظْلَهُ سَاكْتَ ۱ھ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۳۹) یعنی اس کو ہم نے مجازی طور پر ساکت کہا ہے کیونکہ جو شخص اس کی قرأت کو نہیں سن رہا وہ اس کو ساکت ہی خیال کرتا ہے۔ مجازی معنی خود قرینہ کا محتاج ہوتا ہے اور فریق ثانی اس سے حقیقت کو ترک کرنے پر تکل ہوا ہے۔

بارھواں اعتراض۔ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ صاحب مجمع البحار نے (جلد ۱) حدیث قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما امرہ وسکت فیما امرہ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ قرآن کے معنی جہر کے ہیں اور سکت کے معنی آستر کے ہیں یعنی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہر سے بھی قرأت کی اور آہستہ بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معنی جہر بھی آتے ہیں۔ اس

معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیت واذا قرئ القرآن کا مطلب یہ ہوگا کہ جب قرآن جہر سے پڑھا جائے تو تم خاموش رہو۔ لہذا یہ آیت صرف جہری نمازوں کو شامل ہوگی۔ نہ کہ ستری نمازوں کو۔ (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۵۵ مصلحہ)

جواب۔ مبارک پوری صاحب کا یہ بیان بھی قابلِ اتفاق نہیں ہے۔
اولاً۔ اس لیے کہ آیت کا شان نزول صحیح روایات سے ترکِ قرأت ثابت ہو چکا ہے۔ اس میں قیاس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ثانیاً۔ اہل عرب کے نزدیک قرأ اور جہر میں نمایاں فرق ہے اور حقیقت کو بلا کسی قوی اور صارف قرینہ کے ترک کرنا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

ثالثاً۔ اگر اس حدیث کا معنی ہی بیان کرنا مقصود ہے تو اس کی صحیح صورتیں بھی عرض کی جاسکتی ہیں۔ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امامت کی حالت میں قرأت کرتے تھے۔ (قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما أمراً) اور اقتداء کی حالت میں آپ نے سکوت اور خاموشی اختیار کی (وسکت فیما أمراً) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطلب یہ لیا جائے کہ آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرأت کی اور کوئی نہ کوئی سورت یا قرآن کا کچھ حصہ پڑھا (قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما أمراً) اور پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی سورت نہ پڑھی۔ اور حقیقتاً سکوت اختیار کیا (وسکت فیما أمراً) اور صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۰۶ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں

لے بیعت اللہ کے پاس دو مرتبہ آپ نے حضرت جبرائیلؑ کی اقتدار میں نماز پڑھی ہے۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۵۵ ترمذی جلد ۱ ص ۲۷ مسند بن مسعود جلد ۱ ص ۳۷۳) حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتدار میں ہے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۳۷۳) ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۱ اہل قبا کے درمیان مصالحت کرنے کے بعد واپسی پر آپ نے عصر کی نماز میں حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار میں ہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۶) اور نزل جبرائیلؑ فامنی۔ (الحدیث بخاری جلد ۱ ص ۲۷۱) مسند امام مالک ص ۱۰۶ وغیرہ میں موجود ہے۔ جس سے حضرت جبرائیلؑ کی اقتدار میں آپ کا نماز پڑھنا ثابت ہے اور آخری نماز میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار میں جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ آپ کی نفس اقتدار کے ثبوت کے لیے یہ دلائل کافی ہیں۔

کیا جا چکا ہے۔ اگر واقعی استماع کا معنی سننا ہوتا تو حافظ ابن ہمام پر اعتراض کی گنجائش تھی۔ اور دوسری شق اس لیے مخدوش ہے کہ حافظ ابن ہمام کی تفسیر بعینہ قرآن کریم، صحیح احادیث لغت اور جمہور مفسرین کی تفسیر ہے۔ لہذا اس کو تفسیر بالرائے سے تعبیر کرنا ان دلائل سے غفلت اور بے خبری پر مبنی ہے۔ اور بلا تحقیق یہ الزام لگانا کھلی جھارت ہے۔ اور

تیسری شق اس لیے باطل ہے کہ اگر مبارکپوری صاحبؒ اس دعوے میں مبتلا ہیں کہ استماع کا مطلب سماع ہے (اور یہی تو وہ سماع قرأت کی آڑ لیتے ہیں) تو اس کی پوری تفصیل پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ سماع اور استماع میں فرق ہے۔ اور اگر وہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ انصات کا سماع کے بغیر تحقق نہیں ہو سکتا تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ انصات کے مفہوم میں من وجہ استماع اور توجہ تو شامل ہے لیکن اس میں سماع پر گز شامل نہیں ہے۔ ایک حدیث بایں الفاظ آتی ہے۔

وان لدی وجلس حیث لا یسمع فانصت
اگر کوئی شخص جمعہ کے خطبہ کے وقت امام سے
دور بیٹھ گیا جہاں سے امام کی آواز نہ سن سکتا اور
فاموش رہا تو اس کو ایک درجہ ثواب حاصل ہوگا۔
(ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۵۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انصات کے لیے سماع شرط نہیں ہے۔ انصات وہاں بھی ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے جہاں خطبہ وغیرہ کچھ بھی نہ سنا جاسکتا ہو۔ اگر انصات کے تحقق کے لیے سماع شرط ہوتا تو بغیر سماع کے انصات نہ پایا جاسکتا۔ اور یہ بھی مت بھولے کہ انصات میں گو فی الجملہ استماع ملحوظ ہے لیکن من کل الوجہ استماع بھی اس میں ضروری نہیں ہے۔ انصات کا معنی فاموش ہونا ہے اور یہ معنی بغیر استماع اور توجہ کے بھی متحقق ہو سکتا ہے اور استماع کے ساتھ بھی متحقق ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

فانصات هو السکوت وهو یحصل
انصات کا معنی سکوت کرنا اور فاموش رہنا
ممن یتعم وممن لا یتستم کان
جہ اور انصات ایسے شخص سے بھی ہو سکتا ہے جو
یکون مفکرا فی امر آخر۔
استماع اور توجہ کرے اور انصات اس شخص سے بھی
ہو سکتا ہے جو استماع اور توجہ نہیں کرتا، بلکہ کسی اور
فتح الباری جلد ۵۔ بحوالہ فتح الملہم ص ۲
امر کی فکر میں ڈوب کر فاموش ہے۔

بہر حال مبارکپوری صاحب کی پیش کردہ تینوں شقیں باطل ہیں اور اس کے مصداق ہیں کہ..... ع: میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل یا

مؤلف خیر الکلام نے (اور انھیں کی بیرونی میں قاضی مقبول احمد صاحب نے ملاحظہ ہو الاغتصام ۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء) اس سلسلہ میں جو مخلص تلاش کیا ہے وہ بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ انھوں نے ص ۳۶۰ سے ص ۳۹۹ تک کئی صفحات اس پر سیاہ کر ڈالے ہیں مگر بعض باتوں کو شہید وہ خود بھی نہ سمجھے ہوں کہ میں کیا کہ رہا ہوں صرف کچھ کہنے اور لکھنے کا نام جواب نہیں ہوتا۔ ذیل کے امور کو ملحوظ رکھیں۔

۱۔ ہم نے کتب لغت سے باحوالہ یہ ثابت کیا ہے کہ انصات کے معنی بالکل خاموشی اور استماع کے معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے، مؤلف مذکور کا یہ فریضہ تھا کہ وہ باحوالہ کتب لغت یہ ثابت کرتے کہ انصات مطلق خاموشی نہیں بلکہ اس میں کلام کرنا درست ہے اور استماع کا معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا نہیں بلکہ اس کا معنی سُننا اور آہستہ آہستہ بولنا ہے لیکن جب وہ اس سے بالکل لاجواب رہے تو یہ کہہ کر جان چڑالی ہے کہ پھر ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سکوت اور انصات لغت کے لحاظ سے آہستہ پڑھنے کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بلکہ ہمارے لیے اس قدر کافی ہے کہ ہم ثابت کر دیں کہ قرآن مجید کی آیت زیر بحث میں جو استماع اور انصات آیا اس سے بالکل خاموشی مراد نہیں۔ ۱۰۰ (ص ۳۷۱) مگر یقین جانیے کہ اس سے بالکل خاموشی مراد ہے۔ حضرات ائمہ لغت اور جو مفسرین کی روشن عبارتیں اس کا بین ثبوت ہے۔ جن کے حوالے گذر چکے ہیں چونکہ لغت سے ہی ایک ایسا فن ہے جو بلا کسی فریق کے لحاظ کے صحیح بات بتاتا ہے۔ اس لیے مؤلف خیر الکلام لغت سے اپنی تائید پیش کر لے سے بالکل قاصر رہے ہیں۔

۲۔ جن روایات سے انھوں نے استدلال کیا ہے کہ سکوت قرآن کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے ان میں ایک معایت بخاری کی اور ایک مستدرک وغیرہ کی ہے کہ اسکا تک ما بین التکبیر والقرآن ما تقول۔ النغم ویسکت بعد القراءة هنية یسأل الله من فضله۔ تو ہم نے احسن الکلام میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ نص قرآنی میں انصات و استماع

کلفظ ہے الباقی قرار مبارک پوری صاحب انصاف اور سکوت میں فرق ہے اس لیے یہ جملہ حوالے ہمارے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ہمارا استدلال تو انصاف و استماع کے لفظ سے ہے اور اور انصاف و سکوت میں فرق ہے۔

۳۔ فتح الباری جلد ۱ ص ۳۴۰ کے حوالہ سے ابن جریرؒ سے جو روایت نقل کی گئی ہے کہ لوگ مؤذن کی اذان کے لیے خاموش رہتے تھے بایں ہمہ وہ اذان کے کلمات دہراتے تھے جس سے مؤلف خیر الکلام نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ انصاف میں تکلم درست ہے۔ (مختلہ خیر الکلام ص ۳۷۶) تو یہ اثر بالکل ضعیف ہے کیونکہ اس میں حدیث ہے اور یہ معلوم نہیں کہ بیان کرنے والا کون ہے؟ اور ہے بھی موقوف اس میں مرفوع روایات کے مقابلہ میں کیا حجت ہے؟ علاوہ ازیں اذان پر قیاس باطل ہے کیونکہ اذان میں ہر کلمہ کے بعد وقف ہوتا ہے جس میں اجابت مؤذن ہو سکتی ہے۔ بخلاف امام کے پیچھے قرأت کے کہ سکات کا تو صحیح احادیث سے ثبوت نہیں اور مقتدی کو بڑھا منع ہے۔

۴۔ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۴۳ سے جو روایت نقل کی ہے کہ من صام رمضان فی انصاف و سکون.... الخ اس کی سند درکار ہے کہ آیا صحیح بھی ہے یا نہیں؟ ضعیف قسم کی روایتوں قرآن و احادیث صحاح اور اجماع امت اور لغت کو کس طرح رد کیا جاسکتا ہے؟ علامہ پیشہ فرماتے ہیں کہ اس کی سندیں الولید بن الولید ہے۔ امام ابو حاتمؒ اس کی توثیق کرتے ہیں۔ وضعفہ جماعة اور دیگر حضرات محدثین کرامؒ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۴۳) علاوہ ازیں اس سے جھوٹ، گالی گلوچ اور غیبت وغیرہ سے صحیح معنی میں انصاف مراد ہے جیسا کہ مقتدی کے لیے انصاف عن القراءۃ مراد ہے۔ کیونکہ باقی باتوں کا تو نادر میں احتمال ہے ہی نہیں اور جن حضرات سے اس کے علاوہ کچھ اور منقول ہے تو وہ لاعلمی پر مبنی ہے۔

۵۔ جو آیات مؤلف خیر الکلام ص ۳۶۶ پر پیش کی ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت کچھ کلمات کہہ سکتے ہیں تو انہوں نے یقولون اور قالوا کے الفاظ پر غور نہیں کیا کیونکہ یہ زبان کے ساتھ پڑھنے پر نص نہیں ہیں دل میں کہنے پر بھی قال اور یقول کا اطلاق صحیح ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خاص موقع پر اپنے بھائیوں سے کہا: قَالَ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ...
 الآیہ۔ حافظ ابن کثیرؒ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ قَالَ هَذَا فِيْ نَفْسِهِ (ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۶) یہ
 قول انھوں نے دل میں کہا تھا، مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ نزاع قرآن اور یقرآن کے الفاظ
 میں ہے قال اور یقول میں نہیں ہے اور نہ ان کی پیش کردہ آیات سے انصاف اور استماع
 کے وقت قرأت ثابت ہوتی ہے۔

۶۔ مؤلف خیر الکلام نے جو قرآن پیش کیے ہیں کہ انصاف و سکوت وغیرہ کے ساتھ قرأت ہو
 سکتی ہے تو اگر انکی صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی مجانبہ ہے اور انصاف و استماع کا جو معنی ہم نے کیا
 ہے وہ حقیقت ہے جو صحیح احادیث کے علاوہ اجماع اُمت اور لغت سے قوی طور پر مؤید ہے
 اس لیے اس کو ترک کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی سننے کے لیے تیار ہے چنچ
 خود مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کیونکہ ہم کو اس امر کی ضرورت ہے کہ معلوم کریں کہ آیت میں
 استماع اور انصاف کا کیا درجہ ہے خواہ وہ اطلاق حقیقی ہو یا مجازی۔ جب یہ ثابت ہو جائے تو
 مدعی حاصل ہو جاتا ہے باقی بحث زائد ہے (ص ۳۷۱) آپ پر کیا مصیبت وارد ہوئی ہے کہ آپ
 اطلاق مجازی کے پیچھے کمر بستہ ہو کر نصوص صحیحہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جو کچھ ائمہ لغت اور
 جہور امت نے کہا ہے اسے تسلیم کر لیں۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن حضرات سے انصاف و
 استماع اور سکوت وغیرہ کے حوالے مؤلف خیر الکلام نے نقل کیے ہیں چہ کہ وہ اس مسئلہ میں فریق کی
 حیثیت رکھتے ہیں جن کی تفسیر میں ان کا اپنا ذہن بھی کار فرما ہے اور ان کی تفسیر خود محل نزاع ہے
 اس لیے صحیح احادیث اور کتب لغت ہی سے ان کے معانی حل ہو سکتے ہیں۔ مؤلف خیر الکلام ص
 ۳۸۶ میں لکھتے ہیں کہ پس ضروری ہے کہ جو آیت میں بالکل خاموشی کا معنی لیتا ہے وہ دو باتیں
 ثابت کرے۔ ایک یہ کہ انصاف لغت میں بالکل خاموشی کے معنی میں آتا ہے۔ دوم یہ کہ
 اس کے خلاف جو قرآن پیش کیے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں... ۱۱

بجہاں اللہ تعالیٰ ہم کتب لغت سے ثابت کر چکے ہیں کہ انصاف کے معنی لغت میں بالکل خاموشی
 کے آتے ہیں اور جو قرآن اس کے خلاف پیش کیے گئے ہیں وہ سب مجازی ہیں۔ اس لیے حقیقت
 کو ترک کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور نہ شاذ اور خلاف اجماع قول کو لے کر جہور کا مسلک رد

کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۳۷۰ میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر انصت بدون لام کے ذکر ہو تو سکوت کے معنی میں ہے اور جب اس کے ساتھ لام ہو تو اس میں استماع بھی ہے۔ اور قاموس جلد ۱ ص ۱۵۹ کا حوالہ انصتۃ ولہ سکت لہ واستمع لحدیث نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ چونکہ اس کا عطف فاستمعوالہ پر ہے لہذا یہاں بھی لام ہے یا مقدر مانی جائیگی۔ (معتقد) تو یہ محض لفظوں کا کرب ہے محض لفظوں کی شعبہ بازی سے کیا بنتا ہے۔ قاموس میں انصتۃ ولہ لام کے ساتھ ساتھ ہوا بدون لام کے دونوں کے معنی سکت کیا ہے اور قرآن کریم میں انصات اور استماع دو الگ الگ حکم ہیں۔ ایک کی لام دوسرے کو دے کر کام نکالنا اور اس طرح کی خانہ پری سے کچھ نہیں بنتا۔

۸۔ ہم نے قاموس کا حوالہ دیا ہے۔ اس پر مؤلف خیر الکلام ص ۳۹۳ میں لکھتے ہیں کہ قاموس میں اس سے آگے لکھا ہے کہ وَجَلَّ سَكْتُ قَلِيلُ الْكَلَامِ فَادَّخَلَ احسن (قاموس جلد ۱ ص ۹۳) یہ آدمی سکت ہے یعنی کم باتیں کرتا ہے جب کلام کرتا ہے تو اچھا کلام کرتا ہے۔۔۔۔۔ ۱۷ گلوں حوالہ سے مؤلف کو کیا فائدہ؟ وجل سکت کا معنی تو یہ ہے کہ خاموشی طبع کم گو ہے مگر جب کلام کرتا ہے تو اچھا کلام کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ خاموشی اور انصات کے وقت کلام کرتا ہے جو مؤلف مذکور کا مدعی ہے۔ انصات اور خاموشی اپنے وقت پر ہے اور کلام اپنے وقت پر ہے۔ دونوں کا وقت ایک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو کچھ عطف فرمائے ان کو ثابت تو یہ کرنا ہے کہ انصات کے وقت کلام ہو رہا ہے۔ اور اس حوالہ میں اس کا ذکر کوئی نہیں۔ خاموشی اپنے وقت پر ہے اور کلام اپنے وقت پر ہے۔ اور اس بات کو ایک عام آدمی بھی بخوبی سمجھتا اور سمجھ سکتا ہے۔ مگر یہ، اک دل ہے جو ہر لحظہ الجھتا ہے خود سے

چودھواں اعتراض

حضرت امام بخاری رحمہ، امام ترمذی رحمہ، امام بیہقی رحمہ، مولانا شمس الحق رحمہ، مولانا ابو عبد الرحمن رحمہ

۱۔ جزء القراءة ص ۵۸

۲۔ کتاب القراءة ص ۲۹ و ۱۷

۳۔ التعلیق المتعنی ص ۱۳۵

۴۔ ترمذی جلد ۱ ص ۳۲

محمد عبد اللہ، مولانا عبد الصمد اور مبارک پوری صاحب وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ آیت استماع اور انصات کا مطلب یہی ہے کہ مقتدی کو بجالتِ قرأتِ امام توجہ کرے ہوئے خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور جب امام قرأت کر رہا ہو تو اس وقت مقتدی کو کچھ بھی نہیں پڑھنا چاہیے اور مکمل خاموشی اختیار کرنی چاہیے لیکن مقتدی کو سکنا تِ امام میں قرأت کرنی چاہیے اور سکنا تِ میں قرأت کرنا آیت مذکورہ کے منافی نہیں ہے اور سکنا تِ کا ثبوت یہ ہے۔

۱۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ امام جس وقت سکتہ کرے تو اس وقت مقتدی کو قرأت کرنی چاہیے کیونکہ جس شخص نے قرأت نہ کی۔ اس کی نماز میں خلل اور نقصان واقع ہوگا۔ (کنز العمال جلد ۴ ص ۹۶)

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کے ساتھ فرض نماز میں شریک ہو۔ اس کو امام کے سکنا تِ میں سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ (کتاب القراءۃ ص ۵۴، مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۸)

۳۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انصات اور سکتہ کرتے تھے تو اس وقت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے پیچھے قرأت کر لیا کرتے تھے۔ (کتاب القراءۃ ص ۹۶، ۹۷)

۴۔ ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اسے فرزند جب امام سکتہ کرے تو تم اس وقت قرأت کر لیا کرو۔ اور جب امام قرأت کرے تو اس وقت تم خاموش ہو جاؤ۔ کیونکہ فرض نماز ہو یا نفل۔ اگر اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز ادا نہیں ہوتی۔ (جزء القراءۃ ص ۵۸، کتاب القراءۃ ص ۸۷)

۵۔ حضرت ابو سلمہؓ یا حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ امام کے لیے دو سکتے ہوتے ہیں۔ ان کو سورۃ فاتحہ کی قرأت کے لیے غنیمت سمجھو۔ (جزء القراءۃ ص ۵۸، کتاب القراءۃ ص ۷۷)

۴۔ حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کو کوئی نماز پڑھانا اور امامت کا فریضہ بجالاتا تو نمازیں ضرور سکتہ کیا کرتا تھا تاکہ مقدمی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔
(جزء القراءة ص ۵۷)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سکنات امام کا وجود اور ثبوت بھی ہے۔ لہذا اس صورت میں قرآن کریم اور حدیث دونوں پر عمل ہو جائے گا۔

جواب۔ ان حضرات کا یہ استدلال نہایت ضعیف اور کمزور ہے۔ کیونکہ یہ اکثر و بیشتر روایات حضرات صحابہ و تابعین پر موقوف ہیں اور پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ فریق ثانی کے نزدیک در موقوفات صحابہ حجت نیست۔ جب حضرات صحابہ کرام کا یہ حال رہا تو تابعین اور اتباع تابعین وغیرہم کی کیا پوزیشن باقی رہ جاتی ہے۔ اور یہ جتنے آثار و روایات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ ترتیب وار جوابات ملاحظہ کریں:

اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اولاً۔ یہ اثر موقوف ہونے کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نہیں۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نام لینا راویوں میں سے کسی کی غفلت اور غلطی کا نتیجہ ہے۔ (دیکھیے کتاب القراءة ص ۱۲۵)

وثانیاً۔ اس میں سورۃ فاتحہ کی تصریح موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ اثر مجمل ہے۔

وثالثاً۔ اس کی سند میں ثنی بن صباح راوی کمزور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے

راوی میں فتور آگیا تھا۔ (ضعفاء ص ۱۲۰) امام نسائی رحمہ اللہ اس کو متروک کہتے ہیں۔ (ضعفاء ص ۱۲۰)

نسائی ص ۵۳) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (تقریب ص ۱۲۴) امام بخاریؒ القطن

اور ابن حزمیؒ اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ محض

ہیچ ہے۔ ابن معینؒ اس کو لیس بذالک اور ابن عدیؒ ضعیف کہتے ہیں (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۷۷)

ص ۷۷)۔ امام ترمذی رحمہ اللہ، ابن سعد رحمہ اللہ، علی بن الجعد رحمہ اللہ، دارقطنی رحمہ اللہ، ابن جابر، ساجی رحمہ اللہ

ابو احمد الحاکم رحمہ اللہ، سحنون رحمہ اللہ اور امام عقیلی رحمہ اللہ وغیرہ سب اس کی تضعیف کرتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۷)

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس روایت کی سند میں محمد بن عبداللہ بن

غیر موجود ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا (ضعفہ ص ۲۸) امام مسلم کہتے ہیں کہ امام یحییٰ القطانؒ اس کی تضعیف کرتے تھے (مسلم جلد ۱ ص ۲۰) امام نسائیؒ اس کو متروک کہتے ہیں۔ (ضعفہ صغیر ص ۲۵) امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔ (کتاب القراءۃ ص ۵۴) امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ (واقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱) امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں (ترمذی جلد ۲ ص ۱) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۷۷ و لسان المیزان جلد ۵ ص ۷۱۶) علاوہ انہیں اس روایت میں صلوٰۃ مکتوبہ کی قید ہے۔ حالانکہ فریق ثانی کے نزدیک صلوٰۃ تراویح صلوٰۃ عید اور صلوٰۃ وتر وغیرہ میں بھی امام کے پیچھے قرأت فاتحہ ضروری ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف اثر بھی مروی ہے۔ کہ سکتہ امام میں قرأت فاتحہ کے بغیر ناکمل نہیں ہو سکتی (کتاب القراءۃ ص ۶۶) لیکن اس کی سند میں اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ نہایت ضعیف اور کمزور راوی موجود ہے۔ جس کی پوری بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز

روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ..... الخ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے روایتی سلسلہ میں محدثین کا کلام معروف و مشہور ہے۔ امام یحییٰ القطانؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ہمارے نزدیک ضعیف اور کمزور ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۴۳، ۱ ص ۸۲) امام ابو داؤد و ہر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وہ آدمی حجت بھی نہیں۔ امام ابو زرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدثین اس لیے ان پر کڑی جرح کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے باپ سے چند روایتیں سنیں ہیں اور وہ باپ دادا کی تمام غیر مسموع روایات کو بلا تشاہید بیان کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۷۸۹) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے کچھ بھی نہیں سنا۔ وہ کتاب سے نقل کر کے محض تدلیس سے کام لیتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۱۱) امام طحاویؒ بھی ان کی سند کو منقطع سمجھتے ہوئے اس کو ضعیف کہتے ہیں (طحاوی جلد ۱ ص ۴۵)

۳۔ حضرات محدثین کو رحمہم کا یہ ضابطہ ہے۔ اگر استاد اپنی کتاب اور بیاض سے روایت کرنے کی شگرد کو اجازت نہ دے۔ تو وہ اس کتاب اور بیاض سے روایات بیان کرنے کا جواز نہیں اور اس کی ایسی روایتیں قابل حجت نہیں ہو سکتیں۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۰۰)

امام جاکر کہتے ہیں کہ ان کی روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف سمجھی جاتی ہے۔
 (مسند رک جلد ۱ ص ۱۹۷) محدث ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عمر بن شعیب کتاب سے روایت
 نقل کرتے ہیں جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اما حدیث عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ
 فصیفة لا تصح۔ (محلّی ابن حزم جلد ۱ ص ۲۲۲)

امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ عمر بن شعیب جب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت
 نقل کرے تو وہ کتاب سے (جو انھوں نے پائی تھی) نقل کرتا ہے فہو ضعیف لہذا وہ ضعیف
 ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہ ثقہ ہے مگر عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرسل ہے
 ابن جہان فرماتے ہیں کہ جب وہ طاؤس اور سعید بن المسیب وغیرہ ثقات سے روایت
 نقل کرے تو حجت ہے۔ اور جب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کرے تو اگر
 جدہ سے عبد اللہ مراد ہیں تو حدیث منقطع ہوگی اور اگر محمد مراد ہوں تو مرسل ہوگی (تہذیب
 التہذیب جلد ۸ ص ۵۴) اور محدث ساجی فرماتے ہیں کہ

قل بن معین ہو ثقہ فی نفسہ و امام ابن معین نے فرمایا کہ وہ فی نفسہ ثقہ ہے
 ماروی عن ابیہ عن جدہ لا حجة فیہ ولیس بہ متصل و هو ضعیف الخ
 لیکن جب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کرے تو حجت نہیں اور اس کی سند متصل نہیں بلکہ ضعیف ہے۔
 (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۸)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا:

یقول لہ: شباء منا کیوانما یکتب حدیثہ یعتبر بہ فاما ان یکون حجة فلا
 بھی ہیں اس کی حدیث اعتبار کے لیے تو لکھی جاسکتی ہے لیکن حجت کسی صورت میں نہیں سکتی۔
 (ایضاً ص ۴۹)

اور امام ائرم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں اس کی حدیثیں لکھ لیتا ہوں کبھی
 تو اس سے احتجاج کر لیتا ہوں۔

وربما وجس فی قلب منہ شئی (ایضاً)

اور کبھی اس سے دل میں کھٹکا گذرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تولف خمیر الکلام نے (۱۹۳، ۱۹۴) میں بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۶۹

امام احمد اور امام علی بن المدینی کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ عمرو بن شعیب کی روایت کو قابل اعتناء سمجھتے ہیں صحیح نہیں ہے اور علامہ ذہبی نے عمرو بن شعیب کی روایت کو جو حسن کہا ہے تو اس سے اس کی دوسرے طرق سے روایت مراد ہے نہ کہ عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے کیونکہ اس پر امام الجرح والتعديل امام یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین وغیرہ کی مفصل جرح موجود ہے۔

امام ابن حبان اپنا فیصلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فی روایت عن ابیہ عن جدہ مذاکیر کثیرہ لا يجوز عندی الاحتجاج بشیء منها۔ (اسعاف البیاض ج ۱ الموطأ ص ۲) عمرو بن شعیب کی عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے میرے نزدیک کوئی روایت قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ ان میں کثرت سے نکارت ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: بعض محدثین ان کی مطلقاً تضعیف کرتے ہیں اور جہور ان کی توثیق کرتے ہیں اور بعض دیگر ان کی بعض روایتوں کو ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں اور اپنا فیصلہ یوں ارقام فرماتے ہیں:

ومن ضعفه مطلقاً فهو موقوف علی ردایته
عن ابیہ عن جدہ (تہذیب التہذیب ص ۸)
جو حضرات ان کی مطلقاً تضعیف کرتے ہیں۔
سوان کی یہ تضعیف صرف عن ابیہ عن جدہ
کے طریق پر موقوف ہوگی۔

علامہ سید سلیمان ندوی (المتوفی ۱۳۷۵ھ) لکھتے ہیں کہ اور یہ بیچارے اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ ان کو کتاب مل گئی تھی جس سے حدیثیں نقل کرتے وقت وہ تالیس سے کام لیتے تھے۔ (خطبات مدراس ص ۵۳) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے ایک اور روایت بھی مروی ہے کہ جس نے سکنات امام میں سورۃ فاتحہ کی قرأت نہ کی تو اس کی نماز کا مل ادا نہ ہوگی۔ (کتاب القراءۃ ص ۵۵-۵۴)

لیکن اس کی سند میں علاوہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر واقع ہے جس کا حال ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں۔

ہشام بن عروہ رح کی روایت: ان کی روایت موقوف ہونے کے علاوہ ضعیف بھی

ہے اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود ایک راوی ہے۔ امام احمد اس میں کلام کرتے ہیں۔ ترمذی ان کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ اس سے احتجاج درست نہیں۔ بغدادی اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۶۸۱) ابوحاتم رحمتے ہیں کہ مؤمل بن اسماعیل اور ابو حذیفہ (موسیٰ) دونوں کی کتابوں میں بہت غلطیاں ہیں۔ عمر بن علی الفلاس کہتے ہیں کہ کوئی صاحب بصیرت محدث اس سے احتجاج نہیں کر سکتا۔ ابوحاتم حاکم کا بیان ہے کہ وہ قوی نہ تھا۔ ابن قانع کہتے ہیں کہ اس میں ضعف ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ وہ کثیر الوهم اور سعی المحفظ تھا۔ ساجی اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ دارقطنی اس کو کثیر الوهم بتاتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۱۷۷)

علاوہ ازیں اس روایت میں فصاعدہ کی زیادت بھی موجود ہے۔ کیا فرق ثانی سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور مسورت کا مقدمی کے لیے جواز سمجھتا ہے؟

اثر ابو سلمہ یا ابو ہریرہ۔ یہ اثر بھی موقوف ہونے کے علاوہ ضعیف ہے۔ اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود واقع ہے جس کی حقیقت آپ کو معلوم ہو چکی ہے۔ مزید برآں روایت کو اس کا پورا یقین بھی نہیں کہ یہ روایت حضرت ابو سلمہ (تابعی) سے ہے یا حضرت ابو ہریرہ سے مؤلف غیر الکلام کا اس کو مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے حدیث حسن کہنا (ملاحظہ ہو خیر الکلام ص ۳۳۷) غلط ہے۔ کیونکہ یہ راوی زرا مختلف فیہ ہی نہیں بلکہ جمہور محدثین کرام کی اس پر کڑی جرح منقول ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اثر سعید بن جبیر۔ یہ اثر بھی موقوف ہونے کے علاوہ ضعیف اور کمزور ہے۔ اس کی سند کا ایک راوی عبداللہ بن رجاہ کی ہے۔ امام احمد اور ازہری کہتے ہیں کہ اس کی روایت میں نکارت ہوتی ہے۔ (میزان جلد ۲ ص ۱۳۷) ساجی کا بیان ہے عندہ مناکیر (تہذیب التہذیب جلد ۵) کہ وہ صاحب مناکیر ہے۔ اس سند کی کڑی کا دوسرا ضعیف راوی عبداللہ بن عثمان بن عیثم ہے اسکے بارے حضرت محدثین کرام کے تضاد اقوال منقول ہیں امام ابن عیینہ کو ثقہ حجتہ کہتے تھے بھی یہ فرماتے ہیں احادیثہ لیست بالقویۃ۔ امام ابوحاتم مایہ بأسی صالح الحدیث کہنے کے باوجود فرماتے ہیں وکان یخطئ اور نیز فرمایا لا یحتج بہ میزان الاعتدال ۱/۲۵۱ امام نسائی نے ایک مرتبہ ثقہ اور ایک مرتبہ لیس بالقوی کہا اور امام علی بن المدینی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۱۵)

امام دارقطنی رحمہ کا بیان ہے۔ ضعیف لیسوہ وہ ضعیف ہے اور محدثین اس کو ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں۔ (نصب الرأی جلد ۱ ص ۳۵۳) مبارکپوری صاحب کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ مولانا عبدالحی کے رسالہ امام الکلام ص ۷۳ کی آڑ لیتے ہوئے اس ضعیف اور کمزور اور زاری اثر کو صحیح کہتے ہیں۔ (دیکھیے ابکار المنن ص ۱۶۷) فوالسفا۔

سعید بن جبیر کا بعینہ اس مضمون کا اثر کتاب القراءة ص ۸۷، ۶۹ میں بھی مذکور ہے، لیکن سند میں وہی عبد اللہ بن عثمان بن خثیم ہے۔

یہ ہیں وہ روایات و آثار جن سے یہ حضرات سکات امام میں مقتدی کے لیے قرأت سورۃ فاتحہ بخیر کر سکتے ہیں۔ ابھی تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ سکات امام کا روایتی پہلو تھا۔ اب آپ روایتی پہلو بھی سن لیتے۔ جہاں تک سکات امام کا ثبوت مل سکتا ہے وہ صرف دو سکتے ہیں، پہلا سکتہ تجبیر تحریمہ کے بعد کا سکتہ ہے اور فریق ثانی کو اس امر میں اتفاق ہو گا کہ نہ تو اس میں قرأت سورۃ فاتحہ کا ثبوت ہے اور نہ گنجائش اور دوسرا سکتہ سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہونے کے بعد امام اس لیے کرتا ہے تاکہ امام

حتی یتزاد الیہ نفسہ۔ (نسائی جلد ۱ ص ۱۱۱) قرأت سے فارغ ہونے کے صرف سانس لے سکے۔

ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱، ترمذی جلد ۱ ص ۳۴، داؤدی ص ۱۴۶

اور صرف اس سکتہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کیجئے ممکن ہے؟ اور پھر ایک سکتہ کے سکات کیسے بن گئے؟ خود مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:

بل السکات الثانیۃ کا متوازن یتزاد الیہ نفسہ بلکہ دوسرا سکتہ تو صرف اس لیے ہوتا تھا کہ امام قرأت سے فراغت کے بعد سانس لے سکے۔ جیسا کہ حفرة کا صریح بمقادیر۔

(تحفة الاحوذی جلد ۱ ص ۷۰۹) قاعدہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ امام احمد، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور چھوڑا ہل اسلام اس کے ہرگز قائل نہ تھے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد امام اس لیے سکتہ کرے تاکہ مقتدی اس میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں اور نہ یہ حضرات سکتہ کے وجوب کے قائل تھے اور نہ استحباب کے۔

(تنوع العبادات ص ۸۵)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

ولم نعلم فزعاً عابدين العلماء انه
لا يعيب على الامام ان يسكت ليقراء
المأموم بالفاتحة ولا غيرها الى ان
قال - ولا يستحب للامام السكوت
ليقرأ المأموم عند جماهير العلماء
وهذا مذهب مالك والشافعي حنيفة و

یعنی جہاں تک ہمیں معلوم ہے علماء کا اس بات
پر اتفاق ہے کہ امام پر سکتہ واجب نہیں ہے تاکہ مقتدی
سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور
امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ جہور اہل اسلام اس پر بھی متفق
ہیں۔ کہ امام کے لیے یہ بات مستحب بھی نہیں ہے کہ وہ
سکتہ کرے تاکہ مقتدی قرأت کر سکیں۔

احمد بن حنبلؒ وغیرہ۔ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۲۲۶)

قاضی محمد بن عبد اللہ ابوبکرؒ ابن العربی المالکی الاندلسی (المتوفی ۵۴۳ھ) مجز سکت سے
یوں خطاب کرتے ہیں کہ

عجباً لك كيف يقدر المأموم في المحبة
على القراءة اينازع القرآن الامام امر
يسمن عن استماعه امر يقراء اذا
سكت قيل له فان لم يسكت وقد
اجمعت الامة على ان سكوت الامام
غير واجب فمتى يقراء ؟

عجب ہے تم پر مقتدی کو محبت میں قرأت
پر کیسے قادر تصور کیا جائے ؟ کیا وہ قرأت قرآن پر امام
سے منازعت کرتا ہے ؟ یا استماع سے اعراض کرے ؟
یا جب امام سکتہ اختیار کرے تو اس وقت وہ قرأت کرے ؟
اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی کب پڑھے ؟ کیونکہ تمام
امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام پر سکتہ واجب نہیں

(عارضۃ الاحوذی جلد ۱ بحوالہ اوجز المسالك جلد ۱ ص ۲۲۸)

حافظ ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی صحیح حدیث سے
یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ آپؐ نے محض اس لیے سکتہ اختیار کیا ہو تاکہ مقتدی سورۃ
فاتحہ پڑھ لیں۔ (بحوالہ غیث النعم ص ۱۴۵)

لے موصوف بہت بڑی قدر و منزلت کے مالک تھے۔ متبحر علمی ذہانت اور خصائل و عادات میں بے نظیر
تھے۔ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ، العلامة اور القاضی لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۸۶)

ثم اخبرني عن الصلح امير المؤمنين (عليه السلام) ان المتوفى (عليه السلام) كان يقرأ القرآن في كل يوم

ثم اختلف القائلون بوجوب القراءة
ف قيل في محل سكتت الامام وقيل
في سكوته بعد تمام القراءة ولا دليل
لهذين القولين في الحديث -
(سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد ۱)
امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرأت تجویز کرنے
والے آپس میں مختلف ہیں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ
امام کے سکتات میں قرأت کرنی چاہیے۔ اور دوسرا گروہ
کہتا ہے کہ جب امام قرأت سے فارغ ہو جائے تو اس
وقت مقتدی کو قرأت کرنی چاہیے لیکن ان دونوں
باتوں کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

ص ۱۰۶

ان اقتباسات یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ سکتات امام کا کسی حدیث
سے ثبوت نہیں ملتا۔ اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ نہ تو امام پر سکتہ واجب ہے اور
نہ مستحب اور یہ بات بعید از قیاس اور انصاف ہے کہ شریعت حقہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت
سورۃ فاتحہ کا مکلف تو بنائے لیکن اس کو قرأت کا موقع اور محل نہ بتلائے، یہ تو ایسا ہی ہوا
جیسا کسی نے کہا ہے۔

و میان قعر دریا تختہ بندم کردہ

باز می گوئی کہ دامن تر کن ہشیار باش

یہ ایسی خرافات ہے، جس سے شریعت حقہ کا دامن انصاف بالکل مبرا اور پاک ہے امام
ابوبکر البصاص فرماتے ہیں کہ مقتدی کا کام تو یہ ہے کہ وہ امام کی پیروی کرے اور جانتے نہیں
کہ امام مقتدی کا تابع ہو۔ تو اس قائل کا قول کہ امام سکتہ کرے تاکہ مقتدی قرأت کر لے۔ آن حضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے خلاف ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرب
کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتدی کی جائے اور پھر باوجود اس کے یہ معاملہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے مخالف ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اور جب امام قرأت کرتے
تو اب صاحب کہتے ہیں کہ امام منعمار و علامہ زین و شاعر عمید و مجتہد مفید و محدث کامل و عارف و اصل
است، حامل بود بکتاب و سنت بحسب اجتہاد نفس خود تفسیر و تقلید احد سے از اہل علم مذہب است۔

(تقصا جہود الاحرار من تہ کار خود والا برابر ص ۸۰)

تو تم خاموش رہو اس حدیث میں آپ نے مقتدی کو امام کی قرأت کے لیے خاموشی کا حکم دیا ہے اور سکنات کا قائل امام کو مقتدی کے لیے انصات کا حکم دے رہا ہے۔ اور امام کو مقتدی کا تابع بنا رہا ہے اور یہ قول بالکل اگٹ ہے۔
اور اس پر بحث کرتے ہوئے مزید ارقام فرماتے ہیں:

وقوله انما جعل الامام ليق توعبه فاذا قرأ فانصتوا لخبره منه من ان من الائمة بالامام
ان ينصت الامام للقرأة المأمور لاند لو كان
مأمورا بانصت له لكان مأمورا بالامام
بهفصيص الامام مأمورا والمأموم اماما في
حالة واحدة وهذا فاسد... الخ
(احکام القرآن جلد ۳ ص ۵۱)

آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے پس
جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو اس میں آپ نے خبر دی ہے
کہ امام کی اقتدائیں یہ امر شامل ہے کہ اس کی قرأت کے
لیے خاموشی اختیار کی جائے اور یہ ارشاد و صاف بتاتا ہے کہ
جائز نہیں کہ امام مقتدی کی قرأت کے لیے انصات کیے کیونکہ
اگر وہ اس کا مامور ہو تو وہ اقتدا کا مامور نہ ہو تو ایک ہی
حالت میں امام مقتدی ہو جاتا اور مقتدی امام اور یہ بالکل

فاسد ہے۔

پندرہواں اعتراض۔ حضرت امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ اور مبارک پوری صاحب وغیرہ
فرماتے ہیں کہ خطبہ جمعہ کے وقت اتنی توجہ اور خاموشی کا حکم اور تاکید آتی ہے کہ اگر کوئی شخص
شور و غل مچاتا ہو تو اس کو یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ خاموش ہو جاؤ جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے۔
اذقلت لصحبك يوم الجمعة انصت
فقد لغوت۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۷۸)
مسلم ۱ ص ۲۸۱

یعنی جب تم کسی کو جمعہ کے خطبہ کے وقت یہ کہو کہ
خاموش ہو جاؤ تو تم نے ایک بجا اور بے ہودہ حرکت کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ کے وقت ایسی توجہ اور خاموشی مطلوب ہے کہ امر بالمعروف اور

۱۔ کتاب القراءة ص ۸۲

۲۔ جزء القراءة ص ۳۵

۳۔ یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۶۰۷، ابوداؤد جلد

۴۔ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۶۷ وغیرہ

۵۔ ۱۵۸، ترمذی جلد ۱ ص ۶۷، ابن ماجہ ص ۷۹ اور طحاوی جلد ۱ ص ۲۱۵ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

نہی عن المنکر بھی اس وقت ساقط ہے لیکن مع ہذا آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اداء بعد کو یوم الجمعة والا مام بخطب ذلک رکعتین ولیستجوز فیہما (مسلم جلد ۱ ص ۲۸۷) — جب تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں آئے کہ امام جمعہ کا خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس آئے والے کو مختصر طریق سے دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنا جائز ہے، جس میں بہر حال تلاوت قرآن کریم کی جاتی ہے اور یہ انصاف کے منافی نہیں۔ لہذا اگر کوئی شخص امام کے پیچھے بجاقت اقتدار قرأت کرے تو وہ بھی آیت استماع اور انصاف کی مخالفت نہیں کر رہا۔

جواب۔ جمہور اہل اسلام خطبہ کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام ابو حنیفہؒ اور جمہور حضرات صحابہؓ و تابعینؓ اور سلف کا مسلک یہ ہے کہ خطبہ کے وقت نماز صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا یہی مسلک ہے۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۸۷)

علامہ عراقی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عروہ بن زبیرؓ، مجاہدؓ، عطاء بن ابی رباحؓ، سعید بن المسیبؓ، محمد بن سیرینؓ، امام زہریؓ، قتادہؓ، ابراہیم نخعیؓ اور قاضی شریحؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (فتح الملام جلد ۲ ص ۳۱۵)

امام ترمذی لکھتے ہیں کہ کوفہ کے فقہاء اور محدثین کا یہی مسلک تھا۔ (جلد ۱ ص ۶۷) جب جمہور اہل اسلام کے نزدیک خطبہ کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں۔ تو اس پر مقتدی کی قرأت خلف الامام کو قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا اور جس طرح خطبہ کے وقت نماز استماع اور انصاف کے منافی ہے اسی طرح قرأت خلف الامام بھی منافی ہے، جمہور کا کہنا ہے کہ کو آیت واذا قرئ القرآن..... انکسوا کا شان نزول صرف نماز ہے لیکن یہ آیت اپنے عموم الفاظ کے اعتبار سے خطبہ کو بھی شامل ہے۔ اس لیے خطبہ کی حالت میں بھی یہ ایسے قول و فعل سے اجتناب ضروری ہے جو استماع و انصاف کے منافی ہو اور ظاہر ہے کہ نماز قولاً وفعلاً استماع و انصاف کے منافی ہے۔ لہذا نماز بھی صحیح

یہ روایت ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۵۹، نسائی جلد ۱ ص ۱۵۷، ترمذی جلد ۱ ص ۶۷، ابن ماجہ ص ۷۹ اور طبری

جلد ۱ ص ۷۹ وغیرہ میں بھی موجود ہے بعض میں مختصر اور بعض میں قدر سے تفصیل ہے۔

نہ ہوگی اور آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

یصلی ما کتب لہ لئلا یمنعہ اذا تکلم الامام امام کے آنے سے پہلے جتنی نماز کوئی پڑھنا چاہے پڑھ لے
(بخاری جلد ۱ ص ۱۲۱، مسلم جلد ۱ ص ۲۸۳) اور پھر جب امام خطبہ شروع کرے تو اس وقت نماز
طیالسی ص ۶۵) ترک کر کے خاموش ہو جائے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے خطبہ پڑھنے سے قبل نماز پڑھنا جائز ہے لیکن خطبہ شروع
ہونے کے بعد گنجائش نہیں نکلتی اور بغیر خاموشی اور انصاف کے کوئی چارہ نہیں اور طیالسی کے یہ
الفاظ بھی مد نظر رکھیے فاذا تکلم الامام استمع وانصت۔ جب امام خطبہ پڑھے تو مقتدی اس
وقت توجہ کرے اور خاموش رہے اور حضرت نبی شہداء علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ

فان لو یجد الامام خرج صلی ما ہذا وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع
انکر امام ابھی خطبہ کے لیے نہ آیا ہو تو جتنی نماز پڑھی
ما سکتی ہے پر مسمی چاہیے اور جب امام خطبہ کے لیے
آچکا ہو تو اس وقت ہر شخص کو بیٹھ کر توجہ اور خاموشی
افتیاد کرنی چاہیے۔ علامہ ہمیشہ ہی کہتے ہیں کہ اس روایت
کے سبب راوی بخاری کے راوی ہیں۔ ہاں مگر امام احمد کے
اشاد لیکن ہیں وہ بھی ثقہ۔

لہ ان کا نام علی بن اسحاق ہے۔ (فتح الملک جلد ۲ ص ۴۱۵) ابن مینان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں۔ ابن سعد نسائی
اور محدث محمد بن حنفیہ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان روایان کو ثقافت میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۸۷)
حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۲۶۹) حافظ ابن حجر در مقدمہ فتح الباری ص ۴ میں لکھتے
ہیں کہ ہم فتح الباری میں جو حدیث بغیر گرفت کے نقل کریں گے۔ وہ صحیح یا حسن ہوگی۔ اور یہ روایت حافظ بن حجر
نے فتح الباری جلد ۲ ص ۲۹۷ میں نقل کی ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں کی۔ مؤلف خیر الکلام نے (ص ۵۶۳)
۵۶۴ میں) یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں عطاء بن راسا ہے اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ ارسال
تذلیل اور کثرت وہم کا شکار تھے۔ اور بخاری نے ان کی کوئی حدیث نہیں لی۔ (تقریب ص ۱۷۹) اور مقدمہ فتح الباری
ص ۴۳۴ میں لکھتے ہیں کہ وہ بخاری کی شرط پر نہیں ہے۔ یہ علامہ ہمیشہ ہی کا وہیم ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نماز کی گنجائش صرف اس وقت ہے۔ جب امام خطبہ کے لیے ابھی نہ آیا ہو۔ لیکن جب امام خطبہ کے لیے آچکا ہو تو پھر نماز کی گنجائش ہے اور نہ سلام و کلام کی اور خطبہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی حدیث کا جواب جہور نے یہ دیا ہے کہ یہ ایک مخصوص واقعہ ہے۔ بعض روایت نے نقل بالمعنی کے پیش نظر اس کو تعلیم کا جامہ پہنایا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیم غطفانی رضی اللہ عنہ فاقہ کا شکار تھے۔ ان کی خستہ حالی اور پریشانی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے چندہ کرنے کا قصد فرمایا اور اس کا حکم دیا کہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھ لیں تاکہ لوگ ان کی پرگندہ صورت اور بے بسی کو دیکھ لیں اور دل کھول کر اس کی اعانت اور امداد کریں چنانچہ روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

جاء رجل يوم الجمعة ولقي صلى الله عليه وسلم يخطف بهيئة بذية فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اصليت قال لا قال حمل ركعتين وحف الناس على الصدقة الحديث -

آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نہایت خستہ حالی میں آیا۔ آپ نے فرمایا اتم نے نماز پڑھی ہے؟ کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھو۔ اور لوگوں کو اپنے صدقہ اور خیرات کی تلقین فرمائی تاکہ اس کی امداد

واعانت ہو سکے۔

(نسائی جلد ۱ ص ۱۵۸)

(بقیہ پچھلا صفحہ) کہ اس کو صحیح کی شرط پر مانتے ہیں۔ (محصلاً) مگر یہ حافظ ابن حجر کا دہم ہے کیونکہ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۲۷ اور ص ۴۹۶ میں عطار کی روایت موجود ہے۔ محدث ابو سعید الدمشقی اور ابن کثیر و کما۔ اور علامہ قسطلانی وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ عطار خراسانی ہے۔ لہذا یہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا دہم نہیں بلکہ حافظ ابن حجر کا دہم ہے اور جس بنا پر مؤلف مذکور انکار کرتے ہیں کہ چونکہ یکسر وہ ہے لہذا بخاری کی شرط پر نہیں اتر سکتا۔ نہایت کمزور ہے۔ کیونکہ اس سے ضعیف تر راوی صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ عرض کر سکتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۷۱۷ میں نشان دہی کی ہے کہ یہ مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی ہے۔ اس لحاظ سے بھی وہ صحیح مسلم کا راوی ہے اور یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ اور اصول حدیث کی رو سے اس کے حسن ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ البتہ نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں۔

اور مسند احمد کی روایت کے الفاظ یوں ہیں۔ اُن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ان هذا الرجل دخل المسجد في هيئة
بذلة فامرته ان يصلي ركعتين وانا
ارجوان يظن له رجل فيتصدق
عليه۔ (فتح الباری ۲ ص ۳۲۶)

یہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور یہ بہت شکستہ
حال تھا۔ میں نے اس کو اس امید سے دو رکعتیں
نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تاکہ کوئی صاحب دل اس
کو دیکھ لے اور اس پر صدقہ کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مخصوص واقعہ تھا۔ اور روایت میں سے بعض نے اس کو غوی
رنگ میں پیش کر دیا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے جو محض بطور تائید پیش کی جاتی
ہے، جس کی مزید تائید معتبر کامرسل کرتا ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۶۹)

وامسك عن الخطبة حتى فرغ من
صلوته۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۶۹ وزیلی جلد ۲ ص ۲۰۰)

کہ جب تک وہ شخص نماز سے فارغ نہ ہو
گیا۔ آپ نے خطبہ بند کر دیا تھا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں جو محض تائید پیش کی جا رہی ہے نہ کہ استدلال
ارکع رکعتین ولا تعد لمثل هذا۔

(دارقطنی جلد ۱ ص ۱۶۹ وزیلی جلد ۲ ص ۲۰۰)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

واما قصة سليك رضي الله تعالى عنه
فقد ذكر الترمذي انها اصح شئ
روى في هذا الباب واقوى۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اس باب
میں سلیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ سب سے زیادہ
صحیح اور قوی تر ہے۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ۷۲۵)

چونکہ یہ شخص نہایت ہی غریب تھا اس لیے اُن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس
کے لیے دس سوزی سے چندہ کیا اور جب دوسرے اور تیسرے جمعہ پورا آیا تو پھر بلٹیہ گیا
آپ نے فرمایا اُمّہ اور نماز پڑھ۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۳۹۹) اور چارے خیال میں یہ
بھی اس کی طرف لوگوں کو توجہ دلانے کے لیے تھا تاکہ لوگ اس مفکوک الحال کو دل کھول کر

چندہ دیں بلکہ امام بخاریؒ روایت نقل کرتے ہیں کہ جب وہ دوسرے جمعہ پر آیا تو اس وقت
 آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ان یصدقوا
 علیہ وان یصلی رکعتین۔ (جزء القراءة ص ۳۷) کہ اس پر صدقہ کریں۔ اور اس کو دو رکعتیں
 پڑھنے کا حکم دیا اور بقول مولف خیر الکلام حافظ ابن حجر رحمہ نے اس کے لیے چندہ مانگنے کو
 جزو علت کہا ہے۔ (خیر الکلام ص ۵۶۵) مگر یہ جزو علت نہیں پوری علت ہے کیونکہ آپؐ
 دو تین جمعے متواتر صرف اسی خستہ حال شخص کو نماز کا حکم دیا ہے رہا امام نوویؒ اور حافظ
 ابن حجر رحمہما کا مسلم کی روایت کے پیش نظر یہ کہنا کہ یہ نص ہے اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔
 (مصلحہ خیر الکلام ص ۵۶۵ والا اعتصام ص ۱۷۷، اکتوبر ۱۹۶۲ء) درست نہیں۔

اولاً۔ اس لیے کہ روایت بالمعنی کا یہ جواب نہیں ہے۔

ثانیاً۔ اگر الفاظ یہی ہوتے تو کم از کم حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اس کے خلاف نہ کرتے
 ان کا عمل ہی اس کے غیر نص ہونے کی دلیل ہے اور جمہور اہل اسلام کی تائید اس پر مستزاد ہے
 امام نسائی سنن الکبریٰ میں اس حدیث کا یہ باب قائم کرتے ہیں: باب الصلوة قبل الخطبة
 (ذیلی جلد ۲ ص ۲۰۳) گویا امام نسائی رحمہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ (نماز پڑھنے کا) خطبہ شروع ہونے
 سے پہلے پیش آیا تھا اور امام نسائی کا ایسا سمجھنا محض بے وجہ نہیں ہے کیونکہ مخطب مضارع کا
 صیغہ ہے اور زمانہ حال مستقبل دونوں کا اس میں احتمال موجود ہے۔ اور زمانہ استقبال مراد

اسی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض محققین نے مخطب کا معنی یرید الخطبة کیا ہے۔ دیکھئے
 فتح المسلمین جلد ۲ ص ۲۱۷، فیض الباری جلد ۲ ص ۳۳۳۔ امام نووی رحمہ اذا امن الامام فاعلموا انی شریح
 میں لکھے ہیں۔ قالوا معناه اذا اراد التامین۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۳) علامہ کا بیان ہے کہ
 جب امام آئین کہنے کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو۔ جب اتمن ماضی میں اراد التامین کی گنجائش نکل
 سکتی ہے تو مخطب میں یرید الخطبة کا احتمال کیوں بعید ہے؟ علاوہ بریں بخاری جلد ۱ ص ۱۵۶

میں (وقال الحافظ في الفتح جلد ۲ ص ۳۶۸ متفق علیہ) اصل الفاظ میں ترو ہے۔ والہام مخطب
 اوقد خرج کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو یا خطبہ کے لیے آرہا ہو اوقد خرج جملہ ہوتے ہوئے فرق ثانی کا دعویٰ
 اور کزوسہ ہوتا ہے۔ دیکھئے مزید تحقیق کے لیے عارضہ الاحوذی جلد ۲ ص ۲۰۲۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

الحاصل خطبہ کے وقت نماز پڑھنا جہور کے نزدیک صحیح حدیث کی روشنی میں ممنوع ہے۔ اور جس حدیث سے اجازت ثابت ہوتی ہے اس کا صحیح محمل بھی آپ جہور کی طرف سے سن چکے ہیں۔ دریں حالات خطبہ کی حالت میں نماز کو جائز تصور کرتے ہوئے اس پر قرأت خلف الامام کے جواز کو قیاس کرنا ایک بے حقیقت اور بے اصل بات ہے، خصوصاً جب کہ مسئلہ مذکورہ منصوص ہے۔

سولھواں اعتراض۔ امام بخاری رحمہ مبارک پوریؒ اور مفتی کلا نوری صاحبؒ غیرہ لکھتے ہیں کہ جب امام قرأت کر رہا ہو اور کوئی شخص آکر اس کی اقتدا کرنا چاہتا ہے۔ تو لا محالہ اس کو تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہی اقتدا نصیب ہو سکتی ہے اور اس کا تکبیر تحریمہ کہنا آیت استماع والنصات کے منافی ہے۔ لہذا مانعین قرأت خلف الامام کا عمل بھی آیت مذکورہ پر نہ ہوا۔ (جزء القراءة ص ۳۵ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۴۰ وغیرہ)

جواب۔ پہلے پوری تفصیل کے ساتھ یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ آیت کا مخاطب ہر ایسا شخص ہے جو امام کی اقتدا کر چکا ہو اور امام ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے کہ

قالوا نصات خلفه لقرآنہ واجب علی
من کاد مؤتمناہ۔ جو آدمی امام کی اقتدا کر چکا ہو۔ امام کی قرأت کے لیے خاموش ہوتا اس پر واجب ہے۔

رہا وہ شخص جس نے مطلقاً امام کی اقتدا نہ کی ہو یا ابھی اقتدا کرنے کا ارادہ ہی کر رہا ہو تو وہ شخص اس آیت کا مخاطب نہیں ہے اور تکبیر تحریمہ علمائے اخاف کی تحقیق میں شرط ہے۔ (دیکھیے غانیہ جلد ۱ ص ۲۰ و سر اجیہ ص ۱۰ و ہدایہ جلد ۱ ص ۸۲ اور شرح وقایہ جلد ۱ ص ۱۴۰ وغیرہ) اور شرط خارج ہوتی ہے۔ (و شرط الشئ خارج عنہ ہامش کنز ص ۳۰) لہذا قرأت امام کے وقت مقتدی کا تکبیر تحریمہ کہنا آیت استماع والنصات کے کسی طرح مخالف اور منافی نہیں ہے۔ ہاں اس کا قرأت کرنا یقیناً منافی ہے۔ قاضی مقبول احمد صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہاں آیت کو اپنے عموم پر کیوں نہیں رکھا گیا؟ اور جو شخص نماز میں شریک نہ ہو اور وہ شور و غل مچاتا ہے (مصلح الاعتصام ص ۱۰، ۱۵، اکتوبر ۱۹۲۲ء) لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس شخص نے اقتداء

نہ کی ہو اس کے لیے انصاف و استماع مستحب ہے، اس کو شور و غل کا حق کس نے دیا ہے؟
اور آیت استعجاب کے حکم میں اپنے عہد پر ہے ہاں وجہ صرف مقتدی کے لیے ہے۔
کیونکہ شان نزول ہی خلف الامام کا مسئلہ ہے۔ کما مت۔

سترھواں اعتراض۔ حضرت امام بخاریؒ، امام بیہقی رحمہ اور مبارکپوری صاحب
وغیرہ کہتے ہیں کہ جو لوگ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے منکر ہیں۔ ان کا بھی آیت استماع و انصاف
پر عمل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی امام کے پیچھے ثنار وغیرہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ اگر امام کے پیچھے قرأت
کرنے صحیح نہیں تو ثنار وغیرہ کی قرأت کیسے صحیح ہوتی؟ لہذا ثنار وغیرہ کی قرأت کرنا بولے
بھی آیت استماع و انصاف پر عامل نہ ہوتے۔

(جزء القراءة ص ۱۰، کتاب القراءة ص ۱۵، تحقیق الکلام ج ۲ ص ۱۱)

جواب۔ ان اکابر کا یہ اعتراض بھی سطحی قسم کا ہے اور قابل التفات نہیں ہے۔
اولاً۔ اس لیے کہ اگر صورت مذکورہ میں مقتدی سے مدرک مراد ہے تو ظاہر ہے کہ اس
کے لیے صرف ثنار کی قرأت کرنا ہے۔ اور امام کو ثنار، تقوٰذ اور تسمیہ بھی پڑھنا ہے۔ اگر
مدرک امام سے پہلے قرأت ثنار سے فارغ نہ ہوا۔ تو امام کے ساتھ تو بہر حال فارغ ہو ہی
جائے گا۔ اور جب امام قرأت قرآن (سورۃ فاتحہ) شروع کرے گا تو مدرک ثنار کے پڑھنے
سے فارغ ہو چکا ہوگا۔ لہذا مدرک باوجود ثنار پڑھنے کے آیت مذکورہ کا مخالف ہوا۔
ثانیاً۔ اگر صورت مذکورہ میں مقتدی سے ملبسوق مراد ہے تو محققین فقہائے
احناف کی تصریح سے یہ بات ثابت ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کر رہا ہو تو مقتدی
کو اس وقت ثنار پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں جلد ۱ ص ۴۲، فتاویٰ سراجیہ ص
اور فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۴۵ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے، بلکہ علامہ حلبی الحنفی رحمۃ اللہ
علیہ (المتوفی ۱۰۵۶ھ) نے اس کی تصریح کی ہے کہ ولا یاتی الثناء مطلقاً۔ (کبیری ص ۳۴)
کہ جب امام قرأت شروع کر چکا ہو تو مقتدی کو کسی بھی نماز میں ثنار نہیں پڑھنی چاہیے۔ جہری
نمازوں میں قرأت امام کا علم مقتدی کو آسانی سے ہو سکتا ہے اور ستری نمازوں میں قرائن
اور شواہد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۶۹ میں امام ابو جعفر رحمہ اللہ کے حوالہ سے جو یہ نقل کیا ہے کہ مقتدی جب امام کو سورۃ فاتحہ میں پائے تو بالاتفاق شہادہ پڑھے۔ (ملیۃ المصلی ص ۶۵ مصلہ)
اس میں بالاتفاق سے تمام فقہاء احناف کا اتفاق مراد نہیں ہے بلکہ صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد کا اتفاق مراد ہے۔ (صغیری ص ۱۷۸ اور کبیری ص ۳۲۹)
و ثانیاً۔ قاضی شوکانی رح کہتے ہیں کہ

وظہر التثبید بقولہ من القرآن یدل اور من القرآن کی ظاہری قید اس پر دلالت علی انہ لا یأثم بالانسان فتاح حال قرأۃ کرتی ہے کہ امام کی قرأت کے وقت شہادہ اور تعوذ الامام بمالیس بقرآن والتعوذ والدعاء (۱) اور دعاء وغیرہ جو قرآن نہیں پڑھنے میں کوئی (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۲۶) ہرج نہیں ہے۔

اور نواب صاحب لکھتے ہیں:

وایں روایات (یعنی فلا تقراء وابشی من القرآن وغیرہ) دلالت وار نہ ہو
برآئکہ منہی عنہ نزد قرأت امام بھان قرآن کریم ست فقط و ما قرأۃ توجہ واستعاذہ و تحوآن
(یعنی شہادہ وغیرہ) پس لا یأثم بہ است۔ و نہی تناول آن نیست و نہ ہرجہ از وجہ برآن
دلالت دارد۔ (دلیل الطالب ص ۲۹۴) مگر سورۃ فاتحہ کو نواب صاحب نے مستثنیٰ قرار
دیا ہے اور یہی مضمون مولانا عبد الصمد صاحب نے بیان کیا ہے۔ (اعلام الاعلام ص ۱۹۲)
اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو صرف قرأت قرآن سے منع کیا گیا ہے۔ شہادہ تہمید،
تسبیح اور شہادہ وغیرہ سے اس کو منع نہیں کیا گیا۔ اور آیت واذا قرئ القرآن... الاۃ
اور حدیث فلا تقراء وابشی من القرآن اس کی تائید کرتی ہے۔ اس بحث کو پیش نظر
رکھنے سے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ، امام بیہقی رحمہ اللہ اور مبارکپوری صاحب وغیرہ کا یہ مغالطہ بھی دور
ہو جاتا ہے کہ تمہارے نزدیک فرض (یعنی قرأت) سے غیر فرض (یعنی شہادہ وغیرہ) کی اہمیت
زیادہ ہے کہ ان دیگر امور میں امام کفایت نہیں کر سکتا۔ مگر قرأت میں کفایت کر سکتا ہے۔
(جزیر القرآن ص ۷، کتاب القرآن ص ۱۵۷، تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۴۲)

یہ بات تو جانے دیجئے کہ ان اکابر کے نزدیک صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت کی اہمیت کیوں

ہے اور قرآن کریم کی باقی ایک تئو تیرہ سورتوں کی اہمیت کیوں نہیں ہے؟ آخر وہ سورتیں بھی تو قرآن کریم کی ہیں؟ - ج : ہے یہ گنت بد کی صد اجیسی کہو ویسی سنو

مگر قرآن و حدیث کی فہمائش کے علاوہ قاضی شوکانی رحمہ اور نواب صاحب بھی صحیح بات کہنے اور لکھنے پر مجبور ہیں کہ منہی عنہ نزد قرأت امام ہماں قرآن کریم است، فقط۔ اس لیے جب مقتدی کو قرأت امام کے وقت صرف قرآن کریم کی قرأت سے منع کیا گیا ہے۔ تو شمار وغیرہ کا سوال اٹھانا دور از کار بات ہے۔

اٹھارواں اعتراض۔ حضرت امام بخاریؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ جب صبح کی نماز کی جماعت کھڑی ہو تو تمہارے نزدیک صبح کی سنتیں قریب ہی پڑھنی جائز ہیں۔ کیا تمہارا یہ فعل آیت استماع وانصات کے منافی نہیں ہے؟ لہذا تمہارا عمل بھی تو اس آیت پر نہ ہوا۔ (جزء القراءة ص ۸) جواب۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا وجوبی طور پر مخاطب صرف وہ شخص ہے جو امام کی اقتدا اختیار کر چکا ہو۔ جس نے ابھی تک امام کی اقتدا نہیں کی وہ اس کا وجوبی طور پر مخاطب نہیں ہے۔ لہذا جماعت کے پاس سنتیں پڑھنے والا کسی طرح بھی آیت کا مخالف نہ ہوگا۔ علاوہ انہیں محققین علماء راخاف نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کو سنتیں ترک کر کے جماعت میں شریک ہونا چاہیے۔ چنانچہ حافظ ابن ہماں رحمہ لکھتے ہیں کہ صبح یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ اگر اور کوئی جگہ نہ ہو تو نماز ہی کو صبح کی سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہیں کیونکہ ترک مکروہ فعل سنت پر مقدم ہے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ

واشد ما یكون کراهية ان یصلیہما اور سب سے زیادہ کراہت اس بات میں ہے کہ صف
منا لصال لصف کما یفعلہ کثیر من کے پاس ہی صبح کی سنتیں پڑھی جائیں جیسا کہ بہت
الجهلة۔ (فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۴ طبع مصر) سے جا مل پڑھ لیا کرتے ہیں۔

غرضیکہ امام بخاری رحمہ کا یہ اعتراض بھی کسی طرح ان کے لیے مفید نہیں ہے اور نہ اس طرح

ان کا مطلب پورا ہو سکتا ہے۔

انیسواں اعتراض مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ خطبہ کو بھی شامل ہے۔

لے جب صبح کی جماعت ہو رہی ہو تو اس وقت صبح کی سنتوں سے متعلق حضرات فقہاء اور محدثین کا اختلاف ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حالانکہ تمھارے نزدیک جب خطیب یا ائمتہ الذین امنوا صلوٰۃ علیہ وسلم و اتسلیموا۔
پڑھتا ہو تو سامعین کو آہستہ آہستہ درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ (کفایہ جلد ۱ ص ۶۸ اور
شرح وقایہ جلد ۱ ص ۱۷۵) لہذا آیت استماع و انصات پر تمھارا عمل بھی نہ ہوا۔

(تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۴۳۳)

جواب۔ یہ تحقیق نقل کی جا چکی ہے کہ آیت کا شان نزول صرف نماز ہے۔ نزول آیت
کے وقت خطبہ کا وجود بھی نہ تھا۔ ہاں عموم الفاظ میں خطبہ بھی شامل ہے۔ اس لیے بالطبع اور
ثانوی حکم کی ظاہری مخالفت سے مقصود اولین اور بالذات حکم کی مخالفت کرنی کیسے جائز اور
صحیح ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اگرچہ بعض علمائے اخلاف نے خطبہ کے وقت دل میں درود
شریف پڑھنے کی اجازت دی ہے بلکہ اس کو صواب اور صحیح کہا ہے۔ لیکن محققین آہستہ
پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں۔ چنانچہ امام قاضی خان رحمہ (المتوفی ۵۹۶ھ) لکھتے ہیں کہ

(بچے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ایک گروہ کہتا ہے کہ پاس ہی پڑھ لی جائیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے موقوف اور روایت
آتی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ ایک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ روایت، ثقات اور دوسری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
رجالہ موثقون (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۷۵) دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جماعت کے بعد پڑھ لی جائیں جیسا کہ
بعض احادیث میں آتا ہے لیکن اس مضمون کی بیشتر حدیثیں ضعیف ہیں۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر صبح کی ستیر
رہ جائیں تو ان کی قضا نہیں ہے۔ لیکن یہ قول مخدوش ہے۔ چوتھا گروہ کہتا ہے کہ سورج نکلنے کے بعد پڑھی
جائیں (یہ ضروری نہیں کہ وہی جگہ اور وہی وضو ہو) جیسا کہ صحیح اور مرفوع حدیث میں آتا ہے۔ (ترمذی جلد
۵ ص ۵۷، مستدرک جلد ۱ ص ۶۷، سنن الکبیر جلد ۱ ص ۴۸۳) چونکہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
بیماری اور تندرستی، اقامت اور کسی حالت میں صبح کی ستیں ترک نہیں کیں۔ (طیلسی ص ۲۷۰، زاد المعاد
جلد ۱ ص ۱۸۵) لہذا یہی آخری مسلک قوی تر ہے۔

۱۔ حسن بن منصور امام کبیر اور بحر عمیق تھے، بڑے زیرک اور نکتہ رس تھے، بڑے عابد اور فقیہ النفس تھے۔ ان کا
شمار محدثین فی المسائل میں ہوتا ہے۔ (قوانین ص ۶۴، ۶۵) صاحب جواہر المفیہ (علامہ ابو محمد عبدالقادر ۷۵۵ھ)
کی امام اکبیر سے یاد کرتے ہیں۔

(جواہر المفیہ جلد ۱ ص ۲۰۵)

وہ مشافقا لو ابانہ لا یصلی علی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم بل یستمع ویشہد
لان الاستماع فرض والصلوة علی
النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمکن
بعد هذه الحالة۔ (خانیہ جلد ۱ ص ۱۸۸)
ہمارے مشائخ کا بیان ہے کہ خطبہ کی حالت
میں درود شریف پڑھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ
استماع اور انصات ضروری اور فرض ہے اور
سامع کو خطبہ کے لیے نہایت خاموشی سے توجہ
کرنی چاہیے اور درود شریف کا پڑھنا اس کے
بعد بھی ممکن ہے۔

فتاویٰ سرساجیہ ص ۱۷ میں لکھا ہے کہ فقیہ حاکم الدینؒ نے آہستہ پڑھنے کی اجازت دی
ہے لیکن شیخ الاسلام سرخسیؒ (المتوفی ۷۲۳ھ) آہستہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔
اور مسبوط سرخسی جلد ۲ ص ۲۹ میں آہستہ پڑھنے کی بھی صراحت کے ساتھ ممانعت بیان کی گئی
ہے، حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ محققین کا بیان ہے کہ چونکہ استماع اور انصات فرض اور
ضروری ہے۔ اس لیے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خطبہ کے وقت آہستہ درود شریف
پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (فتح القدیر جلد ۲ ص ۴۷۱، طبع مصر) اور یہی مسلک علامہ
ابن عابدین شامیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) کا ہے۔ (بحوالہ فتح الملہو جلد ۲ ص ۴۷) لہذا مبارک
پوری صاحب کا یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے۔

بیسواں اعتراض — شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ستری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ
فاتحہ پڑھنے کے استحباب پر استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ذکر قرأت اور
دعا کے بغیر سکوت اختیار کرنا نہ مامور بہ ہے اور نہ عبادت ہے بلکہ وسوس کا دروازہ
کھولنے کا ایک سبب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا سکوت سے افضل
ہوگا۔ اور قرأت قرآن سے بہتر ذکر اور کیا ہو سکتا ہے۔ لہذا ستری نمازوں میں امام کے پیچھے

لے علامہ سراج الدین اودمیؒ (المتوفی فی حدود ۸۰۰ھ)۔

لے امام، علامہ، حجت، تکلم، مناظر، اصولی اور مجتہد تھے، بسوط کی پندرہ جلدیں (باب الشرط تک)
بغیر مراجعہ کتب کے زبانی انھوں نے اطا کرائی تھیں۔ جب کہ حق گوئی کی پاداش میں حکومت وقت نے پرائے
دستور کے مطابق ایک تاریک کنوئیں میں ان کو جھبوس کر رکھا تھا۔ (فوائد ہندیہ ص ۱۸۸)

سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہوگا۔ (مجموعہ فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۵۰)

جواب۔ شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال بھی درست نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ مقتدی کا فریضہ اجتماع و انصات ہے نہ کہ قرآۃ اور استماع و سماع کا فرق پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

ثانیاً۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد کم و بیش پچیس تیس آیتیں پڑھنی مسنون ہیں اور مقتدی کے لیے دیگر حضرات سلف و خلف کی طرح شیخ الاسلام رحمہ کے نزدیک بھی ما زاد علی الفاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کم و بیش تیس آیتوں کے طویل وقفہ میں مقتدی پر وسوسہ کا دروازہ نہیں کھلتا تو امید وائق ہے کہ سورۃ فاتحہ کے مختصر سی سات آیتوں کے وقفہ میں بھی باب و سوسہ مسدود ہی رہے گا۔

ثالثاً۔ خود شیخ الاسلام رحمہ اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کے لیے ما زاد علی الفاتحہ میں قرأت کی بجائے استماع افضل ہے۔ نہ معلوم یہاں ذکر قرأت اور دعا کے بغیر سکوت کیوں اعلیٰ اور افضل ہو گیا ہے؟ اس لیے سورۃ فاتحہ کی قرأت کے وقفہ میں بھی استماع افضل رہے گا کیونکہ بقول شیخ الاسلام رحمہ آیت واذ قرئ القرآن کا اولین مصداق صرف سورۃ فاتحہ ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن قیئاً ہوتی ہے۔ ہاں اگر واذ ابھرا القرآن کا ارشاد ہو تو توایات الگ تھی۔ ہم نے شیخ الاسلام رحمہ کے جواب میں جو باتیں عرض کی ہیں وہ ہماری اپنی اختراع نہیں بلکہ خود موصوف نے بیان کی ہیں۔

وايضاً ففی اجتماع المسلمين علی انہ فیما یزاد علی الفاتحہ یومر بالاسماع دون القراءة دلیل علی ان استماع لقراءة الامام خیدلہ من قرأت معہ بل علی انہ مأمور بالاسماع دون القراءة مع الامام۔

نیز مسلمانوں کے اس اجتماع میں کہ ما زاد علی الفاتحہ میں مقتدی کو قرآۃ کے بجائے استماع کا حکم ہے اس امر پر دلیل ہے کہ مقتدی کو استماع کا حکم ہے اس امر پر دلیل ہے کہ مقتدی کا استماع اس کے پڑھنے سے بہتر اور افضل ہے بلکہ اس کو صرف حکم ہی یہ ہے کہ وہ قرأت نہ کرے

(فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۳۵) اور استماع کرے۔

اور لکھتے ہیں کہ

فان الكتاب والسنة امرت الموعظة بالاستماع
دون القراءة والامعة متفقون على ان
استماعه لما زاد على الفاتحة افضل
من قراءة ما زاد عليها۔ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۳۵)
کتاب اور سنت نے مقتدی کو یہ حکم دیا ہے
کہ وہ قرأت نہ کرے بلکہ سنے اور امت اس پر
متفق ہے کہ ما زاد علی الفاتحة میں استماع
قرأت سے بہتر اور افضل ہے۔

موصوف کی ان عبارتوں کو پیش نظر رکھ کر بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے نقل
کردہ جملہ جوابات خود شیخ الاسلام کی عبارت سے ماخوذ ہیں۔ باقی استماع کا معنی اور مطلب
پور می تشریح کے ساتھ پہلے نقل کیا چکا ہے۔ اس میں الحجہ کراۃ مستقیم سے پہلو تہی کرنا
ارباب تحقیق کو زیب نہیں دیتا۔

قاریین کرام! ہم نے آیت کے سلسلے میں کافی وقت لیا ہے۔ اگرچہ فریق ثانی کی جانب
سے اس سلسلے میں بعض کچر پوچ اور لایعنی اعتراضات یا استدلالات اور بھی کیے گئے ہیں
لیکن یہیں بھی آپ سے بہت کچھ عرض کرنا ہے اس لیے ہم ان کو نقل کرنے اور جواب عرض
کرنے میں مزید آپ کے دماغ کو پریشان نہیں کرتے اور باب اول کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

باب دوم

پہلے باب میں قرآن کریم کی آیت اور حضرات صحابہ کرام و تابعین اور دیگر مہرور سلف و خلف سے اس کی تفسیر نقل کی گئی ہے کہ واذا قرئ القرآن الایۃ کا شان نزول صرف نماز ہے۔ اور مقتدی کو امام کے پیچھے کسی نماز میں قرآن کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ آیت کی یہ تفسیر مؤید بالاجماع ہے۔ اور آیت کی تفسیر یہ جتنے اہم سوالات کیے گئے تھے ان کے تفصیلی جوابات بھی عرض کیے جا چکے ہیں۔ اب باب دوم میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح اور مرفوعہ قولی اور فعلی حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔ جن سے بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام کا وظیفہ پڑھنا اور مقتدی کا خاموش رہنا ہے۔ فرقہ ثانی کی طرف سے ان پر جو سوالات کیے گئے ہیں ان کو نقل کر کے ان کے مسکت جوابات بھی عرض کر دیے گئے ہیں :-

باقول نبی چون وچہ را نہ شناسیم

داریم بہ اخلاص سر سے بر خطِ سلیم

قانون اشارات و شفا را نہ شناسیم

قرآن و حدیث است شفا کے دل زنجور

پہلی حدیث :

امام مسلم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اشحاق بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے

امام مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) صریح مسلم شریف کے مؤلف ہیں جو بخاری شریف کے بعد تمام حدیث کی کتابوں میں پہلے درجہ پر (حاشیہ ۱) اور حاشیہ ۲ (۱۷ صفحہ دیکھئے)

جبریلؑ نے بیان کیا۔ وہ سلیمانؑ کی روح سے روایت کرتے ہیں۔ وہ قتادہؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ یونسؑ بن جبر سے اور وہ حطانؑ بن عبد اللہ الرقاشیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (المبتدئی ۵۲) روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک طویل حدیث میں فرمایا :

(تفسیر نوٹ نمبر ۲) صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور امت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روایتیں صحیح ہیں۔ علامہ ذہبیؒ نے ان کو الامام، الحافظ اور حجة الاسلام کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵۰) علامہ بیرونیؒ مشہور امام ہیں جو ابن زہبیرؓ سے مشہور ہیں۔ مقدمہ میں ان کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے۔

علامہ ابو القاسم مالکؒ نے کہا میں نے جبریلؑ بن عبد الحمیدؒ کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے اور ان کی بڑی عجب پیروی تھی کہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۶۷) علامہ ذہبیؒ نے ان کو الحافظ اور الحجة کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵۰)

علامہ ابی مسلم نے ایک سال کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم سلیمانؑ سے بڑا حافظ حدیث چاہتے ہو؟ (مسلم جلد ۱ ص ۴) ورنہ ص ۹۴) علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (طبقات جلد ۱ قسم دوم ص ۱۸) ابن حبانؒ نے ان کو امام اور شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۲۱۲) امام ابن معینؒ، امام احمدؒ، نسائیؒ اور عجمیؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ثوریؒ کا بیان ہے کہ وہ حافظ بصرہ میں تھے۔ امام شعبہؒ فرماتے تھے کہ سلیمانؒ خالص اور محکم یقین تھے۔ امام یحییٰؒ کا بیان ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص کی صحبت بھی نصیب نہیں ہوئی جس کے دل میں سلیمانؒ جیسی سے زیادہ خوف خدا موجود ہو۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ، متقن، حافظ، صاحب سنت اور بصرہ کے عبادت گزاروں میں تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰۷) علامہ ذہبیؒ نے ان کو الحافظ، الامام اور شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۷)

سے محدث ابن ماحد الدینؒ کا بیان ہے کہ وہ مفسر قرآن آیت فی المحفظہ اور نسب الی کے امام تھے۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۵۳) ابن سعدؒ ان کو ثقہ، مامون اور محکم کہتے ہیں۔ (طبقات جلد ۱ قسم دوم ص ۱) عبد الرحمن بن ہشامؒ کا بیان ہے کہ قتادہؒ حمید کے جیسے پچاس آدمیوں سے زیادہ بڑے حافظ تھے۔ (تہذیب الاسلام جلد ۱ قسم اول ص ۵) حافظ ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ وہ بصرہ کی جامعہ افتار کے ایک معزز رکن تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲) ابن سیرینؒ کا بیان ہے کہ قتادہؒ سب لوگوں سے زیادہ بڑے حافظ تھے (کتاب احلیل ترمذی ص ۲ ص ۲۳۸) اور (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبنا
 فبین لنا سنتہ وعلمت صلوٰتنا فقال
 اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم
 احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فأنصتوا
 واذا قال غیر المغمضوب علیہم ولا الضالین
 فقولوا آمین۔ الحدیث
 (مسلم جلد ۱ ص ۱۷۴)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں خطاب
 فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین
 فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے
 سے قبل اپنی صفوں کو درست کر لو۔ پھر تم میں سے
 ایک تمہارا امام بنے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر
 کرو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور
 جب وہ غیر المغمضوب علیہم ولا الضالین کہے
 تو آمین کہو۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنا امام کا فریضہ اور ڈیوٹی ہے۔ مقتدیوں کا وظیفہ
 صرف خاموش رہنا اور انصات کرنا ہے اور ان کے لیے بغیر انصات کے اور کوئی گنجائش
 نہیں ہے اور چونکہ یہ روایت مطلق ہے۔ لہذا ستری اور ہری تمام نمائندوں کو شامل ہے۔
 اور مقتدیوں کو کسی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت اور گنجائش نہیں ہے۔
 یہ روایت صحیح مسلم کے علاوہ حدیث وغیرہ کی دیگر معتبر اور مستند کتابوں میں بھی موجود ہے۔
 (بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۵۱۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور العلماء
 کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱۵) حافظ ابن کثیرؒ ان کو احد علماء اہل بعین والائمة العلمین لکھتے ہیں
 (البدیہ والنہایہ جلد ۹ ص ۹ ص ۱۳۱) امام بیہقیؒ ان کو حافظ حدیث لکھتے ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۰۱)
 شیعہ میں ان کی وفات ہوتی ہے۔

لکھ یونس بن جبیرؒ امام مسلم کا بیان ہے کہ وہ حدیث کے بیان کرنے میں نچتر کا رحدث تھے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۴۴)
 امام ابن مہینؒ عجمی اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ ان کو ثقہ اور ثبت لکھتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو
 ثقہ میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۳۶)

یہ حطان بن عبد اللہ الرقاشیؒ امام عجمیؒ اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ محدث ابن مہینؒ ان کو ثبت
 کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقہ میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۹۶) حضرت ابو موسیٰ
 الاشعریؒ جلیل القدر اور صاحب مناقب صحابی ہیں۔

جن طرح کہ حاشیہ سے بخوبی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابو عوانہ رحمہ کی بعض سندیں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابو عوانہ رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الصائغ رحمہ نے مکہ مکرمہ میں بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن عبد اللہ رحمہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے جریر بن عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ سلیمان بن یثیم سے اور وہ قتادہ سے اور وہ ابو غلاب یونس بن جبیر سے اور وہ حطان بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرمایا:

۱۔ یہ روایت ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۲۰، مسند احمد جلد ۴ ص ۴۱۵، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵، بیہقی جلد ۲ ص ۱۵۵ ابن ماجہ ص ۶۱، علی ابن حزم جلد ۳ ص ۲۴۰۔ مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۸۱۔ جامع صغیر سیوطی ص ۳۰۔ معنی ابن قتادہ جلد ۱ ص ۶۰۲۔ قتادہ ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۱۲۲، نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۴۹۔ نصب الرایہ جلد ۲ ص ۱۲۰۔ توحید النظر ص ۲۴۰۔ شرح بلوغ المرام جلد ۱ ص ۲۴۵۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۲۰۱۔ زہر البی جلد ۱ ص ۱۲۔ درایہ ص ۹۹۔ ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۸۰۔ اظہار السنن جلد ۴ ص ۲۲۰۔ کتاب القراءة ص ۸۴۔ امام الکام ص ۱۱۱۔ کنز العمال جلد ۲ ص ۶۶، ۱۸۶۔ فتح القسیر جلد ۱ ص ۲۲۱۔ شرح نقایہ ص ۸۳۔ محول الباری جلد ۲ ص ۳۶۲۔ عن المجہود جلد ۱ ص ۳۲۵۔ تنبیح الرواة جلد ۱ ص ۱۵۲۔ عمدة القاری جلد ۳ ص ۲۵۹۔ فصل الخطاب ص ۲۴۔ آثار السنن جلد ۱ ص ۸۵۔ جوہر النقی جلد ۱ ص ۱۵۳۔ تحفۃ الہ خوذی جلد ۱ ص ۱۲۵۔ کتاب العلل جلد ۱ ص ۱۶۲۔ شرح المقنع لکبیر جلد ۱ ص ۱۳۲۔ منتقى الاخبار جلد ۲ ص ۱۳۲۔ تعلیق المعنی جلد ۱ ص ۱۲۰۔ فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲۔ جزء القراءة ص ۵۶۔ تنويع العبادات ص ۸۶۔ إزالة الستر ص ۵۱۔ خاتمة الخطباء ص ۱۶۔ بدل المجہود جلد ۱ ص ۵۵۔ برہان العباب ص ۱۰۲۔ اور عقیدۃ الحمدیہ جلد ۲ ص ۱۹۳ وغیرہ حدیث، تفسیر، شرح حدیث اور کتب فقہ میں نقل کی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اس طرح لکھتے ہیں:

کہما رواہ مسلم فی صحیحہ من حدیث ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما جعل الزامہ لیسوا بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ ۱۔ (تفسیر جلد ۲ ص ۲۸۰) اور قاضی شوکانی رحمہ نے روایت اسی طرح نقل کی ہے۔ اور فرماتے ہیں رواہ احمد و مسلم۔ الخ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۵۰) اور امام احمد نے کتاب الصلوٰۃ ص ۵۶ میں اسی طرح نقل کی ہے۔

(باقی نوٹ نمبر ۲ و ۳ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

خطبتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے فعلمنا سننا و بین لنا عملونا فقال اذا کبر الامام فکبروا و اذا قرأ فانصتوا (صحیح ابوعوانہ جلد ۲ ص ۱۳۳) اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

امام ابو عوانہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سلیمان بن اشعث سجستانی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حاتم بن نصر نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے معتمر بن سنان نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سلیمان بن اشعث سے سنا وہ فرماتے ہیں (حدثنا قتادة) ہم سے قتادہ نے بیان کیا۔ وہ ابو غلاب یونس بن جبیر سے اور وہ حطان بن عبد اللہ الرقاشی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

(تفسیر نوٹ پچھلا صفحہ ۱) امام ابو عوانہ کا نام یعقوب بن اسحاق ہے (المتوفی ۲۳۱ھ) علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الشیخ الکبیر کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۲)

۱۱۱۱ الصائغ کا نام محمد بن یحییٰ بن سالم تھا۔ (المتوفی ۲۷۴ھ) محدث ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ ابن خراشؒ ان کو اہل فہم و اہل امانت کہتے ہیں۔ ابن جابرؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۳ ص ۵۸) تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۵۸

۱۱۱۲ علی بن عبد اللہ بن یحییٰؒ (المتوفی ۲۲۲ھ) علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ العصر قدوہ اور من اباب لہذا الشان لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵) امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ مامون اور اعدائہ فی الحدیث تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۵۶)

۱۱۱۳ صحاح ستہ میں مشہور کتاب سنن ابوداؤد کے مصنف ہیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام الثبت اور سید الحفاظ لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵۶) ۱۱۱۴ میں ان کی وفات ہوتی ہے۔

۱۱۱۵ محدث ابن جابرؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۵۸) حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ ان کو صدوق لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۸۵) کسی کی جرح ان پر منقول نہیں ہے۔ ۱۱۱۶ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ اور الشیخ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۷ ص ۲۴۶)

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا ککاف
ما بین لنا من صلواتنا وعلما سمننا
قال اقیمو الصلوات ثم لیؤمکم احدکم
فاذا کبر الامام فکبروا واذ اقرأ فانصتوا
(صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۳۱، ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۳۱)

کہ ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہنچ خطاب فرمایا اور
بماز کا طریقہ سکھایا اور سنت کی تعلیم دی اور فرمایا کہ
صلوات درست کیا کرو۔ تم میں ایک امامت کا فریضہ انجام
دے جب امام تکبیر کے تو تم بھی تکبیر کرو اور جب امام قرأت
کرتے تو تم خاموش رہو۔

امام ابو عوانہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سہل بن بکر چند سبوروٹی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے
عبداللہ بن رشید نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو عبیدہ رحمہ نے بیان کیا۔ وہ قائلہ سے روایت
کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا
قرأ الامام فانصتوا واذ قال غیر المخطوب
عليہم وذا الضالکین فقولوا آمین۔
(ابوعوانہ جلد ۱ ص ۱۳۱)

آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام
قرأت کرتے تو تم خاموش رہو اور جب امام غیر
المخطوب علیہم ولا الضالکین پڑھتے تو تم آمین
کہو۔

لہ عبداللہ بن رشید اور ابو عبیدہ کو علامہ سمحانی مستقیم الحدیث لکھتے ہیں۔ (کتاب الانساب ص ۱۳۴)۔
مولانا ظفر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ سہل بن بکر کا ترجمہ مجھے نہیں مل سکا۔ لیکن کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۱ میں لکھا ہے کہ صحیح
ابوعوانہ کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ (اعلام السنن جلد ۲ ص ۴۹) اور تدریب الراوی ص ۵۵ میں ابوعوانہ کو صحیح کہا گیا
میں شمار کیا ہے اور علامہ ذہبی نے ابوعوانہ کو صحیح المسند کے الفاظ سے بیان کیا ہے (ذکرہ جلد ۲ ص ۱) راقم الحروف
کہتا ہے کہ مبارک پوری صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ وہ ایک سند کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اور حافظ ابو
عوانہ کی سند کا بھی صحیح ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے صحیح میں صحت کا التزام کیا ہے۔ (بلفظ تحقیق الکلام
جلد ۲ ص ۱۸) محقق نیمری نے اس کو متابعت میں پیش کیا تھا (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۵) اور مبارک پوری صاحب
نے تصحیح طلب کی تھی۔ (ابکار المنن ص ۱۵۲) مگر یہ عبارت خود ہی ان کا جواب ہے۔ خود اپنی پسند کے جواب سے
بہتر جواب اور کیا ہو سکتا ہے؟ وکفی بنفسک اليوم علیک حسیا۔ مولانا عبد اللہ صاحب دہلوی مرحوم
نے الکتاب المستطاب ص ۸۶ میں اور مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۱۶ اور ص ۴۱۷ میں ابو عبیدہ اور سہل بن بکر
کے بارے میں اور دوسرے راویوں کا نام فسان المیزان اور کتاب الکئی دو لابی سے نقل کر کے ان کی جو تضعیف
(بقیہ صفحہ پر دیکھئے)

ان تمام صحیح روایات سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنا امام کا کام ہے اور مقتدیوں کا کام صرف خاموش رہنا اور انصاف کرنا ہے اور آپ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جب امام جہر کرے تو تم خاموش رہو بلکہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور یہ مفہوم عبارتہ النص کے طور پر جہری اور ستری سب نمازوں کو شامل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پر فریق ثانی کی طرف سے جو اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔ ان کو نقل کر کے ان کے جوابات بھی ہدیہ ناظرین کر دیے جائیں۔ تاکہ فن روایت اور درایت کے لحاظ سے اس حدیث کی حقیقت بھی آشکارا ہو جائے اور اعتراضات کی پوزیشن بھی واضح ہو جائے۔

پہلا اعتراض

حضرت امام بخاریؒ اور مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سندیں سلیمان تیمیؒ مدلس ہیں اور وہ غصہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس لیے حسب قاعدہ محدثین یہ روایت قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔ (جزء القراءة ص ۵۶، تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۸۴ وغیرہ) جواب۔ یہ سوال بالکل سطحی قسم کا ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدلس راوی جب حدثنا وغیرہ الفاظ سے تحدیث کرے کرے تو تدلیس کا الزام اس پر سے رفع ہو جاتا ہے اور ہم پہلے ابو حوانہ اور ابو داؤد کی صحیح سند کے ساتھ ان کی تحدیث (سلیمان تیمیؒ قال حدثنا قتادة) نقل کر چکے ہیں اور معتمد بن سلیمانؒ پر بھی مدلس ہونے کا الزام ہے۔ مگر ابو حوانہ اور ابو داؤد کی سند روایت ہیں وہ بھی سمعت فرماتے ہوئے تحدیث کرتے ہیں۔

(بچکا صفحہ حاشیہ) کی ہے وہ بالکل غلط ہے۔ بھلا صحیح ابو حوانہ کے یہ ضعیف راوی کیسے ہو سکتے ہیں جو تبصریح محدثین صحیح ہے۔ ابو حوانہ کی سند میں جو راوی ہیں وہ بالکل ثقہ ہیں اور جن راویوں کی انھوں نے نشانہ ہی کی ہے وہ راوی ابو حوانہ کے ہرگز نہیں ہیں۔

۱۔ شرح نکتہ الفکر ص ۵۳، تطبیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۰ اور تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۶۲ وغیرہ میں محدثین کا یہ قاعدہ نقل کیا گیا ہے۔

وثانی - جملہ محدثین کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ اگر مدلس راوی کا کوئی متابع موجود ہو تو تدریس کا عیب اور طعن اس سے اٹھ جاتا ہے۔ چنانچہ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ تدریس کا طعن متابعت سے اٹھ جاتا ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۶۲) اور صحیح ابو عوانہ کی روایت ابو عبیدہ سلیمان تیمی کے متابع ہیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ مولانا محمد حسن صاحب محدث فیض پور بھی فرماتے ہیں کہ صحیح ابو عوانہ کی مستقل سند میں ابو عبیدہ الحداد سلیمان تیمی کے متابع ہیں اور اس کی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ (فی غایۃ الصحیح) (الدلیل المبین) علاوہ انہیں دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۶ میں ان کے دو اور متابع موجود ہیں۔ عمر بن عامر اور سعید بن ابی عمرو جب سلیمان تیمی خود تدریس کرتے ہیں اور ان کے تین ثقہ راوی متابع موجود ہیں تو بھرا اعتراض کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟

دوسرا اعتراض:

حضرت امام بخاری، امام دارقطنی اور امام ابوداؤد وغیرہ فرماتے ہیں کہ واذا قلنا فانصتوا کی زیادت محفوظ نہیں ہے۔

لعمریہ بیہ الا سلیمان التیمی فی
ہذا الحدیث۔ (جزء القراءة ص ۵۶)

کیونکہ سلیمان تیمی کے بغیر اس حدیث میں
یہ زیادت اور کسی سے مروی نہیں ہے۔

و کتاب النکح ص ۱، دارقطنی جلد ۱

ص ۱۲۵ و ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۳۰

۱۔ عمر بن عامر۔ یہ مسلم کے روایت اور رجال میں تھے۔ امام ابن معین اور محدث بخاری ان کو ثقہ کہتے ہیں

اور امام احمد ان کو ثقہ اور ثبت فی الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۶)

۲۔ علامہ ذہبی ان کو الامام، الحافظ اور احدا لاعلام لکھتے ہیں۔ امام ابن معین اور نسائی ان کو ثقہ

کہتے ہیں۔ (مذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۸) امام دارقطنی (المتوفی ۳۸۵ھ) اور امام بیہقی نے اس پر یہ اعتراض

کیا ہے کہ عمر بن عامر اور سعید بن ابی عمرو کی سند میں سالم بن نوح واقع ہے۔ جو قوی نہیں ہے

اس لیے یہ روایت متابعت کے قابل نہیں ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵ و سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۶)

لیکن یہ اعتراض چنداں وزنی نہیں ہے۔ کیونکہ سالم بن نوح سے امام مسلم (مثلاً جلد ۱ ص ۶۳۶،

جواب۔ ان اکابر کا یہ عند قابل سماعت نہیں ہے:

اولاً: اس لیے کہ سیلمان تیمیؒ بلا اختلاف ثقہ اور ثبت، متقن اور حافظ تھے۔ (جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں) اور تمام محدثین کا اس امر میں اتفاق ہے کہ ثقہ کی زیادت قابل قبول ہے۔ چنانچہ نقول ملاحظہ فرمائیں:

علامہ قسطلانی (المتوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ ثقات کی زیادت مطلقہ قابل قبول ہے۔ (قسطلانی جلد ۱ ص ۵۸) علامہ حارمی (الشافعی المتوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہے۔ (کتاب الاعتبار ص ۷) امام ترمذی لکھتے ہیں کہ ثقہ اور حافظ راوی کی زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (کتاب العلل ۲ ص ۲۲) امام حاکم کا بیان ہے کہ فقہائے اسلام کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ متون اور اسانید میں ثقات کی زیادت مقبول ہوگی۔ (مستدرک جلد ۱ ص ۳۱) امام بیہقی لکھتے ہیں کہ محدث ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ حافظ متقن اور مشہور راوی کی زیادت کا انکار ہرگز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کی زیادت بہر حال قابل قبول ہوگی۔ لیکن اگر کوئی ایسا راوی جو اس کے ہم پایہ نہ ہو اور متواتر حدیث میں ایک جگہ زائد کرے تو وہ زیادت قابل قبول نہیں ہے۔ (مجموعہ کتاب القراءۃ ص ۹۵) لیکن سیلمان تیمیؒ تو دوسرے راویوں سے بڑے حافظ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) ۲۹۹ ص ۲۵۶، ۳۵۶ ص ۱۸۹، ۲۷۲ ص ۲۹۵، ۳۳۳ ص ۳۹۴، ۳۹۸ ص ۳۹۸

ذیفر ہیں، اور ابن خزیمہؒ نے اپنے اپنے صحیح میں احتجاج کیا ہے۔ (مجموعہ النسخ جلد ۱ ص ۱۵۲) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ما بعد یشہ بائن ان کی حدیث میں کوئی خرابی نہیں۔ ابو زرؒ نے ان کو روایات میں بہ اور صدقہ لکھتے ہیں۔ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں ما بائن جندک ان میں کوئی خرابی نہیں۔ ابن عدیؒ ان کی حدیثوں کو اقرب الی الصحاح لکھتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ساجیؒ ان کو صدوق اور ثقہ لکھتے ہیں۔ ابن شایبہؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابن قانعؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۴۴۲) فریق ثانی ان کا موازنہ فرما کر محمد بن اسحاقؒ سے کر دیکھے جن کی روایت سے ان کا احتجاج

و بضعہا متبیین الاشیاء

ہے۔ امام دارقطنیؒ نے تشہد کے باب میں وحدۃ الاشریکؒ کی زیادت کو جس میں سیلمان تیمیؒ متفرد ہیں صحیح تسلیم

کیا ہے۔ دیکھو دارقطنی جلد ۱ ص ۱۳۴

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین اور علماء فقہ و اصول اس بات پر متفق

ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادت اور تفرد مقبول ہے۔ (تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۳۱۸) علامہ ماروینیؒ

لکھتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔ (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۵۵) علامہ زیلعیؒ کا بیان ہے

کہ ثقہ متقن اور حافظ راوی کی زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (زیلعی جلد ۱ ص ۳۱۲) حافظ ابن

حجرؒ بھی اس کی تصریح کرتے ہیں۔ (شرح منہج المفکر ص ۳) علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ کی

زیادت مقبول ہے۔ (توجیہ النظر ص ۲۶۳) مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی

جب تنہا کوئی زیادت نقل کرے تو وہ صحیح ہے اور اگر کوئی دوسرا بھی اس کے ساتھ اس

زیادت کو بیان کرتا ہو تو اس کے صحیح ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ (تعلیق المغنی جلد ۲ ص ۳۸۹)

نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ شک نیست کہ زیادت ثقہ مقبول است۔ (ہذا لا بدہ ص ۵۱)

مبارک پوری ص ۱۰۱ لکھتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۵)

مولانا گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اور زیادت ثقہ کی باتفاق جملہ محدثین قدیم و جدیدہ کہ جن میں خود

بخاری علیہ الرحمۃ بھی ہیں صحیح و معتبر ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (ہدایۃ المقتدی ص ۵)

ان تمام اقتباسات سے یہ بات یقیناً اور حتماً ثابت ہو جاتی ہے کہ سلیمان تیمیؒ (جو بلائیکر الامام، الحافظ

ثقف، فہم اور شیخ الاسلام تھے) کی واذا قرأ فانصتوا کی زیادت بالکل صحیح اور معتبر ہے۔ اس

کا انکار کرنا فن حدیث کے طے شدہ اصول سے انحراف کرنا ہے جو یقیناً مردود ہے۔ امام بخاریؒ

فرماتے ہیں کہ

لہذا یہ سب بحث روایتی حیثیت سے تھی اور روایتی لحاظ سے بھی یہ زیادت بالکل صحیح ہے مبارک پوری صاحبؒ

لکھتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت اس وقت شاذ اور ناقابل قبول ہوتی ہے جب اصل روایت کے منافی ہو اگر

اصل اور ما قبل کے منافی نہ ہو تو جمہور محققین کے نزدیک وہ زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (ابکار المنہج ص ۴۱)

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت ما قبل (واما جعل الامام لم یؤتم

بہ) کے ہرگز منافی نہیں ہے بلکہ اس کے عین مطابق ہے کیونکہ انصاف کرنا اور خاموش رہنا تمام امور

اقتدار کے ہرگز منافی نہیں ہے بلکہ جو لوگ امام کے پیچھے قرأت کے وقت خاموشی اختیار نہیں کرتے وہ

درحقیقت مؤتم اور مقتدی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں اس لیے کہ ان کی امام کے پیچھے قرأت کرنا سراسر

والزيادة مقبولة والمفسر يقضى على المذهب
اذا رآه اهل الثبوت... ۱۰ (بخاری ج ۲۸)

امام خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ

قال الجمهور من الفقهاء واصحاب
الحديث زيادة الثقة مقبولة اذا انفرد
بها... ۱۰ (کفایۃ ص ۲۷۳)

زیادت مقبول ہے اور مفسر روایت مبہم پر
حکم ہے جب کہ اہل ثبوت اس کو روایت کریں۔

جمهور فقہاء اور محدثین یہ فرماتے ہیں کہ ثقہ
راوی جب منفرد ہو تو اس کی زیادت قابل قبول ہے

اور مختلف اقوال و آراء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

والذي فختاره من هذه الاقوال ان
الزيادة الواردة مقبولة على كل الوجه
ومعمول بها اذا كان راويها عدلاً
حافظاً ومتقناً ضابطاً... ۱۰ (کفایۃ ص ۳۷۵)

ان اقوال میں سے جو قول ہم اختیار کرتے ہیں
وہ یہ ہے کہ زیادت جہاں بھی وارد ہو وہ بہر صورت
مقبول اور قابل عمل ہے جب کہ اس کا راوی عادل
حافظ اور متقن ضابطہ ہو۔

اور نواب صاحب فرماتے ہیں کہ و نیز زیادت ثقہ مقبول است مطلقاً نزد جہاں ہیراز

اہل حدیث و فقہ و اصول قالہ النووی... ۱۰ (ہدایۃ السائل ص ۱۹) اور علامہ محدث حسین
بن محسن انصاری نے شاذاور معلل پر بڑی نفیس بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ جب ثقہ راوی
زیادت نقل کرے تو وہ مستقل حدیث کے حکم میں ہے اس کو رد کرنے کا کیا معنی ہے (البین المکمل
ص ۱۰، المنضم مع الدارقطنی) اور امام نووی لکھتے ہیں کہ

ومذهب الجمهور من الفقهاء والمحدثين
قبولها مطلقاً (تقریب النواوی مع تدوین
الراوی ص ۱۰۶)

جمهور فقہاء اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ
زیادت ثقہ مطلقاً مقبول ہے۔

اور علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ

وقد ادعى ابن الطاهر انه اتفاق على
هذا القول... ۱۰ (تدوین الراوی ص ۱۵۶)

اور ابن طاہر نے دعویٰ کیا ہے کہ اس قول پر
سب اتفاق ہے۔

(بقیہ ماشیہ پچھا صفر) اقتدار کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۲۴)

مؤلف خیر الکلام ص ۲۸۸ میں ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوا تو اس صورت میں ان کا تفرّد کوئی مضر نہیں ہوگا۔۔۔ اھ

حافظ ابن حجر ایک مقام پر لکھتے ہیں :

وعلى تقدير تعدد الروايات لا يضر

ولا يستلزم ذلك تخطئة الرواة

زائدة من ثقة حافظ غير منافية

لرواية رفيقه فتقبل ولا تكون شاذة

وله معنى لرد الروايات الصحيحة بهذه

التعليلات الوهمية - (فتح الباری جلد ۱)

ص ۲۴۴ طبع مصر۔)

اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس زیادت کے ذکر کرنے میں اور اعلیٰ متفرد ہے تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کی خطہ ہے کیونکہ یہ ثقہ اور حافظ کی زیادت ہے اور یہ اس کے باقی روایت کے منافی نہیں ہے سو یہ قابل قبول ہے اور شاذ نہیں ہے اور صحیح روایات کو ان رنگ بھانوں سے (کہ یہ شافعی) ٹھکرانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

اور قاضی شوکانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۱۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

اور شاذ کہہ کر روایت کو مطول قرار دینے کی طرف

ولا يلتفت الى تعليل الحديث به اذا كانت

کوئی وجہ نہیں کی جاسکتی جبکہ رافع ثقہ ہے۔

الرافع ثقة۔ (نیل جلد ۱ ص ۱۱۲)

حضرات محدثین کرام، فقہار عظام اور ارباب اصول کا یہ اتفاقی اجماعی اور طے شدہ قاعدہ

ہے کہ جب راوی ثقہ اور حافظ ہو اور وہ زیادت نقل کرے تو مطلقاً اس کی روایت مقبول ہے

اور بحمد اللہ تعالیٰ سلیمان تیمی ثقہ اور حافظ ہیں لہذا ان کی زیادت و اذکاراً فانصتوا بہر حال مقبول

ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا (ص ۱۵۱، ص ۱۵۲) میں) اور اسی طرح قاضی

قاضی مقبول احمد صاحب کا (ملاحظہ ہو الاعتصام ص ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء)

امام بیہقی کی تقلید میں اس کو شاذ کہنا بالکل غلط اور قطعاً باطل ہے اور تمام اصول کے خلاف ہے۔

جس کی حیثیت ایک پرکاش کی بھی نہیں ہے اور اصول حدیث کے پیش نظر اس کو کوئی سننے کے لیے

تیار نہیں ہے۔ اپنے جی کو خوش کرنے یا اپنے حواریوں کا غم ہلکا کرنے کے لیے وہ بڑے شوق سے

اس کو شاذ کہتے پھریں۔

وثانیاً۔ اس زیادت کے نقل کرنے میں سلیمان تیمی متفرد نہیں، بلکہ صحیح ابو حواری کی روایت

میں ابو عبیدہ بھی اس زیادت کو نقل میں سلیمان تیمی کے ساتھ ہیں اور ابو عوانہ کی سند کا صحیح ہونا خود مبارک پوری صاحب کو بھی مسلم ہے۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ نیز عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ بھی اس زیادت کو بیان کرتے ہیں اور دونوں فقہ ہیں اور ان کی سند علی شرط مسلم صحیح ہے کما مٹ۔ الغرض فریق ثانی کا یہ اعتراض سراسر باطل ہے اور یہ اس حدیث کی صحت پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ

وما علہ البخاری فلیس بقادح فی صحیحہم امام بخاری (وغیرہ) نے اس حدیث کو معقول ٹھہرا
(تنوع العبادات من) کی جو کوشش کی ہے تو اس سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

الحاصل سلیمان تیمی کی یہ روایت بلا شک و شبہ بالکل صحیح ہے اور اس میں ان کی غلطی بتلانہاں پر بہتان باندھنا ہے۔ امام احمد سے کسی نے سوال کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ سلیمان تیمی نے خطا کی ہے تو امام احمد نے جواب دیا جس شخص نے سلیمان تیمی کی طرف خطا کی نہ بیت کی ہے وہ ان پر بہتان باندھتا ہے (المجہد النقی جلد ۲ ص ۱۵۵) اس روایت میں اصل قصور اور خطا ان روایت کی ہے جنہوں نے یہ صحیح زیادت تک کر دی ہے۔ فساہمہم اللہ تعالیٰ بعونہ فضلہ۔ مؤلف خیر الکلام نے اپنے پیشرو حضرات کے نقش قدم پر چل کر اذا قرأنا نصتوا کی زیادت کو اثری چوٹی کا نور لگا کر دھینگا دھینگا غیر مقبول اور شاذ بنانے کی کوشش ناکام کی ہے۔ اور شاذ کی تعریف پر مطلقاً غور نہیں کیا اور غور کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ پھر تو قلعی کھل جاتی تھی اگرچہ انہوں نے ص ۱۸۱ میں شرح شعبہ اور مقتا بن الصلاح وغیرہ سے شاذ کی تعریف نقل کی ہے لیکن لفظ یخالف فیہ الناس پر غور نہیں کیا شاذ کی تعریف نیسے حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ

قال الشافعی لیس الشاذ من الحدیث ان یروی الثقة ما لا یرویہ غیرہ هذا لیس بشاذ وانما الشاذ ان یروی المتحدین یا یخالف فیہ الناس
شاذ وہ حدیث نہیں ہے جس کو ثقہ روا کرے اور دوسرے روایت نہ کرتے ہوں بلکہ شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ روایت کرتا ہو مگر اس میں دوسرے لوگوں کی مخالفت کرے

یہ ہے شاہد۔

هذا الشاذ من الحديث

(معرفة علوم الحديث ص ۱۹)

(ام مسلم فرماتے ہیں کہ

وعلمته المنكر في حديث المحدث

اذا ما عرضت رواية الحديث على رواية

غيره من اهل الحفظ والرضى خالفت

روايتهم اولم تكن قوافقها فاذا كانت

ازد غلبا من حديثك ذلك كان مهجورا

الحديث غير مقبولة ولا مستعملة۔

... ۱ (مسلم جلد ۱ ص ۵)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ

لان الزيادة اما ان تكون لا تنافي

بينها وبين رواية من لم يذكرها

فهذه تقبل مطلقا لانها في حكم الحديث

المستقل الذي يتفرد به الثقة ولا يرد

عن شيخه غيره واما ان تكون منافية

بحيث يلزم من قبولها رد الرواية

الآخرى فهذه هي التي يقع الترجيح

بينها وبين معارضتها فيقبل الراجح

ويرد المنجوح ... ۲

(شرح نخبه الفکر ص ۱۴)

اور تدریب الراوی میں ہے۔

اور محدث کی قابل انکار حدیث کی علامت

یہ ہے کہ جب اس کی روایت دوسرے اہل حفظ

اور پسندیدہ راویوں کی روایت پر پیش کی جائے تو

اس کی روایت ان کی روایت کے مخالف ہو یا ممکن

ہی نہیں کہ اس کے موافق ہو پس جب اس کی حدیث

پر غلبہ یہ ہو تو اس کی حدیث متروک اور غیر مقبول

ہوگی اور قابل عمل نہ ہوگی۔

کیونکہ زیادت یا تو ایسی ہوگی کہ اس میں اور

دوسرے راویوں کی روایت میں تضاد ہے اس کو

ذکر نہیں کیا منافاة نہ ہوگی تو ایسی زیادت مطلقاً

مقبول ہے کیونکہ یہ مستقل حدیث کے حکم میں ہے

جس کے بیان میں ثقر راوی منفرد ہو اور اس کے

خبر سے اور کوئی روایت نہ کرتا ہو اور یہ زیاد

ایسی ہوگی کہ وہ دوسرے راویوں کی روایت

کے منافی ہوگی اس حیثیت سے کہ اس کے قبول

کرنے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو تو

اس میں اور اس کی معارض میں ترجیح کا سوال ہوگا

راجح کو قبول کیا جائے گا اور مرجوح کو رد کیا جائے گا۔

پھر حضرات محدثین شذوذ کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ ثقہ راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے اور متقدمین ائمہ حدیث مثلاً ابن عمرؓ، یحییٰ القطان، احمد، ابن معین، ابن المدینی، بخاری، ابو زرعة، ابو یوسف، نسائی اور دارقطنی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ اعتبار ترجیح کا اس منافی زیادت سے متعلق ہے جس کا قبول کر لینا دوسری روایت کے رد کو مستلزم ہو۔

ثم يفسرون الشذوذ بمخالفة الثقة من هو اوثق منه والمنقول عن ائمة الحديث المتقدمين كابن مهدي ويحيى القطان واحمد وابن معين وابن المديني والبخاري وابي زرعة وابي حاتم والنسائي والدارقطني وغيرهم اعتبار لترجيح فيما يتعلق بالزيادة المنافية بحديث يلزم من قبوله رد الرواية الاخرى . اهـ (تدريب الراوي ص ۱۵۷)

اور ترجیح النظر میں ہے۔

وزيادة راوی الصحيح والحسن تقبل مطلقاً ان لم تكن منافية لرواية من لم يذكرها لانها حينئذ كالحدث المستقل الذي ينفرد به الثقة ولو يرويه عن شيخهم غير فان كانت منافية لها بحديث يلزم من قبولها رد الرواية الاخرى بحسب عن الراجح منهما فان كان الراجح منها رواية من لم يذكر تلك الزيادة لمزيد ضبطه او كثرة عدله او غير ذلك من موجبات الرجحان ردت تلك الزيادة وان كان الراجح

صحیح اور حسن کے راوی کی زیادت مطلقاً مقبول ہے اگر وہ ان راویوں کی روایت کے مخالف نہ ہو جنہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ اس وقت مستقل حدیث کے حکم میں ہے جس کو ثقہ راوی انفرادی طور پر بیان کرتا ہے اور اس کے شیخ سے کوئی اور اس کا راوی نہیں ہے۔ پس اگر وہ زیادت دوسری روایت کے جس میں زیادت نہیں ہے بایں طور منافی ہو کہ اس زیادت کے قبول کر لینے سے اس روایت کا رد لازم آتا ہو تو یہاں راجح و مرجوح کی بحث چلے گی۔ اگر راجح ان راویوں کی تھا ہے جنہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ مزید ضبط

منہارواۃ من ذکر تلك الزیادة یا کثرۃ عدو یا ترجیح کے اور اسباب میں سے
قبلت ھ

(توجیہ النظر ص ۲۱۹ و ۲۲۰) اور اگر راجح اس کی روایت ہے جس نے اس
کو ذکر کیا ہے تو زیادت قبول کر لی جائے گی۔

ان تمام اقتباسات سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ مشاذ اور غیر
مقبول روایت میں حضرات محدثین کرام کے نزدیک ایک بنیادی شرط ہے وہ یہ کہ
اس کی روایت باقی ثقات کی روایت کے مخالف اور منافی ہو اور مخالفت اور منافات
بھی بایں طور کہ اس کے تسلیم کر لینے سے ان باقی ثقات کی روایت (جس کو وہ اپنے شیخ
سے صحیح اور متصل سند کیساتھ روایت کرتے ہیں اور ان میں وجہ ترجیح بھی موجود ہیں جن کو نظر انداز نہیں
کیا جاسکتا۔) کا رد لازم آتا ہو اور اس زیادت کی اصل حدیث کے ساتھ موافقت
کی مطلقاً کوئی راہ نہ پیدا ہوتی ہو (اولہ تکتہ تواخفا) لیکن یہاں واذقرا فانصتوا کی
زیادت کا معاملہ ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ اس کی اصل روایت سے قطعاً کوئی مخالفت
اور منافات نہیں ہے بلکہ یہ تو حدیث کے اول حصہ کی مؤید ہے جیسا کہ ہم نے شیخ الاسلام
ابن تیمیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کا کوئی جواب مؤلف خیر الکلام نے نہیں دیا بلکہ حوالوں
کو مغالطہ دینے کے لیے یہ لکھ مارا ہے کہ قبول کرنے والوں نے شذوذ کا کوئی جواب نہیں دیا
(ص ۴۲۲) ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ واذقرا فانصتوا کی زیادت انما جعل الاماھر
لیؤتویہ کی عین مؤید ہے۔ اس کے منافی اور مخالف ہرگز نہیں اس لیے یہ کسی صورت
میں مشاذ اور غیر مقبول نہیں ہے۔ رہا مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ جو لوگ اس زیادت کو بقیہ
حدیث کے منافی قرار دیتے ہیں۔ ان کی تقریر یہ ہے کہ شروع حدیث میں یہ جملہ ہے انما
جعل الاماھر لیؤتویہ کہ امام کی پیروی کرو اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ لفظ بھی
ہے فلا تختلفوا علیہ سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۹ اس کے ساتھ مخالفت نہ کر یعنی جس طرح
امام کرے اسی طرح کرو اس جملہ کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے پڑھے (محصلہ
ص ۴۳۱) تو یہ سب ان کی غفلت کا نتیجہ ہے :

اولاً۔ اس لیے کہ حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت میں انما جعل الامام لیؤتم بہ کا حصہ عمر بن عاص اور سعید بن ابی عروبہ کے طریق سے آتا ہے اور مؤلف خیر الکلام تو ضحیٰؓ میں ان کی حدیث کو سٹاؤں گے ہیں۔ پھر بقول ان کے اس شاذ پر بنیاد رکھنا کیونکر صحیح ہے؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس روایت کا راوی سالم بن نوح ہے جو مؤلف خیر الکلام کے نزدیک ضعیف ہے۔

وثانیاً۔ فلا تختلفوا علیہ کا جملہ محمد بن حجلان کی روایت میں ہے اور وہ ان کے نزدیک وہی ہیں پھر اس کا کیا اعتبار؟

وثالثاً۔ اگر امام کی مخالفت کا یہی معنی ہے تو مقتدی نہ صرف یہ کہ سورۃ فاتحہ ہی پڑھیں بلکہ مازاد بھی پڑھیں اور ہر کے ساتھ پڑھیں اور ہر ایک امام کی طرح مصلیٰ پر کھڑا ہو۔ کیونکہ جو امام کرتا ہے سو مقتدی بھی کریں فلا تختلفوا علیہ پر پورا عمل ہونا چاہیے۔ الغرض ان رکینے جہت سے اس صحیح زیادت کا انکار اور اس کو سٹاؤں گے سراسر باطل ہے۔

تیسرا اعتراض۔
مبارک پوری صاحبؒ (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں قنادہ مدلس ہے اور عنعنہ سے روایت کرتا ہے اور مدلس کی معنی روایت قابل التفات نہیں ہوتی۔
(تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۸۱ و ابکار المنن ص ۵۸ وغیرہ)

جواب: یہ اعتراض بھی باطل ہے:
اولاً۔ اس لیے کہ یہ روایت مسلم کی ہے اور بخاری و مسلم کی ثقہ ذات سے مروی جملہ روایات کے صحیح ہونے پر اُمت کا اجماع و اتفاق ہے۔ اگر صحیحین کی معنی حدیثیں صحیح نہیں ترا امت کا اتفاق اور اجماع کس چیز پر واقع ہوا ہے جبکہ راوی بسبب ثقہ ہیں وثانیاً۔ یہ روایت ابو عوانہ کی ہے اور باقر مبارکپوری صاحبؒ انھوں نے اپنے صحیح میں صحت کا التزام کیا ہے۔ لہذا قنادہ کی اس سند کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔

وثالثاً۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ مدلس راوی کی تدلیس صحیحین میں کسی طرح بھی مضر نہیں ہے لہٰذا صحیحین کی تدلیس کے مضر نہ ہونے کا یہ قاعدہ امام نووی و قسطلانی کے علاوہ علامہ عینی (المتوفی ۹۰۲ھ) (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں کہ

وعانی الصحيحین من التالیس فمحمول

صحیح بخاری و مسلم میں جو تالیس واقع ہو تو وہ دوسرے

علی السماع من جملۃ آخری۔

دلائل سے سماعت پر محمول ہے۔

(مقدمہ ص ۱۸ و شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۱)

یعنی اگر صحیحین میں کوئی حدیث راوی عنہ سے روایت کرتا ہے تو محدثین کرام کے نزدیک وہ ایسی ہے جیسے اس راوی نے حدیث اور اخبار وغیرہ سے تحدیث کی ہو اور علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں کہ امام اعظمؒ، قتادہؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ سے بخاری و مسلم میں جو روایتیں عنہ سے مروی ہیں وہ سماع پر محمول ہیں۔ اگرچہ ہمیں ان کی تحدیث پر اطلاع نہ ہو سکے۔ کیونکہ امام بخاری و مسلم سے متعلق ہم یہی اچھا اور نیک گمان قائم کر سکتے ہیں۔ (قسطلانی جلد ۱ ص ۹) امام بسکیؒ نے علامہ مزنیؒ سے سوال کیا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جو روایتیں عنہ کے ساتھ نقل کی ہیں کیا ان میں صراحت کے ساتھ تحدیث بھی ثابت ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اکثر روایات میں اس کا ثبوت موجود نہیں ہے مگر ہمیں تحسین ظن کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ (تدریب الراوی ص ۵۹) مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۶۰ میں یہ لکھ کر اپنا دل خوش کر لیا ہے کہ مگر یہ قاعدہ ان احادیث میں چلتا ہے جہاں تنقید نہ ہوتی ہو۔ یہ قاعدہ ہر جگہ جاری نہیں ہوتا۔۔۔ الخ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ قاعدہ مذکورہ بخاری و مسلم کی تمام حدیثوں سے متعلق ہے صحیحین کی کوئی حدیث اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں اور ایسی کوئی تنقید ان پر نہیں ہو سکتی جس سے انکی حدیثیں ضعیف ہو سکے لہذا صحیحین کے روایت کی تالیس کی آڑ لے کر صحیح حدیث کا انکار کرنا قانون روایت اور فن حدیث کے بالکل خلاف ہے جو ہر صورت مردود ہے ہاں اگر کوئی راوی ضعیف ہو تا تو معاملہ جدا ہوتا۔

و رابعاً۔۔۔ قتادہؒ کا شمار طبقہ اولیٰ کے ان مدلسین میں ہوتا ہے جن کی تالیس کسی کتاب میں مضر

(بقیہ حارثہ پیچھا صفحہ) نے فتح المغیث ص ۷۷ میں اور امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی ص ۱۴۴ میں اور

محدث عبد القادر القرشیؒ (المتوفی ۷۷۵ھ) نے المعجم فی المضمیہ جلد ۲ ص ۴۶۹ میں اور نواب صاحبؒ نے

پایۃ السائل ص ۱۹ میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

نہیں ہے۔ چنانچہ امام حاکمؒ لکھتے ہیں کہ مدلسین کا ایک گروہ وہ ہے جو اپنے جیسے یا اپنے سے بڑھ کر یا اپنے سے کچھ کم ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے، مگر وہ اس زمرہ سے خارج نہیں جس کی روایتیں قابل قبول ہوتی ہیں سو ایسے مدلسین میں ابوسفیانؒ، طلحہؒ بن نافعؒ اور قتادہؒ بن دعامةؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۱۰۳) علامہ جزائریؒ علامہ ابن حزمؒ سے محدثین کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ان مدلسین کی فہرست بتاتے ہیں جن کی روایتیں باوجود تدلیس کے صحیح ہیں اور ان کی تدلیس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

منہم کان جلة اصحاب الحدیث والائمة
المسلمین کالحسن البصری وابی اسحاق السبئی
وقتادہ بن دعامة وعمر بن دینار وسلیمن
الا عمش وابی لزبیر وسفیان الثوری
وسفیان بن عیینة۔ (توجیہ النظر ص ۲۵۱)

ان مدلسین میں جلیل القدر محدث اور مسلمانوں کے امام شامل ہیں جیسے حسن بصریؒ، ابواسحاق السبئیؒ، قتادہ بن دعامةؒ، عمر بن دینارؒ، سلیمانؒ، ابوالزبیرؒ، سفیان ثوریؒ اور سفیان عیینہؒ وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ پہلے تو صحیحین میں کسی راوی کی تدلیس مضر نہیں۔ قتادہؒ کی ہوا کسی اور راوی کی اور پھر قتادہؒ کا شمار محدثین کے نزدیک ان مدلسین میں ہوتا ہے جن کی تدلیس کسی محل اور کسی موقع پر مضر نہیں ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام دارقطنیؒ نے جو یہ کہا ہے کہ قتادہؒ رج مدلس ہیں۔ لہذا یہ روایت متصل نہیں مردود ہے اس لیے کہ ولا مثک عندنا ان مسلماً رحمہ اللہ تعالیٰ یعلم هذه القاعدة و یعلم تدلیس قتادہؒ فلولا ثبوت سماعہ عندہ لم یحتج بہ الی ان قال و نسبہ الی مثل قتادہؒ الذی محله من العدة والحفظ والعلم والغایة العالیة (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۹) — اور پھر اسے نزدیک اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ امام مسلمؒ رج مدلس ہے یہ قاعدہ جانتے ہیں کہ مدلس کا عہدہ قبول نہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ قتادہؒ رج مدلس ہیں۔ اگر امام مسلمؒ کے نزدیک قتادہؒ کا سماع ثابت نہ ہو تو وہ اس سے احتجاج نہ کرتے۔ (پھر آگے فرمایا) اور امام دارقطنیؒ نے قتادہؒ جیسی شخصیت کی طرف ایسی بات منسوب کی ہے جن کا مقام عدالت اور حفظ اور علم اور کمال کے انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔ — یہ حضرات محدثین کرامؒ کا طے شدہ ضابطہ ہے۔ علامہ ابن حزمؒ کی ظاہریت نہیں جیسا کہ مؤلف خیر الکلامؒ نے کہا ہے اور امام حاکمؒ نے بھی

ہر مسلم کی سب باتیں صحیح نہیں کیونکہ انہی بعض روایتوں پر تنقید ہو چکی ہے تو پھر پیر صاحب اور خودی صاحب کا یہ تصور ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں بخاری مسلم کی سب باتیں صحیح نہیں ہیں اور یہی فریق ثانی کے شیخ الحدیث صاحب کہہ رہے ہیں مگر کسی غیر مقلد کو اس پر ادبلا مچانے کی توفیق نہیں ہوتی؟ آخر کیوں؟ اگر انہی رائے کے مطابق کوئی اور بھی صحیحین کی بعض روایتوں پر تنقید کرے تو انکو چین چین نہیں ہونا چاہیے۔ بلا شک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبقات

المدلسین میں قتادہ رحمہ کو تیسرے طبقہ کا مدلس کہا ہے مگر آخر میں اس سے رجوع کر لیا ہے۔ چنانچہ قاضی شوکانی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وَنَقَلَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لَسْتُ رَاضِيًا عَنْ شَيْءٍ
مَنْ قَصَدَ نَيْفِي أَوْ نَهْلَ عَمَلَتَهَا فِي ابْتِدَاءِ الْأَمْرِ
ثُمَّ لَمْ يَتَلَيَّأَنَّ مِنْ عَمْرِو هَامَعِي سَوِي شَرِجِ
الْبُخَارِيِّ وَمَقْدَمَتِهِ وَالْمُسْتَبْتِ وَالْمُهَذَّبِ
وَلِسَانِ الْمِيزَانِ وَوَدَى عَنْهُ فِي مَوْضِعٍ
آخِرٍ نَهْ أَشْيَ عَلَى شَرِّحِ الْبُخَارِيِّ وَالتَّعْلِيقِ
وَالضَّبَّةِ اهـ (البد والظالم هُنَّ طبع اول
مجلد ۳۷ ص ۱۷۸)

حافظ ابن حجر سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں اپنی کسی تصنیف پر راضی نہیں ہوں کیونکہ وہ میں نے ابتداء کی دو رمیں لکھی ہیں اور تحریر کے بعد ابوالفریق بھی مجھے میسر نہ ہو سکا (اس لیے ان تصانیف میں سقم رہ گیا ہے) ہاں فتح الباری اس کا مقدمہ مشتبہ تہذیب اور لسان المیزان پر میں خوش ہوں اور ان سے دوسری جگہ مروی ہے کہ انھوں نے فتح الباری، تعلیق اور ضبہ کی بڑی تعریف کی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ مصروف بغیر ان چند کتابوں کے جن میں فتح الباری بھی ہے اپنی اور کسی تصنیف پر نہ راضی ہیں اور نہ اعتماد کرتے ہیں کیونکہ زندگی کے ابتدائی دور میں وہ کتابیں لکھی ہیں جن میں علم و عقل خام ہوتے ہیں اور قابل اعتماد و فریق بھی ان کو نصیب نہیں ہو سکا۔ تاکہ اس کی اصلاح شامل ہو جاتی اور ان کی ابتدائی کتابوں میں طبقات المدلسین بھی ہے۔ بخلاف اس کے فتح الباری اور دیگر چند کتابوں پر جن کے نام اوپر بیان ہو چکے ہیں وہ بڑے راضی ہیں اور فتح الباری (مثلاً جلد ۱ ص ۲۰۶ وغیرہ) میں قتادہ کی مضعن روایت کو صحیح کہہ رہے ہیں۔ لہذا انھوں نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع کر لیا ہے۔ اور مؤلف خیر الکلام ص ۲۰۶ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں قتادہ ہے جو تیسرے طبقہ کے مدلسین سے ہے اور یہاں عن کے ساتھ روا کرتا ہے مگر بعض علماء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے..... الخ مؤلف مذکور نے اس روایت

سے استدلال کیا ہے اور اس کی صحت پر کوئی کلام نہیں کیا کیوں؟ اس لیے کہ :

اسخبر کو ہم دونوں دیر جاناں پہ جا ملے

۲
و ثانیاً۔ حضرات محدثین عظام رحمہ کے ضابطہ پر تو مؤلف خیر الکلام مطمئن نہیں ہیں اور سلیمان شاذ کوئی کی لاتوں کا سہارا تلاش کرتے ہیں اور یہ بتانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کہ وہ کون ہے؟ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ فیہ نظر ابن معینؒ نے اس کو حدیث میں جھوٹا کہا۔ ابو حاتم رحمہ اس کو متروک الحدیث اور نسائیؒ لیس بشقہ کہتے ہیں اور صالح جزیرہؒ فرماتے ہیں کان یکذب فی الحدیث کہ حدیث میں جھوٹ کہنا تھا اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ شراب پیتا اور یہودہ حرکتوں میں آلودہ تھا اور نیز فرمایا کہ در بدمیک میں شاذ کوئی سے بڑا جھوٹا اور کوئی داخل نہیں ہوا۔ بغویؒ فرماتے ہیں کہ رعاه الاثمۃ بالکذب ائمہ حدیث نے اس کو جھوٹ سے متهم کیا ہے اور امام بخاریؒ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ کان یضم الحدیث کہ وہ جعلی روایتیں بنایا کرتا تھا۔ امام ابو احمد الحاکمؒ اس کو متروک الحدیث اور امام ابن ہندؒ اس کو ضعیف اور نامراد کہتے تھے۔ امام عبدالرزاقؒ نے اس کو عدو اللہ کذاب اور غیبت کہا اور علی جزیرہؒ کہتے ہیں کہ آثافاً سندیں گھڑ لیتا تھا تھا اور صالح بن محمدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ کذاب اور لونڈے بازی سے متهم تھا۔ (محصلہ لسان المیزان جلد ۳ ص ۸۴ تا ۸۷) یہ ہے مؤلف خیر الکلام کا وکیل لاحول ولا قوۃ الا باللہ امام بخاریؒ نے شعبہ کے طریق کے علاوہ بھی بغیر تخریث اور سوائے متابعت کے قنادہ کی بہت سی روایتیں لی ہیں۔ مثلاً جلد ۱ ص ۷۶، ص ۸۱، ص ۸۲، ص ۱۳۸، ص ۱۴۰، ص ۱۵۲، ص ۱۷۶، ص ۱۷۸، ص ۱۷۹، ص ۲۵۷، ص ۲۷۸، ص ۳۲۵، ص ۳۳۰، ص ۳۳۱، ص ۳۳۲، ص ۳۳۳، ص ۳۸۳، ص ۳۸۵، ص ۴۰۱، ص ۴۱۱، ص ۴۸۱، ص ۴۸۴ وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان تمام روایتوں کو ضعیف سمجھا جائے۔ مؤلف خیر الکلام ہوش میں آکر جواب دیں۔ نرمی تغافل بیکار ہے۔
و ثالثاً۔ امام دارقطنیؒ ایک سند اس طرح نقل کرتے ہیں: عن قتادة عن ابی غلاب عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی.... ۱۱ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ و هذا اسناد متصل حسن (جلد ۱ ص ۱۳۲) یہاں قنادہ عن سے روایت کرتے ہیں لیکن امام دارقطنیؒ اس کو متصل اور حسن کہتے ہیں۔

لطیفہ : اس حدیث میں سلیمانؑ کی وحدہ لا شریک لہ کی زیادت نقل کرنے میں متفرد ہیں اور امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ خالفہ ہشام وسعید وابان وابو عوانہ وغیرہم عن قتادہ... اھ کہ یہ سب راوی سلیمانؑ کی مخالفت ہیں۔ بایں ہمہ یہ روایت نہ معطل ہے اور نہ شاذ بلکہ متصل اور حسن ہے مگر افسوس کہ یہی سلیمانؑ تھی جب واذا قرأ فانصتوا کی زیادت نقل کریں اور ان کے ثقہ متابع بھی موجود ہوں تو روایت فوراً شاذ ہو جائے آخر کیوں؟

وایضا۔۔۔ محدث کبھی یوں ہوتی ہے کہ خود راوی کہتا ہے حدثنی فلاں یا سمعت فلاں یا اسی قسم کے اور الفاظ استعمال کرتا ہے اور کبھی لفظ عن ہوتا ہے لیکن اوپر کاراوی حدیث یا محدث کہتا ہے یہ بھی تحدیث ہی ہوتی ہے اور واذا قرأ فانصتوا کی تواتر میں قتادہ کی تحدیث موجود ہے لہذا ان کو مدلس کہہ کر ان کی روایت کو رد کرنا قطعاً باطل اور یقیناً مردود ہے۔ چنانچہ ابو داؤد اور ابو عوانہ میں یوں ہے کہ

المعتمد قال سمعت ابی ثناء قتادہ عن ابی غلاب یحدثہ عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی... ۱۰۰
(ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۳۲، ابو عوانہ ج ۲ ص ۱۳۲)
معتبر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (سلیمانؑ) سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قتادہ نے بیان کیا وہ ابو غلاب سے روایت کرتے ہیں انھوں نے قتادہ سے بطریق حطان بن عبد اللہ الرقاشی حدیث بیان کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو غلاب نے قتادہ سے حدیث بیان کی ہے۔ تحدیث اور کیا ہوتی ہے؟ اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یحدثہ اسی یحدث ابو غلاب قتادہ یعنی ابو غلاب نے قتادہ سے حطان بن عبد اللہ عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی... ۱۰۰
(بذل المجہود جلد ۲ ص ۱۳۱) ہے۔

اس لیے قتادہ کی تدلیس کا بہانہ بھی سراسر باطل ہے کیونکہ اس روایت میں تحدیث موجود ہے صرف غیر بالغ نظر لوگوں نے لفظ عن سے دھوکا کھایا اور دیا ہے۔ امام نوویؒ

لکھتے ہیں کہ

وَكَذَلِكَ قَالَ وَحَدَّثَ وَذَكَرَ وَشَبَّهَ فَكَلَّمَهُ
مَحْمُولٌ عَلَى الرَّاحَةِ تَصَالٍ وَالسَّمَاعِ -

(شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۱) ہیں۔

لہذا اصول حدیث کے رُوسے قنادہ کی یہ روایت متصل اور صحیح ہے باقی خواتین بدرا بہانہ ہائے بسیار مؤرخ اسلام علامہ عبد الرحمن بن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) بخاری اور مسلم کی صحت اور مزینیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وَمِنْ أَيْدِي هَذَا قِيلَ فِي الصَّحِيحِينَ
بِإِجْمَاعٍ عَلَى قَبُولِهَا مِنْ جِهَةِ الرِّجَالِ
عَلَى صِحَّةِ مَا فِيهَا مِنَ الشَّرْطِ الْمَتَّفِقِ
عَلَيْهَا فَارْتَأَى أَنْ يَتَّخِذَ ذَلِكَ رِبْعَةً فَاَلْتَقَى
أَحْقَاقُ مَنْ بِالظَّنِّ الْجَمِيلِ بِهِمْ -

اور صحیح مسلم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
ثُمَّ جَاءَ الرَّاهُ مَامُ مُسْلِمَ بْنِ الْحَجَّاجِ الْقَشِيرِيِّ
رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَالْتَفَّ مَسْنَدَهُ الصَّحِيحَ
حَذَافِيهِ حَذَّوَالْبَخَارِي فِي نَقْلِ الْمَجْمَعِ
عَلَيْهِ... ۱۰۰ (مقدمہ ص ۴۴۵)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ
وَلَكِنَّ الشَّيْخَانَ لَا يَذْكُرَانِ الْوَحْدِيَّةَ قَدْ تَنَظَّلَا
فِيهِ مَشَافَهَتُهُمَا وَاجْتَمَعَا عَلَى الْقَوْلِ بِهِ
وَالْتَصَحُّوحِ لَهُ بِهِ (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۱۳۱)

تصحیح پر ان سب کا اجماع ہو چکا ہے

اور علامہ حسین بن عسکری لکھتے ہیں کہ

وقد حصل الاتفاق على الحكم بصحة
ما في الصحيحين غير المستثنى... ۵۱
بے شک اس بات پر اتفاق حاصل ہو چکا ہے کہ بخاری
اور مسلم میں تمام روایتیں بغیر استثناء کے صحیح ہیں۔
(البیان للکامل ص ۲)

حضرات محدثین کرام کا یہ فیصلہ ہے لیکن غیر مقلدین حضرات کے شیخ الحدیث صاحب نگارؒ
اور مسلم کی صحیح روایات کو بھی دودی صاحب اور پرویز صاحب کی طرح تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔
فواہم نظام۔ ترجمان الحدیث ماہ نومبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۳۲ میں جو بات ہمارے حق میں لکھی ہے وہ
خود ان حضرات پر سو فیصد فٹ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

”ہم ناظرین کرام سے ایمان اور دیانت داری کا واسطہ دیکر پوچھتے ہیں کہ اگر محدثین اور
رداء حدیث کے متعلق یہ رائے صحیح ہے جس کا اظہار یہ حضرات کر رہے ہیں تو ازراہ انشاء
بتلا یا جائے کہ کیا محدثین کی امانت و دیانت محفوظ رہی؟ منکرین حدیث نے آخر کو لسا
تیر مارا جس کے زخموں سے ہم پریشان ہیں؟“

چوتھا اعتراض۔ مبارکپوری صاحب (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت
کو امام بخاریؒ، ابو داؤدؒ، ابو حاتمؒ، ابن معینؒ، حاکمؒ، دارقطنیؒ، ابن خزیمہؒ، ذہبیؒ، ابو علی نیشاپوریؒ اور
امام بیہقیؒ وغیرہ تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے یہ زیادت صحیح نہیں ہو سکتی۔ (تحقیق الکلام جلد ۳ ص ۸۳)
جواب۔ ان حضرات کا اس زیادت کو صحیح نہ تسلیم نہ کرنا اس بات پر مبنی تھا کہ اس زیادت
کے بیان کرنے میں سلیقان ہی متفرد ہیں، نیز قسائدہ کی طرح وہ مدلس بھی ہیں اور ان باتوں کے
تسلیم و تسلیم اور مسکت جو بات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ لہذا اس زیادت کے صحیح ہونے میں کوئی
کلام نہیں ہو سکتا۔ اور مبارک پوری صاحبؒ اور ان کے اتباع مردم شماری کے لحاظ سے حق و
باطل، صحیح و غلط میں تمیز قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں تو وہ بھی سن لیں:

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادت
کو صحیح سمجھنے والے یہ حضرات ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ (مسند احمد ص ۲۸۶، تعلیق الحسن جلد ۲ ص ۸۶، فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۶)

۲۔ امام مسلمؒ (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۷، درایہ ص ۹)

- ۳۔ امام نسائی (بہ حوالہ فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۶)
- ۴۔ امام ابن جریر (تفسیر جلد ۹ ص ۱۱)
- ۵۔ علامہ ابن حزم (بہ حوالہ فتح الملہم جلد ۲ ص ۱)
- ۶۔ امام منذری (عون المعبود جلد ۵ ص ۶۳)
- تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۷۲ تحقیق الکلام ۲
- ص ۸۳، نفحۃ العنبر ۷۹
- ۷۔ حافظ ابن کثیر (تفسیر جلد ۲ ص ۲۸۰)
- ۸۔ امام اسحاق بن راہویہ (حرم النقی جلد ۲ ص ۱۵)
- تنوع العبادات ص ۸۶
- ۹۔ امام ابو بکر بن اثیر (فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۶)
- ۱۰۔ حافظ ابن حجر (فتح الباری جلد ۲ ص ۲)
- ۱۱۔ امام ابو زرعہ رازی (مقدمہ فتح الباری ص ۳۳۵)
- قسطلانی و تدریب الراوی ص ۱ و مقدمہ سلم
- ص ۱۳ و ازالہ شرم ص ۵۲
- ۱۲۔ امام موفق الدین ابن قدامہ (منہی جلد ۱ ص ۹)
- ۱۳۔ امام شمس الدین ابن قدامہ (شرح مقنع للکثیر
- جلد ۲ ص ۱۳)
- ۱۴۔ امام ابن خزیمہ (برہان العیاض ص ۱۰۳)
- نفحۃ العنبر ص ۷۹
- ۱۵۔ امام ابو نعیم بن عبد البر (نفحۃ العنبر ص ۷۹)
- ۱۶۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (فتاویٰ جلد ۳ ص ۳۱۲)
- و تنوع العبادات ص ۸۶
- ۱۷۔ امام ابو عوانہ (کیونکہ باقر ارباب رکبوری صاحب
- انھوں نے اپنے صحیح میں صحت کا التزام کیا
- ہے اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی روایت
- متعدد اسانید سے انھوں نے صحیح میں
- درج کی ہے۔
- ۱۸۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب
- (عون الباری جلد ۱ ص ۳۷۳)
- ۱۹۔ علامہ مارینی (الجوہر النقی جلد ۱ ص ۱۵۷)
- ۲۰۔ علامہ عینی (عمدة القاری جلد ۳
- ص ۵۶)
- ۲۱۔ امام ابن معین (۱۷)

جلد ۲ ص ۱۳

۱۔ امام مسلم سے ایک سائل نے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی سند کیوں بیان نہیں کی جب کہ وہ بھی آپ کے نزدیک صحیح ہے تو امام موصوف نے جواب ارشاد فرمایا کہ

لیس کل شیء عندی صحیح و ضعیف

ہا ہنا انا و ضعیف ہا ہنا ما اجمعوا

علیہ۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۷۳)

میں نے ہر اس حدیث کو جو میرے نزدیک صحیح ہے۔

اپنے صحیح میں درج کرنے کا التزام نہیں کیا بلکہ میں نے

تصرف وہ روایتیں درج کی ہیں جن پر محدثین کا اجماع

واقع ہوا ہے۔

(بقیہ ماثیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

۲۲۔ امام عثمانؓ بن ابی شیبہؓ

۲۴۔ امام علیؓ بن المدینیؓ رحمہ

۲۳۔ امام سعید بن منصورؓ خراسانیؓ رحمہ

فقہائے اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں جب مو فیصدی حنفی و مالکی اور حنبلی اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں اور جب شوافع اور غیر مقلدین حضرات کا ذمہ دار منصف مزاج اور معتد بہ گروہ و اذقاناً فائزہ کی زیادت کو صحیح سمجھتا ہے تو اس کے صحیح ہونے میں کیا شک ہے ؟ اور یہ بھی طے شدہ قاعدہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے تو پھر نہ معلوم اس زیادت کی صحت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے ؟ اگر محض مردم شماری سے مبارک پوری صاحب میدان جیتنا چاہتے ہیں تو اس میں بھی ان کی شکست یقینی ہے۔ رہا مبارک پوری صاحب کا امام ابن خزیمہؒ کو اس زیادت کی صحت کے منکرین میں شمار کرنا تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ برطانوی العجائب کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ امام (بقیہ حاشیہ بھلا صفحہ) حافظ ابن صلاحؒ نے مقدمہ صفحہ ۴ میں اور امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی صفحہ ۴۴ میں اور علامہ جزائریؒ نے توجیہ النظر ص ۲۴۰ میں اس کی تصریح کی ہے کہ امام مسلم کی مراد ما اجمعا علیہ کے جملہ سے یہ محدث ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام عثمانؓ بن ابی شیبہؓ، امام سعید بن منصورؓ خراسانیؓ اور حافظ ابن حجرؒ ان میں امام علیؓ بن المدینیؓ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ (مقدمہ فتح اباری ص ۳۲) اور امام ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو امام مسلم اپنے صحیح میں صحیح سمجھتے ہیں اس کا صحیح ہونا نفس الامر میں یقینی ہے۔ (غایتہ الشمول جلد ۱ ص ۶) اس کا واسطہ گویا یہ تمام ائمہ حدیث حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی اس زیادت والی روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

لہ اثبات کا نفی پر مقدم ہونا محدثین کا طے شدہ مسئلہ ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اثبات کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔

(شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۰)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ المثلثات اولیٰ من الثانی (شرح غیۃ الفکر ص ۱) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ المثلثات اولیٰ من الثانی (سنن الکبریٰ جلد ۴ ص ۱) میرزائیؒ لکھتے ہیں۔ والو اثبات مقدم (سبل السلام جلد ۲ ص ۲۴۶) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اثبات مقدم است بر نفی (بدور الاولیٰ ص ۳۷۹) مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ من اثبات مقدم علی من نفی۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱۶۱) مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ یہاں جرح ہی اثبات ہے۔ تصحیح اثبات نہیں ہے کیونکہ تصحیح ظاہر سنہ کے اعتبار سے ہے۔ اور (حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

موصوف اس زیادت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابن معینؒ کو بھی منکرینِ صحت میں شمار کرنا غلط ہے۔ کیونکہ نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ مسلم کی تمام سند روایتوں کو صحیح سمجھتے تھے جن میں حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واذ اقرأ فافصتوا کی زیاد والی روایت بھی شامل ہے۔ علاوہ بریں امام ابن معینؒ اور امام ابو حاتمؒ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں واذ اقرأ فافصتوا کی زیادت پر کلام نہیں کیا بلکہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اس زیادت پر کلام کیا ہے جس کا ذکر عنقریب ہو گا۔ (دیکھیے کتاب العلل ابن ابی حاتم جلد ۱ ص ۶۴۰ و سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۵۶ و بغیۃ الامنی جلد ۲ ص ۱۶) اس لیے حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اس زیادت کے انکار کرنے والوں میں ان کا شمار کرنا جہالت اور غفلت پر مبنی ہے۔

و دونوں کی دنیا میں بھی دیکھ لیجیے کہ اس زیادت کے صحیح تسلیم کرنے والے زیادہ ہیں یا اس کے غلط قرار دینے والے، ع۔ چلی تھی برہمچی کسی پر کسی کے آن لگی

پانچواں اعتراض

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ اور حافظ ابو علیؒ کہتے ہیں کہ حضرت قتادہؒ کے جملہ تلامذہ میں سے سلیمان بنیؒ واذ اقرأ فافصتوا کی زیادت کو نقل کرنے میں متفرق ہیں اور ائمہ حفاظ کی تضعیف (بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) تضعیف شدہ پر مطلع ہونے کی بنا پر بس جرح ہی اثبات ہے۔ (ص ۳۲۶ محض) جی ہلانے کا ایک ہمانہ ہو ا یکٹا ہمانہ ہے، اس شعبہ بازی سے اثبات کو نفی اور نفی کو اثبات بنا دنا کون تسلیم کرتا ہے؟ تصحیح صرف ظاہر سند کے لحاظ نہیں بلکہ محسوس اصول کے اعتبار سے ہے اور صرح کا مفہوم یہاں یہ ہے کہ روایت صحیح نہیں اور نفی کیا ہوتی ہے؟

لے برہان العجائب مولانا محمد شیر سہرانیؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ) غیر مقلد کی تالیف ہے۔

لے امام مسلم کی ایک عبارت ملاحظہ کیجیے جس سے امام بیہقیؒ نے اصل مضمون کا حلیہ بگاڑ دیا ہے:

وفی حدیث جریر بن عیین عن سلیمان التیمی عن قتادہ من الزیادۃ واذ اقرأ فافصتوا وایس فی حدیث احد منهم فان اللہ عز وجل	جریر بن سلیمان بنیؒ کے طریق سے قتادہؒ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں واذ اقرأ فافصتوا کی زیادت بھی موجود ہے اور کسی کی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے (باقی حاشیہ دیکھئے صفحہ ۲۶۱)
---	--

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح پر مقدم ہے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) قال علی لسان نبیہ
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان پر سیمع اللہ لہن
حمدہ کا حکم دیا ہے مگر یہ مضمون صرف ابو کا مل کی
حدیث میں ہے جس کو وہ ابو عروہ سے روایت کرتے
(مسلم جلد ۱ ص ۱۴۳) ہیں۔

اس عبارت کو آپ اچھی طرح دیکھ لیں اور پھر امام بیہقی رحمہ اللہ کے اس ادعا کی داو دیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ
واذا قرأ فانصتوا لیس فی حدیث احمد منہم (کتاب القراءة ص ۸۷) واذا قرأ فانصتوا کی زیادت
ان میں سے کسی کی روایت میں نہیں ہے۔ امام مسلم کے قول و لیس فی حدیث احمد منہم کا تعلق قبل
وذا قرأ فانصتوا سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ما بعد فان اللہ قال علی لسان نبیہ کے ساتھ ہے۔ اور
یہ مضمون صرف ابو کا مل کی روایت میں ہے اور کسی نے اس کو نقل نہیں کیا۔ مگر امام بیہقی رحمہ اللہ و لیس فی
حدیث احمد منہم کا تعلق ما قبل واذا قرأ فانصتوا کے ساتھ جوڑ کر خود غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں اور
دوسروں کو مغالطہ دے رہے ہیں فساھل اللہ تعالیٰ بعموم فضلہ والعصمۃ بید اللہ تعالیٰ۔
امام بیہقی رحمہ اللہ ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ بعض علماء نے آیت کی تفسیر میں زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے لیکن اس نے
پوری عبارت نقل نہیں کی اور اس کا یہی وتیرہ ہے کہ عبارات میں سے وہ صرف اس حصہ کو نقل کر دیتا ہے جو اس کے
مفید مطلب پر مکتبہ ہے اور باقی عبارت چھوڑ دیتا ہے تاکہ دیکھنے والا غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ یہ ناقل کی دلیل ہے
اور وہ اپنے دل میں یہ نہیں سوچتا کہ علیہ روایت الصدوق اس کے اس فعل سے واقف ہے اور آیا اوقات اس کی کتاب
کو پڑھنے والا اس کی تبیین پر مطلع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ساتھ ایسی مغالطہ آفرینی سے محفوظ رکھے۔
(کتاب القراءة ص ۱۴۳) مگر امام بیہقی رحمہ اللہ دوسروں کی شکایت کرتے کرتے خود اس کے ترکیب ہو گئے ہیں۔ والعصم

من عصمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ ہی خود اپنے چہرہ جفا کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔

مؤلف فیہ الکلام نے ص ۴۲۸ میں غلط فہمی کے عنوان سے یہ بے مغزیات کہی ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی غلطی نہیں
معرض کی غلطی ہے اور پھر آگے لکھا ہے کہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ عبارت امام مسلم کی ہو اور کچھ امام بیہقی نے اپنی
طرف سے کہ دی ہو۔ (مصلد) مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ ادھر ادھر کی باتیں حقیقت پر پردہ نہیں ڈال
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ولا سيما ولم يروها مسندة في صحيحه (فوقی شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۷) خصوصاً جب کہ اس روایت کو امام مسلم نے اپنے صحیح میں باسند پیش بھی نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مسلم کی مسند روایتوں میں شامل نہیں ہے۔

جواب۔ یہ بات جانے دیجئے کہ اس زیادت کے نقل کرنے میں سلیمان تیمی متغریہ ہیں یا کوئی اور بھی اس کو بیان کرتا ہے؟ اور یہ بات بھی جانے دیجئے کہ حفاظ حدیث اس کی تصحیح پر متفق ہیں یا تضعیف پر؟ دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ حدیث جو حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور جس میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادت ہے۔ امام مسلم کی مسند روایتوں میں ہے یا غیر مسند میں؟ امام نوویؒ کا یہ خیال کہ یہ سند نہیں باطل اور مردود ہے۔ حافظ ابن حجر اور قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ وہ حدیث صحیح الخیر جامعہ مسلم من حدیث ابن ماریہ ابو شعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۲ و نیل الاوطان جلد ۲ ص ۱۰۴) حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے اور امام مسلم نے اس کی تخریج کی ہے۔ فریق ثانی اصول حدیث کی کتابوں کی طرف مراجعت کر کے دیکھ لے کہ محدثین کی اصطلاح میں تخریج کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اور کوئی محدث جب کسی سند کے ساتھ روایت بیان کرتا ہے اور اسی سند کے روایت میں سے کسی کی زیادت کو بیان کرتا ہے تو اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ مسند ہوتی ہے یا غیر مسند؟

حلا وہ بریں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ روایت امام مسلم نے باسند پیش نہیں کی تو کیا ابو حواریہ اور ابو داؤد وغیرہ نے بھی اس کو مسند روایت نہیں کیا؟ اور کیا کسی حدیث کی تصحیح اس میں منہجصر ہے کہ امام مسلم اسے باسند نقل کریں تو صحیح ہوگی ورنہ ضعیف ہوگی؟ الغرض حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امام مسلم کی مسند روایتوں میں شامل ہے۔ اور امام نوویؒ کا یہ کھلا قصور ہے۔

کہ اس کو غیر مسند قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ عبارت ہے جس سے مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم (بقیۃ حاشیہ پچھلا صفحہ) سکتیں۔ بفضلہ تعالیٰ عربی دان کثرت سے موجود ہیں کسی ثالث عربی دان سے دریافت کر لیں کہ غلطی امام بیہقی کی ہے یا بقول مؤلف مذکور معترض کی خواہ مخواہ کا تعصب اور جرات نہ بن سکتی ہو اس کو بھی بنا ڈالنا علماء کی شان کے خلاف ہے۔

امر تسری کو غلط فہمی ہوتی۔ اور علی رؤس الاشہاد ان کو شکست فاش ہوئی تھی۔ اس زیادت کے صحیح ہونے میں ذرا برابر شک و شبہ نہیں۔ البتہ۔ ع۔

تسری جی نہ چاہیے تو باتیں ہزار ہیں

چھٹا اعتراض:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور مبارکپوری صاحب وغیرہ لکھتے ہیں۔ کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت صحیح ہے مگر اس سے مراد ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت ہے۔ یعنی جب امام اور تم (مقتدی) سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہو جاؤ تو امام قرأت کرے اور تم خاموش رہو کیونکہ واذا قرأ فانصتوا عام ہے اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سورۃ فاتحہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۶، فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۲، سنن الترمذی جلد ۱ ص ۲۳۵)

جواب: ان حضرات کی یہ توجیہ اور تاویل قطعاً باطل ہے۔ اس لیے کہ مسلم اور ابو حوانہ وغیرہ کے حوالہ سے صحیح روایت ان الفاظ کے ساتھ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی جا چکی ہے۔

واذا قرأ فانصتوا واذا قال غیل المغضوب علیہم کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو ولا الضالکین۔ فقولوا۔ امین اور جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالکین کہے تو تم آمین کہو۔

یہ عقدہ تو فریق ثانی ہی حل کرے گا کہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالکین سے قبل وہ کون سی قرأت ہے جس میں امام کا فریضہ قرأت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ خاموش رہنا بتلایا گیا ہے؟ شاید ان کے نزدیک اس اثنار میں سورۃ یسین کی قرأت سنت ہو جس کی امام قرأت کرتا رہے اور اس وقت مقتدی خاموش رہیں؟ اس صحیح حدیث کو پیش نظر رکھ کر بخوبی یہ لے مولف خیر الکلام لفظ قرأت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اثر اگرچہ مطلق ہے مگر قرأت بلا جاح چونکہ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اس واسطے اس اثر سے فاتحہ خلف الام کا پڑھنا ناہیک تھا ہے۔ (صفحہ ۵۲۱) اس اعتبار سے مقتدی کو سورۃ فاتحہ کی قرأت کے وقت اولاً وبالذات خاموش رہنا ضروری ہے کیونکہ بلا جاح قرأت یہاں ہی سے شروع ہوتی ہے۔

اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ تاویل قطعی طور پر باطل اور مردود ہے کیونکہ واذا قرأ فاختصوا کے حکم میں مقتدیوں کے لیے سورۃ فاتحہ کی قرأت کی ممانعت ^۱ اقلًا اور بالذات ہے اور قرآن کریم کی بقیہ سورتوں کی ممانعت ^۲ ثنائیًا اور بالتبع ہے۔ فرق ثانی کے سطحی قسم کے لوگ عموماً یہ مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی صحیح روایت بتلاؤ جس میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کی مقتدیوں کے لیے ممانعت آئی ہو۔ سوطیہ کرام کو مسلم اور ابو حوانہ کی یہ صحیح حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے اور حدیث نمبر وغیرہ ملاحظہ کریں اور اگر بالفرض اس حدیث میں واذا قرأ فاختصوا کی زیادت نہ بھی مذکور ہو تب بھی یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرأت مستہ کرنا امام کا کام ہے نہ کہ مقتدیوں کا اس زیادت کے بغیر روایت کا مضمون یہ ہو گا۔ جب تم نماز پڑھنا چاہو تو اپنی صفیں درست کر لو۔ اور ایک تم میں سے امام بنے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام غیر المخصوص علیہم ولا الضالین پڑھے تو تم آمین کہو۔ اگر مقتدیوں پر بھی سورۃ فاتحہ کی قرأت لازم ہوتی تو اذ قال غیر المخصوص علیہم ولا الضالین کے بجائے اذ اقلتم غیر المخصوص علیہم ولا الضالین۔ ہوتا جیسا کہ فقہولاء امین میں قول وجع کا صیغہ ہے حالانکہ غیر المخصوص علیہم ولا الضالین۔ پڑھنے کی نسبت صرف امام کی طرف ہوتی ہے اور یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا صرف امام کا کام ہے۔ مقتدیوں کا کام صرف خاموش رہنا اور انصاف کرنا ہے۔ ہاں البتہ آمین کہنے میں مقتدی برابر کے شریک ہیں اور صحیح مسلم جلد ۱ ص ۷۷ کی ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ اذ اقل الناس غیر المخصوص علیہم ولا الضالین فقال من خلفه آمین الحدیث کہ جب پڑھنے والا غیر المخصوص علیہم ولا الضالین کہے تو جو اس کے پیچھے ہیں وہ آمین کہیں اس روایت میں شائع نے امام کو قاری اور پڑھنے والا کہا ہے اگر سب کے لیے قرآن لازم ہوتی تو صرف امام ہی قاری نہ ہوتا۔ (الدلیل المبین ص ۲۸۹) رہا حضرت عبادہ کی روایت کا حوالہ دینا تو اپنے مقام پر آئے گا کہ قرأت سورۃ فاتحہ برائے مقتدی کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ لہذا اس صحیح روایت سے اس کا تعارض قائم کرنا اور پھر اس کی تاویل اور توجیہ کرنا انصاف سے بعید تر ہے۔

۱۔ یہ روایت بخاری جلد ۱ ص ۱۰۸، نسائی جلد ۱ ص ۱۳۲ اور طحاوی ص ۳۳۶ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

یہ کاوشیں سبب ہیں کسی، کہ رتوں کی کچھ انتہا بھی
زبان کہتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو، سوال کیا ہے؟

مؤلف خیر الکلام نے (ص ۲۲۲ و ص ۲۲۳ میں) یہ کہ کر جان چھڑانے کی ناکام کوشش
کی ہے کہ معترض نے یہ سمجھا ہے کہ دونوں جملوں میں ترتیب ہے حالانکہ واو ترتیب کے
لیے نہیں ہوتی جیسے مرزائی لفظ متوفیک و ذلک میں ترتیب ثابت کرنے میں غلطی کرتے
ہیں اسی طرح معترض نے بھی غلطی کی ہے اور دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵ میں فانصتوا کا جملہ
ولو الضالکین کے بعد ہے مگر سندیں محمد بن یونس ہے جو ضعیف ہے۔ حدیث اگرچہ
ضعیف ہے مگر اس سے انصات کے محل کی تعیین ہوتی ہے (مصلحہ) اور قاضی مقبول احمد
صاحب نے الاعتصام ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۲ء ص ۸ میں بزعم خویش قرآن و حدیث کی چند
مثالیں دے کر آخر میں یہ کہا ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ واو ہمیشہ ترتیب کے لیے نہیں
ہوتی اور اس زیر بحث حدیث میں بھی ترتیب نہیں ہے تو مولانا موصوف کا طلبہ کو
نصیحت کرنا محض طفل تسلی ہے اور اس فقرہ سے ما زاد علی الفالحہ مراد لینے میں کوئی
رکاوٹ نہیں۔ ا۔

الجواب: یہ جو کچھ کہا گیا ہے بالکل بے جان ہے:

اولاً۔ اس لیے کہ اگرچہ جمہور سخاۃ وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ حرف واو ترتیب کا فائدہ
نہیں دیتا لیکن بعض اکابر ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ اس میں ترتیب ہوتی ہے چنانچہ علم نحو کی مشہور
کتاب مغنی اللیبیب میں ہے کہ

وقول بعضهم ان مضاها الجمع المطلق
غير مسديد لتقييد الجمع بقيد الاطلاق
وانما هي للجمع لا بقيد وقول السيرافي
ان النحويين واللغويين اجمعوا على انها
لا تفيد الترتيب مردود بل قال بافادتها
اياها قطرب والربيعي والفراء وعلقب

اور بعض کا یہ کہنا کہ حرف واو کا معنی جمع مطلق ہے
درست نہیں ہے کیونکہ جمع کے ساتھ اطلاق کی
قید لگ گئی ہے حالانکہ یہ بغیر قید کے جمع کے لیے
ہے اور سیرافی کا یہ کہنا کہ جملہ نحوی اور لغوی
اس امر پر متفق ہیں کہ واو ترتیب کا فائدہ نہیں
دیتی بالکل مردود ہے کیونکہ قطرب، ربیع، فراء

ابو عمرو الزاهد و هشام و الشافعی
و نقل الامام فی البرہان عن بعض
المحدثین انہا للمحیۃ ... ۱۱ (جلد ۲ ص ۳۱)
اور علامہ رضی کہتے ہیں کہ

و نقل بعضہ عن الفرزدق و النکائی
و ثعلب و الربیع و ابن درستیہ و بہ
قال بعض الفقہاء انہا للترتیب ... ۱۱
(رضی جلد ۲ ص ۳۰۹)

امام نووی فرماتے ہیں کہ بہت سے فقہاء شافعیہ اور بعض نحویوں کا یہی مذہب ہے کہ حرف
واو ترتیب کو چاہتا ہے (مصلحہ شرح مسلم جلد ۱ ص ۳) اس سے معلوم ہوا کہ حرف واو کو ترتیب
کے لیے ماننے والے بڑے بڑے ائمہ میں جن میں امام شافعیؒ وغیرہ بھی ہیں۔ لہذا معترض کو
استدلال میں مزائیوں سے تشبیہ دے کر اپنے دل مآؤف کی بھڑاس نکالنا اور حواریوں کو
خوش کرنے کی بے جاسعی کرنا علمی دنیب میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

و ثانیاً۔ جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حرف واو ترتیب کے لیے نہیں اس کا مطلب
یہ ہے کہ ترتیب ضروری اور واجب نہیں یہ کب کہا ہے کہ ترتیب ناجائز اور حرام ہے کسی
مستثنیٰ عالم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت پیش کی تھی کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم بقید حیات تھے اور ہم یوں کہا کرتے تھے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۲ و
قال حسن صحیح) یعنی اس ترتیب سے ہم ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے تو اس پر ایک رافضی
بدحواس ہو کر بولا کہ حرف واو ترتیب کے لیے نہیں ہوتا۔ شتی عالم بولا کہ ترتیب ناجائز
اور حرام بھی تو نہیں ہے۔

و ثالثاً۔ حدیث زہیر بحث کے تین جملے ہیں: فاذا کبر فکبروا و اذا اقرأ فاقصروا
و اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا امین تو مؤلف خیر الکلام وغیرہ
نے اور ابن رشدؒ نے سخا کو فہ کا یہی مسلک نقل کیا ہے کہ واو میں ترتیب ہوتی ہے۔ (بدایۃ المجتہد
ج ۱ ص ۱۶)

کے ذہن کے مطابق واذا قرأ فافصتوا اور واذا قال غیر المخصوص علیہم۔ الخ جو حرف
 واو کے ساتھ مذکور ہیں فاذا کبر فکبروا سے پہلے بھی ہو سکتے ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ امام
 کے تکبیر کہنے سے پہلے ہی تم خاموش رہا کرو اور غیر المخصوص الخ پڑھا کرو اس لحاظ سے
 ماقبل التکبیر میں بھی انصابت کی صورت مکمل آئی جو فرق ثانی کو ٹری مفید رہے گی اور امام
 بھی تکبیر سے پہلے ہی غیر المخصوص علیہم الخ پڑھ لیا کرے گا اور مقتدی بھی آمین کہ لیا
 کریں گے کیونکہ حرف واو ترتیب کو نہیں چاہتا اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ سب مسئلے حل
 ہو جائیں گے۔

وإبعاء۔ واقطنی کی روایت کے متعلق خود مؤلف غیر الکلام ضعیف ہونے کا اقرار کیا ہے
 پھر اس سے تعین محل کا سہارا بالکل بیکار ہے انتہائی تعجب ہے کہ صحیح ابو عروانہ اور صحیح مسلم
 کے ثقہ راویوں کی متابعت تو مؤلف کے نزدیک کالعدم ہے مگر محمد بن یونس (جس کے بارے
 میں مولانا شمس الرحمن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ ہوضعیف لا یشتر بہ (علیق المغنی)
 جلد ۱ ص ۱۲۵ کی روایت سے تعین محل انصابت ضرور ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ!
 آپ نے ملاحظہ کیا کہ فرقہ ثانی کس طرح بے جان اور بے وزن دلیلوں کا سہارا لیتا ہے۔

دوسری حدیث :

امام نسائی فرماتے ہیں کہ ہم سے جابر بن عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ
 ہم سے ابو خالد الاحمر نے بیان کیا۔ وہ محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں اور وہ زید بن اسلم
 سے امام نسائی (المتوفی ۳۰۳ھ) جن کی کتاب سنن نسائی صحاح ستہ میں تیسرے درجہ پر مانی جاتی ہے۔

علامہ ذہبی ان کو حافظ الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (مذکرہ جلد ۲ ص ۲۴۱)

امام نسائی رحمہ اللہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مستقیم الحدیث
 ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۵۷) حافظ ابن حجر ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تقریب ص ۶۳)
 علامہ ابویوسف ابن سعید اور ابن مدینی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام نسائی نے یاس بد اور ابو ہشام رفاعی
 ثقہ اور امین کہتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں۔ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں
 حلی کا بیان ہے کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ (لفظ وی جلد ۱ ص ۶۲ و تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۸) علامہ
 (باقی اگلے صفحہ پر)

سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو صالحؓ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل
الامم ليؤتم به فاذا اكبر فكبروا واذا قلوا
فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده
فقلوا اللهم ربنا ولك الحمد -
کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا ہے کہ امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی
اقتدار کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور
جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ
سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو۔
(نسائی ج ۱ ص ۱۰۷)

(باقی پچھلے صفحے کے حاشیہ) ذہبیؒ ان کو الحافظ الصدوق اور مشہور محدث لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵)
مگر امام ترمذیؒ ان کو ثقہ اور مامون فی الحدیث کہتے ہیں۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱ و کتاب الغلط جلد ۲ ص ۲۳)
امام بیہقیؒ ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۴) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ امام فقیہ
اور عابد تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۸۷) ابن حاد حبشیؒ کا بیان ہے کہ وہ عابد پابند شریعت
اور صداقت شعار تھے۔ (شذرات الذهب جلد ۱ ص ۲۷۲) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام اور القندہ لکھتے
ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱) امام احمد سفیان بن عیینہ بن معینؒ، ابی حاتمؒ، نسائیؒ اور ابوزر عہد ان کو ثقہ
کہتے ہیں۔ یعقوب بن شیبہؒ ان کو صدوق وسط کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔
ساجیؒ ان کو اہل صدق میں شمار کرتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو عابد ناسک اور فقیہ بتاتے ہیں۔
(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۴) مولانا شمس الحقؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ (تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۲)
عون المجہد جلد ۱ ص ۲۳) اور خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تاریخ جلد ۲ ص ۳)
یہ زید بن اسلمؒ کو علامہ ذہبیؒ الامام اور الفقیہ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۲) امام احمد ابوزر عہد، ابی حاتم
محمد بن سعدؒ، نسائیؒ، ابن خراشؒ اور یعقوب بن شیبہؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب
جلد ۱ ص ۳۹۲)

ابو صالحؒ کا نام ذکر نہ تھا۔ امام احمد ان کو ثقہ اجل الناس اور اوثق الناس کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۸۳)
امام ابن معینؒ، ابی حاتمؒ، ابوزر عہد، ابن سعدؒ، ساجیؒ اور عیسیٰ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ محدث حبرئیؒ
اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۱۹) حضرت ابو ہریرہؓ جلیل القدہ
(باقی اگلے صفحہ پر)

اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ تمام نمازوں میں امام کا وظیفہ قرآن کرنا اور مقتدیوں کا فریضہ خاموش رہنا ہے۔ اس حدیث پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ ملاحظہ کیجئے اور ساتھ ہی ان کے جوابات بھی دیکھ لیجئے۔

پہلا اعتراض:

حضرت امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت نقل کرنے میں ابو خالد الاحمر و متفردین لہذا یہ زیادت قابل قبول نہیں۔ (جزر القرآن ص ۵۹، کتاب القرآن ص ۹، ابکار المنن ص ۱۵۲ اور مؤلف خیر الکلام نے صفحہ ۲۳۲ اور ۲۳۳ میں اس روایت کو شاذ ذکر کر کے خلاصی چاہی ہے اور قاضی مقبول احمد صاحب نے بھی اس کو شاذ ذکر اپنے دل کو تسکین دی ہے۔) (ملاحظہ ہو الاعتصام ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء ص ۱۸۸) جواب۔ اس زیادت کے رد کرنے کا یہ بہانہ محض بے کار ہے۔

(پچھلے صفحے کا باقی) صحابی ہیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب اس سند کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ رجال اسنادہ ثقات۔ (دلیل الطالب ص ۲۹۴)

۱۔ یہ روایت ابن ماجہ ص ۶۱، ابوداؤد جلد ۱ ص ۸۹، مسند احمد ص ۴۱۵، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۴، سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۶، بحلی جلد ۲ ص ۳۴۰، جزر القرآن ص ۵۶، کتاب القرآن ص ۹۱، ابن جریر جلد ۹ ص ۱۱۰، ابن کثیر جلد ۲ ص ۶۲۳، الجوزی التقی جلد ۲ ص ۱۵۶، تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۲، عون المعبود جلد ۱ ص ۲۳۵، درایہ ص ۹۲، زیلعی جلد ۲ ص ۱۶، مسلم جلد ۱ ص ۱۷۴، آثار السنن جلد ۲ ص ۸۶، ابکار المنن ص ۱۵۳، احوال السنن جلد ۴ ص ۵۵، دلیل الطالب ص ۲۸۴، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۳، بذل المجہود جلد ۲ ص ۵۵ اور فتح الملہم ص ۲۲ وغیرہ میں مروی ہے۔

۲۔ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ در حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ است واذا قرأ فانصتوا پس خط مؤتم انصات و استماع قرآن امام است و انصات خاص بکھریہ نیست بلکہ شامل سترہ ہم است پس واجب سکوت باشد مطلقاً نہ و قرأت الخ (ہدایۃ السائل ص ۱۹۳)

۳۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ لعنیتا بعد علیہ مبارک پوری صاحب ایک سند کی تحقیق میں لکھتے (باقی اگلے صفحہ پر)

اولاً۔ اس لیے کہ جب ابو خالد الاثری اختلاف ثقہ اور ثبت میں تو پھر ان کی زیادت
کیوں قابل قبول نہ ہوگی؟

ثانیاً۔ اس زیادت کے بیان کرنے میں ابو خالد الاثری متفقہ نہیں بلکہ محمد بن سعد
انصاری اشہلی بھی اس زیادت کو نقل کرتے ہیں۔ اور اس روایت کے باقی وہی راوی
ہیں جن کی توثیق عرض کر دی گئی ہے۔ البتہ محمد بن عبد اللہ بن مبارک کا ذکر نہیں ہوا۔ اور ہیں
وہ بھی ثقہ، نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ ابو خالد از ثقات اثبات است،
بخاری و مسلم بوسے احتجاج کردہ اند۔ دریں صورت تفرد کثرت مضرب نیست، و نیز دوسے نہ تھا
بایں زیادت متفرد است، بلکہ ابوسعید محمد بن سعد انصاری نیز تابع او بریں زیادت
بودہ است۔ (دلیل الطالب ص ۲۹۳)

غرضیکہ یہ زیادت بھی سابق کی طرح بالکل صحیح ہے اور اس کے غیر صحیح ہونے کا اد
احتمال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرا اعتراض:

مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ محمد بن عثمان میں کچھ کلام اور مقال ہے۔ نیز وہ مدلسی
(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ہیں کہ امام بخاری کا محمد بن عبد اللہ بن حسن سے متعلق روایت علیہ کناہرگز مضرب نہیں
کیونکہ محمد مذکور ثقہ تھے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۷۳۱) کیا ہم بھی مبارک پوری صاحب اس انصا
کی امید رکھ سکتے ہیں۔

یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۱۰۷، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲، عون المعبود جلد ۱ ص ۲۲۵، نصب الرایہ
جلد ۲ ص ۱۱۷ اور تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

امام نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۰۷) دارقطنی ان کو ثقہ کہتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۲۵) زیلعی کہتے
ہیں کہ وہ ثقہ تھے (جلد ۲ ص ۱۱۷) ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۵۴)
مولانا شمس الحق ان کو ثقہ کہتے ہیں (عون المعبود جلد ۱ ص ۲۲۵) و تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۱۷

محقق حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور حافظ تھے (تقریب ص ۱۲۷) الحاصل اس روایت
کے بھی جملہ راوی ثقہ ہیں۔ اور اصول حدیث کی رو سے یہ روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

اس لیے یہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ (ابکار المن ص ۱۵۲)

جواب۔ مبارک پوری صاحب ان میں مقال کا شاید مطلب ہی نہیں سمجھے۔ یہی ان کی تدلیس تو وہ بھی مفروضہ ہے۔

آؤ۔ بقول بعض یہ مکحول کے درجہ کے دلیس تھے۔ مگر فرق ثانی مکحول کی تدلیس سے صرف نظر کر جاتا ہے۔ ۱۔

ثانیاً۔ اگر ان کی تدلیس مضبوطی تو امام بخاریؒ اور ابو داؤد وغیرہ ضرور اس کا تذکرہ کرتے مگر وہ صرف ابو خالد الناجم کے تفرد کی شکایت کرتے ہیں۔

ثالثاً۔ دیگر محدثین کو عموماً اور علامہ ذہبیؒ کو خصوصاً یہ قاعدہ معلوم ہے لیکن وہ محمد بن عجلان کی متعدد معنعن حدیثوں اور روایتوں کو صحیح کہتے ہوئے تصحیح کرتے ہیں۔ (مثلاً تلخیص مستدرک جلد ۱ ص ۷ وغیرہ)

رابعاً۔ محدثین اور محققین کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عجلان، قتادہ، سفیان ثوری اور حسن بصری وغیرہ کی طرح ان دلیسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس کسی صورت میں مضرب صحیحاً خامساً۔ محمد بن عجلان کے دو متابع بھی موجود ہیں۔ خارجہ بن مصعب اور یحییٰ بن عمار (دیکھئے سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵) اور گوہ کزور اور ضعیف ہیں لیکن متابعت میں پیش کرنے پر مبارک پوری صاحب کو بھی کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔

۱۔ بعض لوگوں نے ان میں یہ کلام کیا ہے کہ امام بخاریؒ و مسلمؒ نے ان سے احتجاج نہیں کیا۔ لیکن یہ اعتراض باطل ہے۔ آؤ۔ اس لیے کہ ثقہ اور ثبت راوی کے لیے یہ شرط نہیں کہ ان سے امام بخاریؒ و مسلمؒ نے ضرور احتجاج کیا ہو۔ ثانیاً۔ امام مسلمؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے۔ مستدرک جلد ۱ ص ۷۵، ہذا الجہود جلد ۲ ص ۵۵ اور مسلم جلد ۲ ص ۳۱ وغیرہ ملاحظہ کر لیجئے) محمد بن عجلان بطریق سعید مقبریؒ عن ابی ہریرہؓ کی بعض روایتوں پر کچھ کلام کیا گیا ہے (کتاب العلل ترمذی جلد ۲ ص ۲۳ و تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۴۱) لیکن وہ بھی صرف چند روایتیں ہیں اور حلقہ ذہبیؒ نے ان کا جواب بھی دے دیا ہے (میزان جلد ۲ ص ۱۰۶) مگر ہم نے جو سند پیش کی پیش کی ہے وہ سعید مقبریؒ کے طریق سے نہیں بلکہ زہدینؒ کے طریق سے ہے۔

۲۔ دیکھئے ابکار المن ص ۱۵۲ اور دیگر محدثین بھی اس قاعدہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

سادہ سادہ۔ جرح کرنے والے جرح پر بھی متفق نہیں ہیں۔ بعض ابو خالد کا تفرقہ بتاتے ہیں اور بعض محمد بن عجلان کی تدلیس اس سے بھی جرح کمزور ہو جاتی ہے۔ (اعلام السنن جلد ۴ ص ۵۶) سادہ سادہ۔ اگر محمد بن عجلان میں واقعی کوئی کلام ہوتا۔ یا ان کی تدلیس مضر ہوتی تو حضرات محدثین کرام کی ایک بہت بڑی جماعت اس حدیث کی ہرگز تصحیح نہ کرتی، حالانکہ اس حدیث کی ذیل کے ائمہ حدیث تصحیح کرتے ہیں:

- ۱۔ امام احمد بن حنبل (المجموع النقی جلد ۲ ص ۱۵۷) ۲۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (جلد ۱ ص ۱۷۴)
- ۳۔ علامہ ابن حزم (محل جلد ۳ ص ۳۴) ۴۔ امام نسائی (جلد ۱ ص ۱۰۷)
- ۵۔ دارقطنی (جلد ۱ ص ۱۲۴) ۶۔ ابن جریر (تفسیر جلد ۱ ص ۱۱)
- ۷۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر (مجموع النقی جلد ۲ ص ۱۵۷) ۸۔ حافظ ابن کثیر (تفسیر جلد ۲ ص ۶۲۳)
- ۹۔ علامہ مار دینی (مجموع النقی جلد ۲ ص ۱۵۷) ۱۰۔ امام منذری (فہرست جلد ۲ ص ۱۷۱) ۱۱۔ علامہ رجال الدین (نصب النبی جلد ۱ ص ۱۷۴)
- ۱۲۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (عمران المعتمد ۱۳۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب جلد ۲ ص ۲۳۵، تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۴) (دلیل الطالب ص ۲۹۳)

بلکہ نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

وہذا الحدیث مما ثبتت عند اہل السنن
صحیحہ جماعت من الائمة۔

یہ حدیث ارباب سنن کے نزدیک ثابت اور محقق ہو چکی ہے اور ائمہ حدیث کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔

(دلیل الطالب ص ۲۹۳)

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا حوالہ باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ بڑی شد و مد سے واذا قرأ فانصتوا کی روایت اور اس میں زیادت کو صحیح ثابت کرتے ہیں، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (بقیہ پچھلا صفحہ) ملاحظہ ہو میضان الاعتدال جلد ۱ ص ۳۰ و مقدمہ نووی ص ۱۶ و کتاب القراءة ص ۱۶۹ و تدریب الروی ص ۲۸ اور اعلام السنن ص ۲۳، اور لکھا ہے و هذا مجمع بین المسحذین مگر یہ یاد رکھیے کہ اصل راوی صرف مدلس ہو ضعیف اور کمزور نہ ہو۔ ورنہ متابعت بے سود ہوگی۔

کہتے ہیں کہ بعض کا خیال ہے کہ اس زیادت میں محمد بن عجلان نے خطا کی ہے۔ مگر ہم ثقہ راوی کے بارے میں کسی واضح برہان کے بغیر یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ بہر حال سند کے لحاظ سے یہ زیادت بالکل صحیح ہے (علی ابن حزم جلد ۳ ص ۲۴۲) انصاف سے فرمائیے کہ کسی حدیث کی تصحیح کے لیے اس سے بڑھ کر حضرات محدثین کرام کے پاس اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ مگر۔

اے نگہیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا۔

الحاصل حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت بھی اور اس کی پوری سند بالکل صحیح اور بے غبار ہے اور محض تعصب کی وجہ سے اس کو شاذ کہہ کر رد کرنا بے سود ہے۔

تیسری حدیث: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے جعفر خلعتی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن بن علی بن شبيب المعمری نے امام بیہقی کا ترجمہ باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے۔

ابن حافظ ابو عبد اللہ الحاکم صاحب مستدرک کا ترجمہ بھی باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے۔ علامہ جعفر بن محمد بن نصیر الخلیفی، علامہ خطیب ان کو ثقہ، صادق، دیندار اور فاضل کہتے ہیں (تاریخ خطیب جلد ۲ ص ۲۲۷)۔

اگر علامہ ذہبی ان کو حافظ، علامہ اور الباری کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حفظ اور فہم سے بہرہ ور تھے۔ امام دارقطنی ان کو صدوق اور حافظ کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۷۱) ابن عدنی ان کو کثیر الحدیث اور امام ربانی کہتے ہیں۔ (ایضاً) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ تمام محدثین ان کے عادل ضابطہ اور صاحب فضیلت ہونے پر متفق ہو چکے ہیں۔ موسیٰ بن ہارون کا بیان ہے کہ وہ اوثق الناس اور ثبت الناس تھے اور ان کی یہ خوبی تھی کہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔ محدث عبدان ابو ہارون کا بیان ہے کہ میں نے معمری جیسا محدث تمام روئے زمین پر نہیں دیکھا۔ (لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۷۱ ۲۷۵) اور علامہ خطیب کہتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف تھے فہم و حفظ سے متصف تھے۔ ان کی احادیث میں کچھ

نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن مقدم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے طفاوی نے
نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ایوب نے بیان کیا۔ وہ نہ ہر ہی سے روایت کرتے
ہیں اور وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا
قرأ الامام فانصتوا۔ (کتاب القراءۃ ص ۹۶) کہ جب امام قراءۃ کرے تو تم خاموش رہو۔

اس روایت میں بھی مقتدی کا وظیفہ (تمام نازوں میں) خاموشی اور امام کا فریضہ قراءۃ
بتلائی گئی ہے اور اگر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جاتے تو اس روایت پر بھی کوئی
معقول اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ گو امام بیہقی نے یہ فرمایا ہے کہ واذا قرا فانصتوا
کی زیادت بیان کرنے میں المعمری متفرد ہیں۔ لیکن جب معمری ثقہ ثبت اور الحافظ اور
الامام ہیں تو ان کی یہ صحیح روایت اور زیادت بیان کس طرح رد کی جاسکتی ہے؟ معمری
کے طریق سے ایک روایت کی امام حاکم اور علامہ ذہبی دونوں علی شرط الشیخین تصحیح کرتے
ہیں (مستدرک جلد ۱ ص ۲۵۸) مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۳۵ اور ۲۳۶ میں یہ لکھا ہے کہ معمری

(بقیہ پچھلا صفحہ) غرائب اور افراد بھی تھے۔ وارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ صدوق اور حافظ تھے، ان پر
جمع موسیٰ بن ہارون نے ازروئے عداوت کی ہے۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۳۷۰)

۱۷ امام ابو حاتم ان کو صالح الحدیث اور صداقت شعار کہتے ہیں۔ محدث صالح جزیرہ، مسلم بن قاسم
ابن عبد البر اور دیگر محدثین ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن خزیمہ ان کو دانا محدث کہتے ہیں۔ نسائی لا بأس بہ
اور ابن عدی صدوق کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۸۱) علامہ ذہبی ان کو
المستدین لکھتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۷۷)

۱۸ علامہ ذہبی ان کو مشہور محدث اور ثقہ لکھتے ہیں۔ (میزان جلد ۳ ص ۸۹) امام ابن معین ان کو لیس
بہ باس اور ابن مدینی ثقہ کہتے ہیں اور ابو داؤد اور ابو حاتم نیس بہ باس سے ان کی توثیق کرتے ہیں
ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں وارقطنی کا بیان ہے کہ بخاری نے ان سے احتجاج کیا ہے ابن عدی کا بیان ہے
کہ تمام متقدمین ان کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۰۹)

۱۹ امام احمد ابن حنبل، ابو زرہ، نسائی، ابن سعد، وارقطنی اور ابو داؤد سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتم
(باقی اگلے صفحہ پر)

صاحب غرائب و افراد ہیں اور بعض محدثین نے ان کو کذاب کہا ہے۔ عبدان کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ جملہ سے کہا ہے اور بغدادیوں کی طرح یہ بھی موقوف کو مرفوع کر دیا کرتا تھا اور حدیث میں اضافے کرنے کی ان کی عادت تھی۔ (محصلة خیر الکلام بحوالہ لسان المیزان)

الجواب: بخاری اور مسلم میں ایسے متعدد راوی موجود ہیں۔ مولف خیر الکلام کا شوق ہو تو ہم ماشارہ اللہ تعالیٰ باحوالہ عرض کر سکتے ہیں اس لیے صاحب غرائب و افراد ہونا اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے محض عداوت اور دشمنی کی وجہ سے ان پر جرح کی ہے اور کبھی یہ کہا کہ یہ موقوف کو مرفوع کر دیتے ہیں اور کبھی یہ کہا کہ یہ اضافے کرتے ہیں اور ان کے بڑے دشمن اور معاند موسیٰ بن ہارون نے ان کی واذا قرأ فانصتوا کی زیادت پر بھی انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۷۳) اور ان کی تقلید کرتے ہوئے لوگ اس پر جرح کرتے اور اس زیادت کو انکار کرتے ہیں جب محدثین کے سامنے حقیقت حال کھل گئی تو انھوں نے بالآخر یہ فیصلہ کیا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ پس آخر میں بات ان کی توثیق پر ہی ہوتی ہے زیادہ فاستقر الحال اخرا علی توثیقہ فان غایۃ ما قیل فیہ انہ حدث باحادیث لم یتبع علیہا وقد علمت من کلام الدارقطنیؒ انه رجع عنہا فان کانت قد اخطأ فیہا کما قال خصمہ فقد رجع عنہا وان کان مصیبا بلہا کما کان یدعی فذاک ارفع لہ واللہ اعلم۔

پس آخر میں بات ان کی توثیق پر ہی ہوتی ہے زیادہ فاستقر الحال اخرا علی توثیقہ فان غایۃ ما قیل فیہ انہ حدث باحادیث لم یتبع علیہا وقد علمت من کلام الدارقطنیؒ انه رجع عنہا فان کانت قد اخطأ فیہا کما قال خصمہ فقد رجع عنہا وان کان مصیبا بلہا کما کان یدعی فذاک ارفع لہ واللہ اعلم۔

(لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۷۵)

سبب ہے۔

(بقیہ کچھ صغیر) ان کو صالح الحدیث اور ابن عبد البرؒ ثقہ اور حافظ کہتے تھے۔ ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۱۲)

۴۵۰ ان کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ معمری ثقہ ہیں اور ثبوت بھی۔ اور ان کی یہ زیادت جو اذا قرأ فانصتوا سے وارد ہوتی ہے بالکل صحیح ہے کیونکہ دوسری اسانید میں ثقہ راویوں سے بھی یہ مروی ہے اور قرأت خلف الامام انصاف کے بالکل خلاف ہے اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ کی روایتیں باب سوم میں آئیں گی کہ وہ بھی امام کے پیچھے سب یا بعض نمازوں میں قرأت کے قائل نہ تھے اور شاذ مقبول کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مستقل حدیث ہو جس کو ثقہ راوی بیان اور روایت کرتا ہو انصاف کی دنیا میں اس کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور کسی غلط کی قرآن کریم میں غلطی سے کوئی جملہ بڑھا دینا یہ شاذ مردود کی مثال ہے اس کو مؤلف خیر الکلام اپنے پاس ہی رکھیں۔ بات ثقہ راویوں کی زیادت کی ہو رہی ہے۔ الفرض واذا قرأ فانصتوا کی زیادت بالکل صحیح ہے ایک رتی شک اس کی صحت میں نہیں ہے۔ قرآن کریم کی آیت میں فاستمعوا وانصتوا کا حکم تھا اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کی صحیح اور مرفوع روایتوں میں بھی اس کی تصریح ہے کہ واذا قرأ الامام فانصتوا اور ایک ایک سند کا صحیح ہونا بھی آپ معلوم کر آئے ہیں۔ اب ان کے حجت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وحدیث صحیح حجت است براحت در رنگ حجت کتاب عزیز۔ (دلیل الطالب ص ۸۸) اور لکھتے ہیں کہ اصل در امر وجوب فعل مامور بہ است۔

(بدور الابد ص ۲۲)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ امر لفظی نہیں است از اضداد او۔ (بدور الابد ص ۳۳۸) الفرض مقتدی کے لیے استماع اور انصاف کے وجوب کا حکم اور امام کے پیچھے قرأت کرنے کے ممنوع اور منہی عنہ ہونے کا حکم قرآن کریم اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھیے فرق ثانی لہ ارباب اصول کا اس امر پر تقریباً اتفاق ہے کہ امر مطلق کا مفاد وجوب ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: "وامره المطلق علی الايجاب" (القواعد النورانیۃ الفقہیہ طبع مصر ص ۵۲، شیخ الاسلام) یعنی صاحب شرع کا امر مطلق وجوب پر محمول ہوتا ہے، شیخ الاسلام ابن وقین العیفریؒ فرماتے ہیں: "وظاھرا من الوجوب" (احکام الاحکام جلد ۵ ص ۵۳) امر ظاہری طور پر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صیغہ امر بے صارف محمول پر وجوب است۔ (افادۃ الشیوخ ص ۱۰۶)

مانتا ہے یا نہیں کہیں وہ یہ نہ ارشاد فرمادے کہ

یہ سب سُوج کر دل لگایا ہے ناصح !

نئی بات کیا آپ فہم دار رہتے ہیں۔

قرآن کریم کی آیت اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت انسؓ بن مالک کی پیش کردہ صحیح روایتیں اپنے عموم الفاظ کے اعتبار سے سہری اور جہری سب نمازوں کو شامل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے پیچھے اقتداء کر لینے کے بعد مقتدی کو سوائے استماع، انصات اور غاموش رہنے کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اب بعض ایسی روایتیں پیش کی جاتی ہیں جن میں خاص طور پر جہری نمازوں میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی سخت تنبیہ اور مانعت آتی ہے۔ اور بعض روایتیں وہ بھی ہیں جن میں جہری نمازوں کی کوئی قید مذکور نہیں ہے بلکہ وہ سب نمازوں کو شامل ہیں۔

چوتھی حدیث۔ حضرت امام مالکؒ، امام ابن شہاب زہریؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن اُمیہ لیشیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :

لے حضرت امام مالکؒ اور امام ابن شہاب زہریؒ دونوں کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ صحابی ہیں۔ ابن اُمیہ لیشیؒ کا نام عمارہ تھا۔ امام ابو حاتمؒ اور یحییٰ بن سعیدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام یعقوب بن سفیانؒ ان کا مشہور تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۱۱) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ابن اُمیہؒ اور ان کے بھائی دونوں ثقیل ہیں۔ (ابو ہرانی ثقی جلد ۲ ص ۱۵۸ و مرقات جلد ۲ ص ۵۳۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ابو حاتمؒ زہریؒ ان کو صحیح الحدیث اور حدیث مقبول لکھتے ہیں۔ ابو حاتمؒ بیہقیؒ کا بیان ہے کہ ان کے پوتے عمر بن مسلمؒ، امام زہریؒ اور سعید بن ابی ہلالؒ نے ثقات کی ہے۔ (فتاویٰ جلد ۱ ص ۱۳۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ (تقریب ۲۷۶) مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور اوساط تابعینؒ تھے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۲۵۵) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی کی یہ شرط نہیں کہ اس سے روایت کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
انصرف من صلوۃ جہر فیہا بالقرآن
فقال هل قرأ معی منکم احد انفا فقال
وجل نعم انا یا رسول اللہ قال فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی
اقول ما لی انا نفع القرآن فانتہی الناس
عن القراءة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ
کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جہری نماز
سے فارغ ہوئے اور یہ ارشاد فرمایا کیا تم میں سے
کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ ایک
شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ میں نے قرأت
کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جہری تو ہیں (اپنے
دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت
میں منازعت اور باتھا پائی کیوں جو جہری ہے؟
اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے

(بقیہ صفحہ) جیسے ابن اکیثم لیشی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں۔ حالانکہ امام زہریؒ کے علاوہ اور کسی نے ان سے روایت
نہیں کی۔ (بخاری المنہج ص ۶۱) امام ابن حنینؒ کا بیان ہے کہ ابن اکیثمؒ کی توشیح کے لیے یہی ایک دلیل
کافی ہے کہ امام زہریؒ جیسے جلیل القدر امام ان سے روایت کرتے ہیں۔ (ابو ہریرہ النقی جلد ۲ ص ۱۵۸)
حافظ ابن کثیرؒ اس حدیث کی امام ترمذیؒ اور ابو حاتمؒ سے تحسین اور تصحیح نقل کرتے ہیں۔
(تفسیر ابن کثیرؒ ص ۶۲۳) مولانا میر صاحبؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ یہ
موظا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سند روایت ہے جس کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا۔
(بلفظہ تفسیر واضح السببان ص ۴۷۰)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ نے جو یہ کہا ہے کہ ابن اکیثم لیشیؒ
ثقہ ہیں۔ مگر امام زہریؒ کے علاوہ اور کسی نے ان سے روایت نہیں کی تو یہ ان کا وہم ہے۔ حافظ ابن
کثیرؒ کا حوالہ پہلے نقل ہو چکا ہے کہ ان سے ان کے پوتے عمر بن مسلمؒ (ان کی روایت صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۰) میں
ہے ملاحظہ کیجیے (امام زہریؒ اور سعید بن ابی ہلالؒ نے روایت کی ہے۔ علاوہ انہیں ان سے ایک چوتھے راوی
بھی ہیں۔ چنانچہ مستدرک جلد ۲ ص ۳۸۴ میں ہے عن ابی الحویرث عن عمارۃ بن اکیثم اللیشیؒ.....
... الخ ابو الحویرث کا نام عبدالرحمن بن معاویہ تھا ابن حنینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۱۱۸) ابن
حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۶۷۶) لہذا علامہ ذہبیؒ اور مبارک پوری صاحبؒ
کی رائے صحیح نہیں ہے۔ ع خذ ما تراه ودع شیئاً سمعت بہ۔

وسم فیما جہر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالقرآن حین سمعوا ذلک
قرأت کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت
ترک کر دی تھی۔

من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (موطأ امام مالک ص ۲۹، ۳۰)

یہ روایت موطأ امام مالک کے علاوہ حدیث کی دیگر معتبر اور مستند کتابوں میں مذکور ہے
جس کے صحیح ہونے میں قطعاً کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت
کی ممانعت میں یہ روایت قطعی ہے۔

یہ واقعہ صبح کی نماز کا ہے۔ (دیکھتے سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۷ و ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰
وغیرہ) جس میں تقریباً تمام حضرات صحابہ کرام موجود ہوں گے، مگر ان میں آپ کے پیچھے قرأت
کرنے والا صرف ایک شخص تھا اور آپ نے ان دیگر حضرات کو کچھ بھی نہیں کہا جنہوں نے قرأت
نہیں کی تھی بلکہ اسی کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ جس نے قرأت کی تھی اور حضرات صحابہ کرام میں
سے کسی نے اس کا حوالہ نہیں دیا کہ حضرت آپ نے تو قرأت کرنے کا خود حکم دیا ہے۔ پھر
کیا ممانعت کا کوئی جدید حکم آیا ہے؟ اور محال ہے کہ آپ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے
کا حکم دیا ہو اور اس پر عمل کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہو اور آپ نے قیام رکوع، سجود
اور قعدہ وغیرہ کو نیز تسبیح، تحمید اور تہنید کو ناگوار نہیں فرمایا۔ اگر ناگوار گزری ہے تو صرف
مقتدی کی قرأت، جہری نمازوں میں اس سے بڑھ کر امام کے پیچھے قرأت کے منع ہونے
کا اور کیا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے؟ مواف خیر الکلام کا (ص ۲۳۷ میں) یہ کہنا کہ اگرچہ
حدیث میں لفظ مطلق قرأت ہے کہ جہری نمازوں میں قرأت سے باز آگئے مگر قرأت کی

۱۔ یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۱۰۶، ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰، ترمذی جلد ۱ ص ۳۲، ابن ماجہ
ص ۶۱، مسند احمد جلد ۲ ص ۳۰۱، علی جلد ۳ ص ۶۳۰، جزر القرآن ص ۵۵، سنن الکبریٰ
جلد ۲ ص ۱۵۷، کتاب القرآن ص ۹۹، کتاب الاعتبار ص ۱۹۷، البحر المنقہ جلد ۲
ص ۱۵۸، ابن کثیر جلد ۳ ص ۶۲۳، مرقات جلد ۱ ص ۵۳۳، فتاویٰ ابن تیمیہ ۲ ص ۱۴۹،
عقیدۃ محمدیہ جلد ۲ ص ۱۸۹، فتح الملمع ۲ ص ۲۳، بذل المجہود ۲ ص ۵۷، تحقیق الکلام ۲
ص ۱۱۲۵، بکار المنن ص ۱۵۵، فصل الخطاب ص ۳۳، اور علاء السنن جلد ۳ ص ۸۷ وغیرہ
کتابوں میں مذکور ہے۔

بننا پر مطلق کی تقدیر ہو سکتی ہے۔ انج بالکل ایک بے وقعت بات اور مطلب پرستی کے لیے صرف ایک بہانہ ہے جس کو ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے اور یہی بے سود بہانہ قاضی مقبول احمد صاحب نے کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الاعتصام ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۱۸) اور انھوں نے اس مطلق قرأت کو ما زاد علی الفاتحہ پر محمول کر کے بالکل ایک اور غیر معقول بات کہی ہے جو طفل لسانی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ امام ابو بکر الرازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت جہرا اور سر دہنوں پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہرا اور سر کا کوئی فرق بیان نہیں کیا۔ ہاں البتہ راوی نے اس کی تاویل یہ کی اور وہ یہ سمجھے کہ یہ جہر سے متعلق ہے۔ (مغسلہ احکام القرآن جلد ۳ ص ۵۱) فرق ثانی کی طرف سے اس روایت پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کو ان کے جوابات کے ساتھ ملاحظہ کر لیجئے۔

پہلا اعتراض: امام سیہقیؒ، علامہ حازمیؒ، علامہ ابن جوزیؒ، امام نوویؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ ابن اکیمہ لٹنی مجہول ہے۔ بنا بریں یہ روایت قابل انتفاع نہیں۔ (سنن الکبریٰ ص ۱۵۹، کتاب القرآن ص ۹۹، کتاب الاعتصام ص ۹۸، محلی جلد ۳ ص ۲۲۰، شرح منہب جلد ۳ ص ۳۷۸ و ۱۶۱ بکار المنہب ص ۱۵۵ وغیرہ)

جواب: ان اکابر کا یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ اولاً۔ پوری تشریح کے ساتھ ابن اکیمہ کی توثیق نقل کی جا چکی ہے۔ اور باقر میر صاحبؒ و مبارکپوری صاحبؒ موطا کی مسند روایت پر کلام نہیں کیا جاسکتا۔ اور ابن اکیمہ ثقہ تھے۔ پھر بھی اعتراض کیے جانا انصاف کے بالکل منافی ہے۔

ثانیاً حضرات محدثین کرام کا یہ ضابطہ ہے کہ اگر کسی راوی کی دیگر محدثین توثیق کریں (بلکہ اس سے روایت کرنے والا بھی اگر وہ اہل توثیق ہے جو خود توثیق کرے) تو اس پر جہالت کا الزام نہیں ہوتا۔ وہ ثقہ اور عادل راویوں کی صف میں آجاتا ہے۔ (شرح منجۃ المکرم ص ۷۰ وغنیۃ الامنی ص ۳۵۲، مولانا شمس الحق المنعم مع معجم الصغیر للطبرانی رحمہ اللہ اور ابن اکیمہ کو دیگر محدثین بھی ثقہ کہتے ہیں۔ اور امام زہریؒ (جن کا اہل توثیق میں پایہ بہت بلند تھا) بھی توثیق کرتے ہیں۔ اور چار راوی ان سے فن حدیث میں روایت کرتے ہیں۔ ان میں حالات ان کو مجہول کہتے جانا انصاف کا ٹھون کرنا ہے۔

ثالثاً۔ مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی راوی پر جہالت کا الزام ہو اور امام ابن

جہاں اس کی توثیق کر دیں تو جہالت کا الزام رفع ہو جاتا ہے۔ (ابکار المنین ص ۱۳۱) اور ابن اکیثمہ کہ ابن جہاں ثقات میں لکھتے ہیں۔ غرض کہ کسی راوی سے متعلق ثقبہ ثبت اور عادل ہونے کے جتنے قواعد محدثین کرام کے نزدیک ثابت ہیں۔ وہ تمام ابن اکیثمہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور جہاں سے نکلنے کا کوئی ضابطہ ایسا نہیں جو ان میں نہ پایا جاتا ہو۔ پھر فریق ثانی ہی انصاف سے فرما دے کہ ابن اکیثمہ نے وہ کون سا جرم کیا ہے کہ ان کے لیے جہالت کے چکر سے نکلنے کے لیے کوئی دروازہ نہیں کھلتا۔ شاید وہ سمجھتے ہوں کہ توثیق کا نام ہی جہالت ہے۔ ع نام ان کا رکھ لیا ہے آسمان تحریر میں

الحاصل فن حدیث کے لحاظ سے اس حدیث کے صحیح اور معتبر ہونے میں مطلقاً کوئی کلام نہیں ہے۔ رہا اس حدیث کا حضرت ابو ہریرہؓ کے موقف اثر (اقرأ بھا فی نفسک) سے معارضہ کرنا تو اس کی بحث اپنے مقام پر آ جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

دوسرا اعتراض۔ حضرت امام بخاری، امام بیہقی، امام نووی، مولانا ابو عبد الرحمن محمد عبد اللہ اور مبارکپوری صاحب وغیرہ لکھتے ہیں کہ فانتہی الناس عن القراءة حین سمعوا ذلک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان نہیں کیا بلکہ یہ حضرت امام زہریؒ کا بیان ہے۔ اور امام زہریؒ کی عادت تھی کہ مرفوع حدیث میں اپنا قول ملا دیا کرتے تھے۔ اور اس دعویٰ کی دو دلیلیں ہیں۔ اول۔ امام لیث بن سعد اور ابن جریرؒ فانتہی الناس الخ کا ٹکڑا اپنی روایت میں بیان نہیں کرتے۔ دوم۔ امام اوذاعی، امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ

قال الزہری فانتہی الناس فلم یکنوا یقرأون۔ (جزء القراءة ص ۷۳، ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰، سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۵)

امام زہریؒ نے فرمایا کہ اس قول سے لوگوں نے نصیحت حاصل کر لی اور امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ جملہ امام زہریؒ کا مدرج ہے اور یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام اوذاعیؒ نے یہ بات تو اچھی طرح محفوظ رکھی ہے (کہ فانتہی الناس الخ امام زہریؒ کا مدرج ہے، مگر شعری قسم کہ) الا وانہ لعمد حفظ اسنادہ۔ لیکن وہ اس کی سند محفوظ نہیں.... رکھ سکے۔

(جزء القراءة ص ۲۳، کتاب القراءة ص ۹۹ و سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۸، شرح منہج ص ۳۰۰، عقیدہ محمدیہ جلد ۲ ص ۱۹۰ وغیرہ واللفظ للبیہقی)

جواب۔ ان حضرات کا یہ کہنا کہ یہ قول امام زہریؒ کا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تابعین نے امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی تھی..... محض دفع الوقتی پر مبنی ہے اور اصول کے لحاظ سے یہ غلط ہے۔
 اولاً۔ اس لیے کہ امام بیہقیؒ کا بیان ہے کہ جو جملہ حدیث مرفوع کے ساتھ بیان ہو وہ مرفوع ہی ہوگا۔ الا یہ کہ اس کے مدرج ہونے پر قاطع دلیل قائم ہو۔ (تلخیص الجبر ص ۱۲۶) اور کمزور سند اور محض احتمال سے اور ارجح ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ محض احتمال سے اور ارجح ثابت نہیں ہو سکتا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۴۲۵) اور اس کے مدرج ہونے کی کوئی عقلی اور نقلی صبیح دلیل موجود نہیں ہے۔

ثانیاً۔ امام بیہقیؒ، علامہ حازمیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور امام نوویؒ لکھتے ہیں۔ واللفظ لہ۔

وَبَيَّنَّا أَنَّ الصَّحِيحَ بِلِ الصَّوَابِ الَّذِي عَلَيْهِ الْفُقَهَاءُ وَالْأَصُولِيُّونَ وَمُحَقِّقُوا الْمَحْدُثُونَ أَنَّهُ إِذَا رَوَى الْحَدِيثَ مَرْفُوعًا وَمَوْقُوفًا أَوْ مَوْصُولًا وَمَرْسَلًا حَكَمَ بِالرَّفْعِ وَالْوَصْلِ لَوْ هَذَا يَزِيدُ ثِقَةً وَسَوَاءٌ كَانَ الْمُرَافِعُ وَالْوَاصِلُ أَكْثَرُ أَوْ أَقَلَّ فِي الْحِفْظِ وَالْعَدَدِ۔ (شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۴)

ہم بیان کرتے ہیں کہ صحیح بلکہ خاص حق بات یہ ہے جس پر فقہاء، علماء اصول اور محقق محدثین متفق ہیں کہ جب کوئی حدیث مرفوع اور موقوف روایت کی گئی ہو۔ یا موصول اور مرسل بیان ہوئی ہو تو اس صورت میں حدیث مرفوع اور متصل ہی سمجھی جائے گی چاہے رفع اور وصل کرنے والے حنفیہ اور محدثین یا یہ ہوں یا کہ حدیث بہر حال مرفوع ہوگی۔

علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی ثقہ راوی سے معاً دو مسئلوں میں اختلاف پیدا ہو کہ

۱۔ کتاب القراءة ص ۴۶

۲۔ کتاب الاعتبار ص ۱۲

۳۔ تلخیص الجبر ص ۱۲۶

۴۔ شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۶۔ اور امام نوویؒ نے جلد ۱ ص ۲۸۲ و جلد ۲ ص ۴۷۲ و جلد ۳ ص ۴۰ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے اور جلد ۲ ص ۲۸۲ میں حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا خاص طور پر نام ذکر کیا ہے۔

کسی وقت وہ موصول بیان کرتا ہے اور کسی وقت مرسل یا کسی وقت وہ مرفوع بیان کرتا ہے اور کسی وقت موقوف۔ تو صحیح قول کی بنا پر اس کے موصول اور مرفوع ہونے کا حکم کیا جائے گا نہ کہ مرسل اور موقوف ہونے کا۔ (شرح الفیہ جلد ۱ ص ۸۳)

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ اذا کان الواصل ثقة فهو مقبول۔ (دلیل الطالب ص ۲۴)

اور نیز فرماتے ہیں کہ

خلافہ کہ در رفع ووقف اوست قارح ورجحیت نہ باشد چہ رفع زیادت است

(ایضاً ص ۱۴۴)

اور نیز لکھتے ہیں کہ قال شیخنا وبرکتنا الشوکانی وهو الحسن اذا جاءت الزیادة من طریق الثقة۔ (ایضاً ص ۲۶۱) امام زہریؒ کی ثقاہت اور عدالت بھی بالاتفاق مسلم ہے۔ اس لیے اس طے شدہ قاعدہ کے رو سے یہ جملہ بھی مرفوع ہی ہو گا۔

ثالثاً۔ امام ابو داؤدؒ، ابن ابی السرحؒ سے روایت کرتے ہیں وہ معمرؒ سے اور وہ امام زہریؒ

سے وہ فرماتے ہیں کہ

قال ابوہریرۃ خاتمی الناس۔ (ابو داؤد جلد ۱) کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔ لوگوں نے قرأت ترک

کر دی تھی۔

(ص ۱۲۰)

۱۵۔ ابن ابی السرحؒ کا نام احمد بن عمرو بن عبد اللہ بن عمرو بن السرح تھا۔ محدث علی بن الحسن بن خلفؒ کا بیان ہے کہ وہ ثقہ ثبت اور صالح تھے۔ ابو زرعہ اور ابو حاتمؒ نے بائیں بہ سے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ ابن یونسؒ ان کو ثقہ اور من الصالحین الا ثبات لکھتے ہیں۔ امام نسائیؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۶۴) جب یہ ثقہ اور ثبت ہیں تو امام ابو داؤدؒ کے باقی چار اساتذہ اگر اس کو نقل نہیں کرتے تو نہ کریں زیادت ثقہ مطلقاً مقبول ہے۔ اس لیے مولف خیر الکلام کا یہ عذر رنگ بھی قابل سماعت نہیں ہے اور اسی طرح لیث بن سعد وغیرہ کا اس جملہ کو نکال دینا اور امام زہریؒ کا سانس پھولنے یا کھانسی وغیرہ کی وجہ سے اس کو آہستہ پڑھنا بھی ہرگز اور لاج کی دلیل نہیں ہے۔

۱۶۔ معمرؒ راشد کو علامہ ذہبیؒ (امام الحجۃ احد الاعلام اور عالمین لکھتے ہیں (مذکرہ جلد ۱ ص ۱۰۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۲۶) امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ امام (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

اس صحیح روایت سے معلوم ہو گیا کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے۔ نہ یہ کہ امام زہریؒ کا مارج ہے۔ جب معمرؒ کا اثبث الناس فی الزہریؒ ہو تو محدثین کا طے شدہ قاعدہ ہے۔ نوام لیث بن سعد اور ابن جریرؒ کا اس جملہ کو نہ نقل کرنا اس کے مارج ہونے کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس میں صحیح اور صواب بات معمرؒ کی ہوگی خصوصاً جبکہ وہ ثبت بھی ہیں۔

راقعاً۔ گو امام اوزاعیؒ بہت بڑے محدث فقیہ اور امام تھے۔ لیکن کتب الرجال میں اس کی تصریح موجود ہے کہ امام زہریؒ سے جو روایت وہ کرتے ہیں وہ حجت نہیں ہو سکتی حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ کی امام زہریؒ اور یحییٰ بن ابی کثیرؒ سے جملہ روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں۔ (کتاب الانصاف ص ۲۰۱ و کتاب العلم ص ۲۰۱) امام ابن معینؒ کا بیانیہ کہ اوزاعیؒ فی الزہریؒ لیس بذالک (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۷۴۱) کہ امام اوزاعیؒ زہریؒ سے روایت کرنے میں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ امام یعقوب بن شیبہؒ کا بیان ہے کہ امام اوزاعیؒ ثقہ اور ثبت تھے۔ لیکن انکی زہریؒ سے جملہ روایتیں کمزور اور ضعیف ہیں۔ (ایضاً) یہ راوی ضعیف نسبتاً نہیں ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۴۰ میں لکھا ہے۔ اور دھوکہ دیا ہے بلکہ یہ محدثین کی تصریح کے مطابق زہریؒ کی روایت میں حقیقتہً ضعیف ہے۔ انصاف شرط ہے کہ امام معمرؒ کی روایت کو (جواثب الناس فی الزہریؒ) چھوڑ کر امام اوزاعیؒ کی روایت کو (جن کی زہریؒ) (بقیہ کچلا صفحہ) زہریؒ کے تلامذہ میں سے زیادہ ثبت کون ہے؟ فرمایا معمرؒ اثبث الناس فی الزہریؒ۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۵۵) امام ابن معینؒ کا بیان ہے کہ معمرؒ اثبث الناس فی الزہریؒ۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۷۹) لہذا زہریؒ کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند روایت صرف معمرؒ راشدؒ کے طریق ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس متصل حدیث کو مرسل کہنا، جیسا کہ مؤلف خیر الکلام ص ۲۳۹ میں کہا ہے بالکل باطل اور مردود ہے۔ اور قاضی مقبول احمد صاحب نے اسے معروف صحابی اور فہم صحابی کہہ کر غلطی چاہی ہے جو انتہائی جاہل ہے۔ یہ فہم صحابی نہیں یہ روایت حدیث ہے کہ جب آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو اس کے نتیجے میں لوگ ہر قسم کی قرأت سے بالکل باز آ گئے۔ یہ روایت ہے نہ کہ فہم صحابی۔ اس لیے حدیث بالکل صحیح اور قابل قبول ہے۔ البتہ نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں۔

کے طریق سے تمام روایتیں کمزور اور ضعیف ہیں۔ کیونکہ ترجیح دی جاسکتی ہے؛ امام بیہقی پر
امام اوزاعیؒ کی یہ نوازش ہوتی ہے کہ اتنا تو وہ یاد رکھ سکے ہیں کہ یہ جملہ مرفوع حدیث میں نہیں ہے۔
مگر سند محفوظ نہیں رکھ سکے۔ امام بیہقی علیہ الرحمۃ کو کیا مصیبت درپیش ہے کہ وہ ان لایعنی اور
بے سند باتوں اور تاریکیوں سے معجز کی صحیح روایت کو رد کر کے اصول شکنی کرتے ہیں؟
مگر بیچ ہے ایک غلطی کے درست کرنے کے لیے متعدد غلطیوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

خامساً۔ اگر یہ جملہ بالفرض حضرت ابو ہریرہؓ کا نہ ہو بلکہ امام زہریؒ کا ہو۔ تب بھی کامیابی
اور فتح جہوری کی ہوگی۔ فریق ثانی کو بغیر حرام نصیبی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ شیخ الاسلام ابن
تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ اگر بالفرض فانتہی الناس الخ کو امام زہریؒ کا مدرج ہی تسلیم کر لیا جائے۔
تب بھی یہ اس بات کی ایک بہت بڑی وزنی دلیل ہوگی کہ امام کے پیچھے قرأت کو ناصحیح نہیں
ہے کیونکہ امام زہریؒ اپنے وقت میں سنت اور حدیث کے بہت بڑے امام تھے۔ اگر امام
کے پیچھے قرأت کو نا ضروری ہوتا تو یہ مسئلہ امام زہریؒ سے کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟ جب امام
زہریؒ یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں لوگوں نے قرأت ترک کر دی تھی۔ تو یہ اس بات کی
کھلی اور معقول دلیل ہے کہ حضرات صحابہ و تابعینؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے اور اسی
پر امام موصوفؒ نے ان کو عامل پایا (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۲۵)

سادساً۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ فریق ثانی اس جملہ کو امام زہریؒ کا مدرج تسلیم کرتا ہے۔

اگر یہ جملہ (فانتہی الناس الخ) سرے سے اس حدیث میں نہ ہو اور روایت حالی (انما نافع
القولان پر ہی ختم ہو جائے) جیسا کہ امام لیثؒ بن سعد وغیرہ کی روایت یہیں ختم ہوتی ہے (تو پھر بھی
یہ حدیث جہور کی دلیل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنا والا
مثلاً یہ کہ صحیح اور ضعیف حدیث کا تعارض ہو تو صحیح قابل اخذ اور ضعیف متروک ہوگی۔ ثقہ کی زیادت
مقبول ہوگی۔ واصل اور رافع کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ قسب کو نافی پر ترجیح ہوگی۔ امام مہر الثبت
الناس فی الزہری ر۳ ہیں۔ امام اوزاعیؒ فی الزہری لیس بذک وغیرہ وغیرہ تمام
طے شدہ قواعد کو محض ایک غلط بات کو درست کرنے کے لیے ٹھکرایا جا رہا ہے۔ فوا عجبا و
والاسفا۔

صرف ایک ہی شخص تھا اور اس کو بھی آپ نے گوارا نہ فرمایا۔ پہلے آپ نے نماز سے فاسخ ہو کر فوراً سوال کیا۔ اور پھر اس شخص کے اقرار کرنے کے بعد مالی انازع القرآن کے جملہ سے اس کی قرأت کو ناپسند کرتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ فرمائی اگر فانتھی الناس کا جملہ سرے سے نہ ہو تو کیا اس تنبیہ کے بعد بھی اس کا حضرات صحابہ کرام سے احتمال ہے کہ وہ باقاعدہ امام کے پیچھے قرأت کرتے رہے؟ حاشا وکلاً۔ راقم کہتا ہے کہ اگر اس حدیث میں اور کچھ بھی نہ ہو تا صرف یہی جملہ ہوتا۔ هل قرأ معی منکم احدٌ تو پھر بھی یہ جہور کی دلیل کے لیے کافی ہوتا، حالانکہ جملہ فانتھی الناس حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے، جیسا کہ بسند صحیح آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اصلی بات یہ ہے کہ امام زہریؒ کے فانتھی الناس النخ کے مضمون کے سمجھنے میں فیر بن ثانی کو غلطی واقع ہے جس کے سبب انھوں نے پیچ در پیچ غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے اور ایک سبب بنیاد ملے آپ نے هل قرأ ارشاد فرمایا ہے۔ هل جہور نہیں فرمایا جس سے سورۃ فاتحہ کی قرأت ہر طرح سے ممنوع ہوگی۔ اس لیے هل قرأ کو ہر پر عمل کرنا یا هل قرأ کو مازاد علی الفاتحہ پر عمل کرنا جیسا کہ امام بیہقیؒ وغیرہ نے کیا ہے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۹ وغیرہ) یقیناً باطل اور مردود ہے اور محل النصوح علی ظہور ہر ہا کے خلاف ایسا مطلب مراد لینا ہرگز صحیح نہیں۔ رہا یہ سوال کہ اگر پڑھنے والے نے آیت قرأت کی تھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے علم ہوا؟ تو یہ جہوری سطحی قسم کی بات ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کو نماز کی حالت میں ایک مخصوص کیفیت حاصل تھی جس سے آپ مقتدیوں کے رکوع و سجود اور خشوع کو ملاحظہ کر لیتے تھے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱) ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اچھی طرح وضو کر کے نہیں آتے جس کی وجہ سے ہم پر قرآن کریم کی قرأت ملتبس ہو جاتی ہے (نسائی جلد ۱ ص ۱) حافظ ابن کثیرؒ اسی مضمون کی ایک اور روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسناد حسن و متن حسن۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مقتدیوں کے وضو کے نقصان سے متاثر ہوتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز سے (صحۃ وفساداً) وابستہ اور متعلق ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۴۱) لہذا مقتدی کی آہستہ قرأت سے آپ کا متاثر ہونا بعید نہ تھا۔ اس لیے نماز کی حالت میں آپ کی طبیعت لطیف تہا اور شفاف تر ہو جاتی تھی۔

۱۱ امام زہریؒ مرفوع حدیث بیان کر رہے تھے جس میں فانتھی الناس النخ کا جملہ بھی تھا۔ امام موصوفؒ (باقی اگلے صفحہ پر)

اور پادرو بات کی دستی کے لیے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہیں۔

تیسرا اعتراض: مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے امام کے پیچھے صرف جہری نمازوں میں قرأت کی مانعت آتی ہے۔ حالانکہ تم ستری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے منکر ہو۔ لہذا تمہارا دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے۔ (تحقیق الکلام وغیرہ)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کے شکر و کجرت تھے۔ ایک نے یہ جلد براہ راست امام زہریؒ سے نہ سنا تو رفیق بنی سے پوچھا کہ امام زہریؒ نے کیا فرمایا تھا۔ وہ بولے فانتھی الناس الخ کہا تھا۔ اس سے بعض کو یہ دھوکہ ہوا کہ شاید یہ جلد امام زہریؒ کا مدرسہ ہے۔ حالانکہ یہ جلد بھی مرفوع حدیث میں موجود تھا۔ (فتح الملم جلد ۲ ص ۲۳ و اعلام السنن جلد ۲ ص ۸۸) چنانچہ روایت یوں ہے کہ

وقال عبد الله بن محمد الزهري
من بينهم قال سفيان وتكلم الزهري
بكلمة لمراسمها فقال معمراته
قال فانتھی الناس الخ
ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰، کتاب القراءة ص ۹۹، سنن
البکری ص ۱۵۸

اپنے ساتھیوں میں سے عبد اللہ بن محمد نے
یہ بیان کیا کہ سفيان نے فرمایا کہ امام زہریؒ نے ایک
کلمہ بیان کیا لیکن میں خود ان سے نہ سن سکا۔ میں نے
پوچھا کہ انہوں نے کیا فرمایا ہے؟ امام معمرؒ نے فرمایا کہ زہریؒ
نے فانتھی الناس الخ کا جملہ بیان کیا ہے۔

ادھر کتب احادیث میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔ مثلاً زہریؒ کا بیان ہے کہ ابو الزہریؒ حدیث بیان کر رہے
تھے۔ ایک جلد میں نہ سن سکا۔ وہ جلد مجھے میرے رفیق درس یاسین زبایدؒ نے بتایا۔ (طیالسی ص ۲۴) حضرت جابر بن
سموہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث ارشاد فرما رہے تھے لیکن ایک جلد میں نہ سن سکا۔ میں نے اپنے
رفیق سے پوچھا تو اس نے مجھے بتلایا (ترمذی جلد ۲ ص ۳۹، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳، طیالسی ص ۲۴، بغدادی جلد ۱ ص ۱۹) حضرت
عبد اللہ بن قرطہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی مگر ایک خفیف سا کلمہ میں نہ سن
سکا۔ میں نے پہلو میں اپنے رفیق سے پوچھا تو اس نے مجھے بتلایا (مسند رک جلد ۴ ص ۲۲) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ
فرماتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی۔ لیکن ایک جلد اہل مجلس کے رونے اور
شور و غل کی وجہ سے میں نہ سن سکی۔ میرے قریب جو صاحب بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا
تو انہوں نے وہ جلد مجھے بتلایا۔ (نسائی جلد ۴ ص ۲۲۴ و مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۶) اور یہ تمام جملے مرفوع حدیث کے ساتھ تھے۔
یہی حال فانتھی الناس الخ کے جملہ کا ہوا ہے۔

جواب: یہ ٹھیک ہے کہ جو راہل اسلام تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کے عدم جواز کے قائل ہیں لیکن یہ دعویٰ کس نے کیا ہے کہ تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے عدم جواز قرآن کی دلیل صرف یہی ایک حدیث ہے۔ ہاں جہری نمازوں میں عدم جواز قرآن خلف الامام کی ایک دلیل یہ روایت بھی ہے باقی سری نمازوں کے لیے قرآن کریم کی آیت۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث و اذا قرء فانصدوا چلے بیان ہو چکی ہے۔ بقید لائل اپنے مقام پر بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نقد تو وصول کر لیجئے۔ اور ادھار کے منتظر رہیے۔ دنیا بامید قائم است۔

باقی امام بیہقی وغیرہ کا ابن اکثمؒ کی روایت کا علاء بن عبد الرحمنؒ کی روایت سے معارضہ کر کے علاء بن عبد الرحمنؒ کی روایت کو ترجیح دینا سو قیام دود ہے، جس کی پوری تشریح اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز اور یہ بات بھی اپنے مقام پر انشاء اللہ تعالیٰ باحوالہ آئے گی کہ حضرت ابو ہریرہؓ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن نہیں کرتے تھے۔ لہذا مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ جہری نمازوں کو بھی شامل ہے بالکل بے کار ہے۔

پانچویں حدیث۔ امام عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے والد ماجد امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یعقوب بن ابراہیمؒ نے بیان کیا۔ وہ محمد بن عبد اللہ بن مسلمؒ سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو امام الحافظ اور النجاشیؒ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۱۳) امام احمد کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

علامہ ابن معینؒ اور علیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن سنانؒ کو ثقہ اور ماہون کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۸۰) علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور الحافظ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۰۴) امام احمدؒ ان کو صالح الحدیث اور لا یأثم بہ کہتے ہیں۔ ابن معینؒ ایک روایت میں ان کو صالح کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ ان کی روایتیں لکھی جاسکتی ہیں۔ امام ابو داؤدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ مجھے ان کی کسی حدیث میں خرابی معلوم نہیں اور میں نے ان کو کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی۔ واقعہً ان کو کثیر الحدیث اور صالح کہتے ہیں۔ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں (اور یہ بالکل ایک ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کے راوی میں اگر کوئی کمزوری ہو تو قابل برداشت ہوتی ہے جبکہ مقابلہ کوئی ثقہ راوی ہو) صحیح بخاری میں ان کی دو حدیثیں ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱) امام زہریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔

وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمن بن ہریر نے بیان کیا۔
وہ عبداللہ بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ

هل قرأ احد منكم معي انفا قالوا نعم
قال اني اقول مالي انا زرع القرآن فانتهى
الناس عن القراءة معد حين قال ذلك -
(مسند احمد جلد ۵ ص ۳۴۵)

کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی
ہے؟ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا جی حضرت قرأت
کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تب ہی تو میں (دل
میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم قرأت میں
منارعت اور کشمکش کیوں کی جا رہی ہے؟ آپ کا
یہ ارشاد جب سناتو لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت
ترک کر دی۔

امام ابوبکر بن ہشام (المتوفی ۲۵۵ھ) اس حدیث کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ وواہ احمد
ورجال احمد رجال الصحيح۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۰۹) یہ روایت امام احمد نے بیان کی
ہے اور امام احمد کی سند کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ اس کے آگے علامہ بن ہشام نے
امام بزار کا وہ اعتراض نقل کیا ہے جو عنقریب آ رہا ہے۔ الغرض سند کے لحاظ سے یہ تراویح
بھی صحیح ہے۔ اور اس میں جہری نماز کی کوئی قید بھی مذکور نہیں ہے۔ لہذا یہ روایت جہری اور
سب سے تمام نمازوں کو شامل ہے۔ گویا اس روایت کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے تمام نمازوں میں قرأت ترک کر دی تھی۔ (ملاحظہ ہوا احکام القرآن
جلد ۳ ص ۵۲ المبحث فی الرأی) اور اگر اس روایت میں جہری قید بھی ہو جیسا کہ مجمع الزوائد جلد ۲
ص ۱۰۹ امام زہری ان کو الحافظ اور ثبت لکھتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۹۱)

علامہ بخاری نے والدہ کا نام تھا (نور ص ۱ ص ۲۱۱ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم دوم صفحہ ۳۰) والد کا نام
مالک تھا۔ (صحیح مسلم ص ۱۱۱) مدینہ سے تیس میل دور مقام ریم میں متوطن ہو گئے تھے (استیعاب
جلد ۱ ص ۳۵۱) اور جلیل القدر و فضلاء صحابہ میں ان کا شمار تھا۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۱۳۱) المتوفی ۵۵ھ
یہ روایت سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۰ اور کتاب القراءة ص ۵ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

کی ایک روایت میں ہے صلیٰ صلوة بجمہ فیہا الخ تب بھی چہری نمازوں میں ترک قرآن خلف الامام پر سابق روات کی طرح یہ صریح دلیل ہے۔ اس روایت پر امام بزاز اور امام بیہقی وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں محمد بن عبد اللہ بن مسلم نے خطا کی ہے۔ اصل روایت عن ابن اکیمہ عن ابی ہریرۃ الخ تھی۔ لیکن انھوں نے عن ابن جحینہ کر دی ہے۔ اور پھر محض لفظوں کے ذریعہ لوں رعب جانے کی سعی کی ہے کہ ہذا اخطا لا شک فیہ ولا ارتیاب۔ (سنن الکبریٰ ص ۱۵۹ وغیرہ) لیکن محض ظن اور اٹکل سے ایسے لو یعنی اور بیکار اعتراض کون سنتا ہے؟ کیا ابن اکیمہ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ عبد اللہ بن جحینہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ترک قرأت خلف الامام کی روایت نقل کرنے کے مجاز نہیں تھے؟ اور کیا امام احمد بن حنبلؒ اور علامہ بیہقیؒ وغیرہ کو یہ غلطی اور خطا معلوم نہ ہو سکی؟ نہ تو اس میں اندراج کی غلطی سے انتقال سند ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص ۱۴۴ میں کہا ہے اور نہ یہ روایت ضعیف ہے۔ وعلیٰ سبیل التذلل اگر یہ روات عن ابن اکیمہ عن ابی ہریرہ ہی ہو۔ تب بھی یہ صحیح روایت پہلی روایت کی مؤید ہوگی اور اس کا صحیح ہونا آپ معلوم ہی کر چکے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت عبد اللہ بن جحینہ ہی سے مروی ہے۔ امام معمرؒ اور سفیان بن عیینہؒ کی زہری عن ابن اکیمہ الخ کی روایت اپنے مقام پر صحیح ہے۔ نہ تو دونوں میں تعارض ہے اور نہ اختلاف۔ رہا اس روایت میں قرآن کو چہر پر چل کر نایا اس میں قرأت کو مازاد علی الفاتحۃ پر محمول کرنا جیسا کہ امام بیہقیؒ نے کیا ہے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۹) تو محض فرسودہ اور بے حقیقت تاویل ہے۔ اور خالص سعینہ ندوی پر محمول ہے۔

فما محہ اللہ تعالیٰ بعمومہ وفضلہ۔

علامہ بیہقیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس روایت کے جلد راوی بخاری کے راوی ہیں۔ اگر اس روایت کو ابن اکیمہ سے تسلیم کیا جائے تو ابن اکیمہ بخاری کے راوی نہیں ہیں۔ لہذا ان کا رجحان رجال الصحیح کہنا ہی امام بزازؒ کی تردید کے لیے کافی ہے اور اپنے وقت میں اگر علامہ بیہقیؒ کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی؟ مؤلف خیر الکلام کا بیہقیؒ پر اعتراض بے سود ہے اگرچہ سند احمد کی بعض روایتیں ضعیف و کمزور ہیں مگر یہ سند بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے جلد راوی بخاری کے راوی ہیں۔

چھٹی حدیث : امام بزارؒ فرماتے کہ ہم سے محمد بن یسارؒ اور عمر بن علیؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو احمدؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یونس بن ابی اسحاقؒ نے اپنے باپ سے بیان کیا۔ وہ ابو الاخوصؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا :

۱۔ صاحب سند احمد بن عمرو بن عبد الخالقؒ (المتوفی ۲۹۲ھ) علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور علامہ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۰۴)

۲۔ حافظ بن حجرؒ ان کو حافظ اور علیؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ (الوحاتم صدوق اور نسائی لو ب س) کہتے ہیں۔ مسلم بن قاسمؒ ان کو ثقہ اور مشہور کہتے ہیں۔ دارقطنیؒ ان کو من الحفاظ والاشبات کہتے ہیں ابن حبانؒ ثقافت میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۷۷) عمرو بن علیؒ کو امام ابو زرؒ من فسان الحدیث اور دارقطنیؒ من الحفاظ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ثقافت میں لکھتے ہیں۔ مسلم بن قاسمؒ ان کو ثقہ اور حافظ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۷۷)

۳۔ ان کا نام محمد بن عبداللہ بن الزبیرؒ تھا۔ امام ابن زبیرؒ ابن معینؒ اور علیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ بغداد کا بیان ہے کہ میں نے ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ محدث ابو زرؒ اور ابن خراشؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام ابو حاتمؒ ان کو حافظ الحدیث کہتے ہیں۔ امام نسائیؒ لیس بہ بائیں ابن قانعؒ ثقہ اور ابن سعدؒ ان کو صدوق اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۹ ص ۷۵۵)

۴۔ امام ابن معینؒ اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ حسن الحدیث اور نسائیؒ لو بائیں بہ کہتے ہیں۔ علیؒ ان کو جائز الحدیث کہتے ہیں اور ابن شہینؒ ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۳ ص ۳۳۳) ۵۔ ابو اسحاق السبئیؒ علامہ ابن ناصر الدینؒ ان کو بڑے حفاظ اور ائمہ دین میں شمار کرتے ہیں (شذرات الثقات جلد ۱ ص ۱۵۵) امام نوویؒ لکھتے ہیں ان کی توثیق جلالت اور شمار پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسرار جلد ۲ ص ۱۷۷) علامہ نسائیؒ ان کو حافظ اور احمد الاطام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۷۷) امام احمد بن معینؒ، نسائیؒ، علیؒ اور ابو حاتمؒ وغیرہ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۷۷)

۶۔ ان کا نام عرف بن مالکؒ بن فضلہ تھا۔ امام ابن معینؒ، ابن سعدؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۱۴۹) حضرت ابن مسعودؓ جلیل القدر صحابی تھے جن کے کچھ مناقب بائبل میں بیان ہو چکے ہیں۔

کانوا یقرؤن خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ لوگ آج حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
 علیہ وسلم فقال خطبتم علی القرآن - وسلم کہ پیچھے قرأت کرتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا
 (احکام القرآن جلد ۲ ص ۵۵ و طحاوی جلد ۱ ص ۱۰۰) کہ تم نے مجھ پر قرآن مجید کی قرأت غلط ملط کر دی ہے۔
 (المجہر النقی جلد ۲ ص ۱۹۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے پیچھے قرأت کرنے والوں کی قرأت کو گوارا نہ
 فرمایا اور مخصوص لہجہ میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی اور اس میں چونکہ جہری نماز
 کی قید نہیں۔ اس لیے سب نمازوں کو یہ روایت شامل ہوگی۔ اور آہستہ قرأت کرنے بلکہ
 مقتدیوں کے عذر تکمیل وضو سے آپ کا متاثر ہونا پہلے نقل ہو چکا ہے۔ علامہ بیہقیؒ لکھتے
 ہیں کہ یہ روایت مسند احمد، مسند ابوالعلیٰ اور مسند بنزار میں مروی ہے۔ اور مسند احمد کی روایت
 کے جملہ راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۱) علامہ مارینیؒ لکھتے ہیں
 کہ وھذ۔ سند جید کہ یہ عمدہ اور کھری سند ہے۔ (المجہر النقی جلد ۲ ص ۱۹۲) اور قرأت
 چونکہ مطلق ہے اس لیے سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کی جملہ سورتوں کی قرأت کو شامل ہے کیونکہ
 آج حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جہر اور ستر کا کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔ (احکام القرآن
 جلد ۲ ص ۵۱)

اس روایت میں قرأ کو جہر پر یا قرأت کو مازاد علی الفاتحۃ پر بجز محمول کرنا جیسا کہ امام
 بیہقیؒ کی تقلید میں کرنے والوں نے (جن میں قاضی مقبول احمد صاحب بھی ہیں) کیا ہے بالکل
 غلط ہے ایسی لایعنی تاویلات کو کون ماننا ہے؟

بعض طرق میں اس کا ذکر آتا ہے کہ حضرات صحابہؓ آپ کے پیچھے جہر سے قرأت کرتے تھے
 مگر فی جہرون کے الفاظ سنداً و معنیاً محل نظر ہیں۔ یہ روایت دارقطنی جلد ۱ ص ۳۰ میں
 ہے، لیکن پوری سند یوں ہے: عن یونس بن ابی اسحق عن الاحوص... الخ اور گو
 تعلیق المنعنی میں کہا ہے: اسناد حسن مگر مؤلف خیر الکلام کے اصول سے یہ صحیح نہیں ہے
 وہ لکھتے ہیں کہ

اس کی سند میں ابواسحاق سبیعیؒ ہیں حافظ ابن حجرؒ نے ان کو تیسرے طبقہ کے مدلسین

میں شمار کیا ہے۔ طبقات المدلسین ص ۱۲۲ اور اس طبقہ کی روایات بدون تصریح سماع مقبول نہیں ہوتیں۔۔۔ الخ (خیر الکلام ص ۲۶۸) بقول ان کے یہ نہ تو صحیح ہے اور نہ مقبول علاوہ انہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ یونسؒ کی اپنے والد سے روایت ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۳۳) اور مؤلف خیر الکلام نے ص ۱۹۰ میں لکھا کہ بعض اہل علم ابواسحاقؒ کو ان کے اختلاف کی وجہ سے چھوڑ چکے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۲۹۲) لہذا متردک کی روایت کا کیا اعتبار۔ کم از کم ان کو اپنے پیش کردہ اصول کا خیال تو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

ساتویں حدیث: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالحسن علی بن احمد حامی مقررؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سلیمان فقیہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم بن ہشیم نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے آدمؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ

۳۲۹
۱ علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ صادق دیندار، فاضل اور حسن الاعتقاد تھے۔ (بغدادی جلد ۱) مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۲ میں یہ کہا ہے کہ ابن ابی الفوارسؒ کہتے ہیں ضعیف جدا۔ سخت ضعیف ہے۔ میزان جلد ۲ ص ۲۱۷ اور لسان المیزان جلد ۴ ص ۱۹۲ مگر یہ ان کی جمالت ہے کیونکہ جن کی تضعیف ابن ابی الفوارسؒ نے کی ہے وہ علی بن احمد بن ابی قیس المرقی الرفاعیؒ۔۔۔ الخ ہیں جن کی وفات ۳۵۲ھ میں ہوتی ہے۔ دیکھئے لسان جلد ۴ ص ۱۹۲ وغیرہ اور زبیرؒ سند میں علی بن احمد بن عمر بن حفص ابوالحسن المرقی المعروف بابن الحماہیؒ ہیں جن کی وفات ۴۱۷ھ میں ہوئی (دیکھئے بغدادی جلد ۱ ص ۳۳۳) اس لیے مؤلف خیر الکلام کا ص ۴۲ میں یہ کہنا کہ پھر یہ حدیث بالکل منکر شاذا اور ضعیف ہے۔ انتہی بلفظ قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۲ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ، الفقیہ اور شیخ العلماء لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۶۹) ۳ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (کوائف الجوامع جلد ۱ ص ۱) دارقطنیؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں (جلد ۱ ص ۱) ابن عدیؒ ان کو مستقیم الحدیث لکھتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ لسان المیزان جلد ۱ ص ۱۲۳ خطیبؒ ان کو ثقہ اور ثبت لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۲) ۴ آدمؒ ابن ابی ایاسؒ، امام ابو داؤدؒ، ابن مہینؒ اور عجلؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ ابوحاتمؒ ان کو ثقہ اور (باقی اگلے صفحہ پر)

ہم سے ابن ابی ذئبؒ نے بیان کیا۔ وہ محمد بن عمروؒ سے اور وہ محمد بن عبد الرحمنؒ بن ثوبانؒ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ما كان من صلوة يبهر فيها الامام جس نماز میں امام جہر سے قرأت کرتا ہو۔
بالقرأة فليس لاحد ان يقرأ معه۔ اس نماز میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ امام کے
(کتاب القراءة ص ۹۹، ص ۱۰۰ الطبع اشرف پریس) ساتھ قرأت کرے۔

یہ روایت بھی اس بات کو واشگاف کرتی ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے کسی مقتدی کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کرے۔ امام بیہقیؒ نے قرأت سے جہر اور ما زاد علی الفاتحة کی قرأت مراد لی ہے۔ لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مامور من اللہ تھے۔ اور آپ کو فاصدع بما تؤمر کا حکم تھا۔ مطلق قرأت اور سورۃ فاتحہ کی مقید قرأت میں نیز نفس قرأت اور جہر بالقراءة میں آپ اچھی طرح فرق جانتے تھے۔ پھر نہ معلوم آپ نے اتنی رازداری اور کنایہ سے کام کیوں لیا؟ آپ نے یہ کیوں نہ فرمادیا کہ فلیس لاحد ان يبهر معه اور یہ کیوں نہ فرمادیا: فلیس لاحد ان يقرأ معه غیر سورۃ الفاتحہ آپ کے الفاظ تو یہ ہیں فلیس لاحد ان يقرأ معه کسی کو یہ حق نہیں کہ امام کے ساتھ کسی قسم کی قرأت کرے۔ آپ کے مطلق حکم کو بلا دلیل مقید کر دینا (بقیہ گذشتہ صفحہ) مامون کہتے ہیں۔ نسائی لا باس به کہتے ہیں۔ ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۹۲)

لہ ثقہ، فقیہ اور فاضل تھے۔ (تقریب ص ۳۷۹)

لہ امام ابو زرؒ، نسائی اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۹ ص ۳۷۴)

لہ ابن سعدؒ ابو زرؒ، نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ وہ تابعین میں تھے اور ایسے ثقہ تھے کہ ان کے مثل سے سوال نہیں ہو سکتا۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۹ ص ۲۹۴) حضرت ابو ہریرہؓ مشہور صحابی تھے۔ غرضیکہ اس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ اور ثبوت ہے۔

اور مطلق قرأت کو مقید قرأت پر بغیر کسی حجت کے حمل کرنا سینہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک اور بات اس روایت کے بارے میں امام بیہقیؒ سے نکلی ہے، وہ بھی بہت ہی عجیب ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے۔ اگر کوئی روایت صرف امام بیہقیؒ کے منکر کہنے سے منکر ہو جایا کرتی ہے تو پھر ان سے کوئی جھگڑا نہیں۔ لیکن اصول حدیث کے لحاظ سے یہ روایت کسی طرح منکر نہیں ہے۔ حضرات محدثین کرامؒ کی اصطلاح میں منکر وہ روایت ہوتی ہے جس کی سند میں کوئی ایسا راوی موجود ہو جو فاحش غلطی اور کثرتِ خطا کا مرتکب ہوا ہو۔ یا اپنے سے زیادہ کسی ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو۔ (دیکھیے شرح بختہ الفکر ص ۵۵ و ۵۹ وغیرہ) لیکن اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور اس روایت میں کوئی ایسا راوی موجود نہیں جو کسی ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہو۔ اگر امام بیہقیؒ کی مراد اس روایت کو علامہ ابن عبد الرحمنؒ کی روایت کے خلاف بتانا ہے۔ تو اس کی حقیقت بھی عنقریب آشکارا ہو جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز اندریں حالات اس کو منکر کہنا اصول کے خلاف ہے جو کسی طرح مسموع نہیں ہو سکتا۔ اور باقرار مبارکپوری صاحبؒ یہ نقل ہو چکا ہے کہ امام بیہقیؒ کا کوئی قول بلا دلیل حجت نہیں ہو سکتا۔ مؤلف خیر الکلام (ص ۴۴۶) میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے طبیعت نفرت کرتی ہے۔ کیونکہ جو صحیح روایات حضرت ابو ہریرہؓ سے وارد ہیں یہ بوجہ ان کے خلاف ہولے کے شاذ ہے۔۔۔ الخ اگر امام بیہقیؒ کی طبیعت صحیح حدیث کو نہیں مانتی تو نہ مانے۔ صحیح حدیث کو ماننے والے بھی دنیا میں بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ہماری نماندن میں کوئی روایت خلف الامام قرأت کی ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہو گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) لہذا خلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آٹھویں روایت: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر بن اسحاق الفقیہ اور ابو بکر بن عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں فرماتے

لے امام ابو عبد اللہؒ کا ترجمہ باب اول میں گزر چکا ہے۔ ابو بکر بن اسحاق الفقیہ اور ابو بکر بن عبد اللہؒ کی سند ذیل ہے مگر مزید تسلی اور تسکین کے لیے (کیونکہ ابو بکر الفقیہؒ مشہور امام ہیں) ابو بکر بن عبد اللہؒ کا ترجمہ سن لیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ الامام، الادھ، المصل اور محدث، نیشاپور لکھتے ہیں۔ (المتوفی سنہ ۶۸۸ھ) (تذکرہ جلد ۲، صفحہ ۲)

ہیں کہ ہم سے احمد بن بشر بن سعد المرندیؒ اور حسن بن سفیانؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم سے فضیل بن عبد الوہابؒ اور محمد بن خالد بن عبد اللہ الواسطیؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم سے خالد بن عبد اللہ الطحانؒ نے بیان کیا۔ وہ عبد الرحمن بن اسحاقؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ سعید مقبریؒ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لے سننکی یہ کڑی بھی ڈبل ہے۔ اور حسن بن سفیانؒ کا ترجمہ باب اول میں امام زہریؒ کے اثر میں نقل ہو چکا ہے کہ وہ جلیل القدر امام تھے۔

یہ کڑی بھی ڈبل ہے۔ امام ابن معینؒ کہتے ہیں کہ فضیل ثقہ اور لا بأس بہ تھے۔ محدث عبد الرحمنؒ اپنے والد سے ان کی توثیق نقل کرتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۱۲ ص ۱۲۹) ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور ابو بکر بن زریںؒ بہ باس کہتے ہیں، ابن جبان ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۹۳) امام احمد بن سعدؒ ابو زرعہؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو ثقہ اور صحیح الحدیث کہتے ہیں۔ امام ترمذیؒ ان کو ثقہ اور حافظ کہتے ہیں۔ محمد بن عمارؒ ان کو ثابت کہتے ہیں۔ ابن جبان ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً ص ۳۰) امام احمدؒ ان کو من افاضل المسلمین کہتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۸ ص ۲۹۴) علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور الامام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۳)

یہ امام احمدؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔ ابن معینؒ ثقہ کہتے ہیں۔ یعقوب بن شیبہؒ صالح اور یعقوب بن سفیانؒ لا بأس بہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ حسن الحدیث کہتے ہیں۔ ابو داؤدؒ ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ (جلد ۱ ص ۱۱) لیس بہ باس کہتے ہیں۔ ابن خزیمہؒ بھی لیس بہ باس کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ صالح الحدیث اور ساجی صدوق کہتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کی توثیق کرتے ہیں اور ابن جبان ثقات میں لکھتے ہیں۔ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۱۸) توفی خیر الکلام ص ۱۱۸ میں لکھتے ہیں کہ ابن معینؒ نے ان کو ضعیف کہا اور امام احمدؒ نے منکر الحدیث کہا یہ جوہر ہیں اگرچہ مبہم ہیں مگر ان سے راوی مرتبہ سے گرجاتا ہے (محصلہ) الجواب: امام ابن معینؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور امام احمدؒ نے ان کو صرف ابو الزنادؒ کی روایت میں منکر کہا ہے اور یہ روایت سعید مقبریؒ سے ہے اور لطف یہ ہے کہ خود توفی منکر کو حرج کو مبہم کہتے ہیں اور خیر الکلام ص ۱۱۸ میں لکھا ہے کہ پھر اس پر جوہر ہیں کی گئی ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

کل صلوة لا یقرأ فیہا بام الکتاب فی

خدا ج (۱) صلوة خلف امام

(کتاب القراءة ص ۱۳۵، طبع دہلی دھ ۱۷۱)

کہ ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو

وہ نماز ناقص ہوتی ہے، مگر یاں وہ نماز اس سے مستثنیٰ

ہے جو امام کے پیچے پڑھی جائے۔

(طبع اشرف پریس)

اس روایت میں خلف امام اور امام الکتاب کی قید خاص طور پر ملحوظ رکھنی چاہئے۔ اور یہ بھی کہ آپ

نے تمام نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کو ضروری اور لازم ٹھہرایا ہے۔ مگر مقتدی کے لئے اس

کی قرأت کی مطلقاً گنجائش نہیں چھوڑی اور امام بیہقیؒ وغیرہ جہاں قرأت سے ما زاد علی

الفا تحہ مراد لے کر گلو خلاصی کیا کرتے ہیں۔ یہ روایت ان کی اس تاویل کو بھی باطل ٹھہراتی ہے۔

کیونکہ اس میں خاص طور پر امام الکتاب کی قید موجود ہے جو نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ اور اس صحیح

روایت سے بھی فریق ثانی کا یہ مطالبہ آسانی سے پورا ہو جاتا ہے کہ امام کے پیچے سورۃ فاتحہ نہ

پڑھنے کی ایک سہی صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کرو۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) مفسر نہیں مذہب اور اصول فقہ والوں کے ہاں اس قسم کی جمع مقبول نہیں ہوتی اور امام

احمدؒ کی اصطلاح منکر الحدیث کے بارے میں بالکل جدا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان ابن حنبلؒ

یطلق علی من یندب علی اقرانہ فی الحدیث ای یأتی بالخلاشب انہ منکر الحدیث... انتہی (ہامش)

تدریب الراوی ص ۷۳۳) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جو راوی اپنے باقی ساتھیوں سے متفرد ہو کہ کوئی

غریب حدیث بیان کرے تو وہ منکر الحدیث ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ غریب حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے۔

کہاؤ غلطی۔ یہ یاد رہے کہ اس سند میں راوی عبدالرحمن بن اسحاق المدنی ہیں جو کہ رجال مسلم میں سے ہیں نہ

کہ الراسی جن پر امام بیہقیؒ نے امام ابن معینؒ اور امام احمدؒ کا کلام نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب القراءة ص طبع دہلی)

کیونکہ المدنی سے خالد بن عبداللہ الطحان الراسیؒ کی اور المدنی کی سعید مقبریؒ سے روایت ہے۔ (ملاحظہ

ہو تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۷) مگر الراسیؒ اس پوزیشن میں نہیں۔ امام بیہقیؒ غلطی کا شکار ہوتے ہیں۔

(فصل الخطاب ص ۱۷) اور اسی عبدالرحمن بن اسحاقؒ سے فریق ثانی ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۷ کی روایت فالتی

اناس کے مرسل ہونے پر استدلال کرتا ہے۔ (فصل الخطاب ص ۱۷) لعل اللہ الکشمیریؒ

سے علامہ بیہقیؒ ان کو امام، الحدیث اور ثقہ لکھتے ہیں۔ (متذکرہ جلد ۱ ص ۱۷) غرضیکہ حضرت ابو ہریرہؓ تک تمام روایات ثقہ

ثبت ہیں۔

اعتراض: بیہقی اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اصل روایت **الاصلوة خلف امام** کا جملہ نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابن عبد الرحمنؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا موقوف اثر نقل کیا ہے اور اس میں یہ جملہ مذکور نہیں ہے اور یہ خالد الطحانؒ کی خطا ہے کہ وہ یہ جملہ زائد کر کے حدیث کا مطلب بگاڑ رہے ہیں۔
(کتاب الفرائض، ص ۱۳۵، محصلہ)

جواب: ایہ اعتراض چنداں وقعت نہیں رکھتا، اولاً، اس لیے کہ مرفوع حدیث کو موقوف اثر کے تابع بنا کر مطلب لینا خلاف اصول ہے۔ وثانیاً: اس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ کہ اعتبار راوی کی مرفوع حدیث کا ہوتا ہے۔ اس کی اپنی ذاتی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا۔ وثالثاً: خالد الطحانؒ بالاتفاق ثقہ اور ثبت تھے۔ اور ثقہ کی زیادت بالاتفاق مقبول ہوتی ہے تو پھر یہ معلوم یہ قدر اور غلطی ان کے سر کیسے تھوپی جاسکتی ہے؟ و رابعاً: الزامی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر واقعی اس حدیث کے مضمون میں غلطی واقع ہوئی ہے تو کیوں نہ ہو کہ **الاصلوة خلف امام** کی زیادت صحیح ہو۔ اور علامہ ابن عبد الرحمنؒ کی روایت میں غلطی اور خطا کی وجہ سے یہ زیادت چھوٹ چکی ہو۔ اور اس زیادت کے ترک کر دینے یا چھوٹ جانے کی وجہ سے حدیث کا مضمون بدل گیا ہو بلکہ قرن انصاف بھی یہی بات ہے کہ غلطی خالد الطحانؒ کی نہ ہو جو ثقہ اور ثبت تھے بلکہ یہ غلطی اور خطا علامہ ابن عبد الرحمنؒ کی ہو۔ کیونکہ ان پر کتب رجال میں کلام اور جرح کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البرؒ اور علامہ مذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن معینؒ فرماتے تھے: لیس حدیث بحجة کہ علامہ ابن عبد الرحمنؒ کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی، ابن عدیؒ ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ ان کی بعض حدیثیں منکر ہوتی ہیں۔ ابو زرہؒ کا بیان ہے کہ وہ کوئی زیادہ قوی نہ تھے، امام ابو داؤدؒ کا بیان ہے کہ محدثین نے ان کی حدیثیں شعبان کی حدیث ان کے مناکیر میں شامل کی ہے، محدث غلیلیؒ کا بیان ہے کہ ان کی ایسی روایتیں بھی ہیں جن میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے۔ (دیکھئے کتاب الانصاف ص ۱۷۱، میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۱۲۔ اور التہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۸۷) اس لیے قرین قیاس اور بہنی برانصاف صرف یہی بات ہے کہ اس زیادت کے ترک کرنے میں غلطی علامہ ابن عبد الرحمنؒ کی ہے اور یہ روایت ان کی منکر روایتوں میں شمار ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا ص ۱۸۷ میں یہ کہنا کہ علامہ ابن عبد الرحمنؒ پر جرح مبہم ہے، اور نور الانوار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جرح مبہم اثر نڈاز نہیں ہوتی۔ پس وہ ثقہ ٹھہرے۔

امام مسلمؒ نے ان سے استشہاد کیا ہے، لہذا ان کے ہاں بھی ثقہ تھے۔ اور اُمت نے مسلم کی روایات کو جن پر تنقید نہیں ہوئی صحیح کہا ہے لہذا بالاجماع صحیح ہوئی۔ (محققہ) محض تسکین قلب کا سامان امام ابن معینؒ نے ان پر مفسر جرح کی ہے اور جرح مبہم سے بھی مؤلف مذکور کے نزدیک راوی گرجاتا ہے اور اس پر ابن معینؒ وغیرہ نے تنقید کی ہے۔ لہذا یہ کسی طرح صحیح نہیں یہ ان کی غلطی ہے اور خالد الطحانؒ کی زیادت بلا شک و شبہ صحیح ہے کیونکہ وہ ثقہ ثبت صحیح الحدیث اور ثابت ہیں۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے نہ اس میں خالد الطحانؒ کا وہم ہے اور نہ عبدالرحمن بن اسحاقؒ کا، جیسا کہ امام بیہقیؒ وغیرہ نے کہا ہے۔ امام مسلمؒ نے مقدمہ میں یہ بتلایا ہے کہ وہ استشہاد میں متکلم فیہ راوی کو بھی لے لیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۲)۔ لہذا ان مسلمؒ آجانا جبکہ ان پر تنقید بھی ہوئی ثقاہت ثبوت نہیں نویں حدیث: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الحسن علی بن احمد بن عبدانؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبد الصفاقؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن غالبؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عمرؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ہمامؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے زیادہ علمؒ نے بیان کیا۔ وہ حسنؒ سے روایت کرتے ہیں

۱۔ علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (بغدادی جلد ۱۱ ص ۲۲۹)

۲۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الثقہ لکھتے ہیں۔ دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ (تذکرہ

جلد ۳ ص ۸۷)

۳۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الامام کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۷۲) دارقطنیؒ ان کو ثقہ اور مامون اور

حافظ ابن حجرؒ ان کو الحافظ کہتے ہیں۔ (لسان المیزان جلد ۳ ص ۳۳) اور ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔

(ایضاً ص ۳۳۸) نیز امام دارقطنیؒ نے ان کو مکثر مجود اور حافظ ابن حجرؒ نے متقن کہا۔ (ایضاً)

۴۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور العلامہ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۶۷)

۵۔ ذہبیؒ ان کو الامام، الحجة اور الحافظ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸۸)

۶۔ امام احمدؒ، ابن معینؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن سعدؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابوزہرہؒ ان کو شرح کہتے

اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۰۶۲)

۷۔ امام حسن بصریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ:

انہ دخل المسجد والنبي صلى الله عليه وسلم
راکع فرکع قبل ان يصل الى الصف فقال للنبي
صلى الله عليه وسلم رادك الله حياء واتعد
(سنن الکبری جلد ۲ ص ۹۰)

وہ کہتے ہیں کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو ان
حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے تھے۔
چنانچہ صف میں ملنے سے قبل ہی وہ (تکبیر تحریرہ ادا کر کے)
رکوع میں چلے گئے اور آہستہ آہستہ چلتے چلتے صف
میں مل گئے۔ پس نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کر
پرادھر دیں کرے پھر ایسا نہ کرنا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سورۃ فاتحہ پڑھے رکوع میں شامل ہو گئے تھے۔ مع ہذا ان کی اس
رکعت کو اور ان کی اس نماز کو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکمل اور صحیح سمجھا۔ اور
ان کو احادیث نماز کا حکم نہیں دیا اور یہ دعویٰ کہ انھوں نے وہ رکعت دوبارہ پڑھی تھی بالکل بے بنیاد
ہے بلکہ ایک توجیہ کے لحاظ سے عدم اعادہ کا صریح حکم ارشاد فرمایا اگر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہر رکعت
لے ان کا نام نضیع بن الحارث تھا جنگ طائف کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ فضلاء صحابہ میں
بعضہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ اور وہیں ۲۹ عیدین وفات پائی۔ (مقدمہ تجرید البخاری ص ۱۳)

۱۔ یہ روایت صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰ مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۸۰ وزلی جلد ۲ ص ۲۸۰ وسند احمد ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۸۰ ونسائی جلد ۱ ص ۱۸۰
اور الجامع الصغیر للسیوطی مع الشرح جلد ۲ ص ۱۸۰ وغیرہ میں بھی موجود ہے یہ بخاری شریف کی روایت ہے جس
کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور مزید تسلی کے لیے ہم نے سنن الکبریٰ کے روایت کی توثیق بھی
نقل کر دی ہے۔

۲۔ یہ جملہ بین القوسین اور ریکٹ میں تھا کتابت کی غلطی کی وجہ سے قوس رہ گئے تھے۔ یہ حدیث کے ترجمہ
میں داخل نہیں ہے جیسا کہ الاعتصام ۲ نومبر ۱۹۹۱ء ص ۱۸۰ میں اس کو غلط ترجمہ اور اضافہ لکھ کر چھپتی اڑانے کی
سے جاسعی کی گئی ہے۔ اور چونکہ تکبیر تحریر جہور اہل اسلام کے نزدیک فرض ہے۔ اس لیے بین القوسین
اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ حدیث مستی الصلوٰۃ میں جو صحیح اور مشہور حدیث ہے ثوکثر ثواقراً کی تصریح
موجود ہے اور حافظ ابن رشدؒ لکھتے ہیں کہ فمفهوم هذا هو ان التكبير الاولي هي الفوض فقط
(جدید ایۃ المجتہد جلد ۱ ص ۱۸۰) اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ فرض منکر تکبیر تحریر ہی ہے۔

(حاشیہ نمبر ۱۲ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

میں رکن اور ضروری ہے تو حضرت ابوبکرؓ کی نماز کیسے صحیح ہو گئی تھی یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے رکوع میں شریک ہونے کو منتظر کراہت نہیں دیکھا جیسا کہ قاضی مقبول احمد صاحب نے سمجھا ہے۔ (دیکھئے الاعتصام ۱۶، نمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۵) بلکہ سجالت رکوع چل کر صف سے ملنے کو پسند نہیں فرمایا اور دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ اس سے صاف اور واضح طور پر معلوم ہوا کہ مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری نہیں ہے۔ وہ ہوا المطلوب۔

مؤلف خیر الکلام نے کہا ہے کہ قرأت خلف الامام کو ضروری قرار دینے والوں کے دو قول ہیں ایک یہ کہ رکوع کی حالت میں اگر امام کو پائے تو اس رکعت میں فاتحہ فرض نہیں ہوتی..... الخ (صفحہ ۲۵) لہذا یہ حضرات تو ہمارے جنوا ہوئے۔ رہے دوسرے حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ وہ رکعت اس کی شمار نہ ہوگی تو اس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گا اور اس حکم میں حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت بھی نہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے اور اسی حدیث سے جہور اہل اسلام اور حضرات ائمہ (پچھلے صفحہ کا حاشیہ نمبر ۴) بعض محدثین اس کو لا قَعْدَ پڑھتے ہیں۔ یعنی نماز کے لیے دوڑ کر نہ چلا کرو۔

بلکہ اطمینان اور وقار سے چلو اور بعض اس کو لا قَعْدَ پڑھتے ہیں۔ یعنی پھر جماعت میں تاخیر اور تنہا صف کے پیچھے نماز شروع کرنے کی حرکت نہ کرنا اور بعض اس کو لا قَعْدَ پڑھتے ہیں۔ یعنی تعاری نماز بالکل صحیح ہے نماز کا اعادہ نہ کرو۔ امام نوویؒ نے (ہامش مشکوٰۃ صفحہ ۹۹ ملاحظہ کریں) اور حافظ ابن حجرؒ نے لا قَعْدَ کو بھی نقل کیا ہے۔

(دیکھئے فتح الباری جلد ۲ ص ۶۱۴) قاضی شوکانی اور قواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ نماز پڑھی اور اس کا اعادہ کیا اور انھوں نے طبرانی کی اس روایت سے استدلال کیا ہے اصل ما ادرکت واقص ما سبقك (امام الکلام ص ۵۸) لیکن حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی نے غیث النعام

از ص ۲۶ تا ص ۵۰ میں اس کا عقلاً و نقلاً خوب رد کیا ہے۔ وہ بحث وہاں ہی ملاحظہ کر لیں یہاں اتنی بات پیش نظر رکھیں کہ طبرانی کی روایت کی سند کیا ہے؟ اور اگر سند صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو کہ روایتی تم نے کی پھر ایسا نہ کرنا بلکہ جو حصہ نماز کا تمہیں جماعت کے ساتھ مل جائے اس کو جماعت کے ساتھ پڑھو اور جو چھوٹ جائے اس کو جماعت کے بعد اکیلے پڑھو۔ اس سے ثابت کرنا کہ اس نماز کے اعادہ کا حکم دیا خالص کم نفی ہے۔

لہ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابیہریرہؓ وغیرہ بڑی محنت اور مشقت سے رکوع میں ملنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور یہ اس کی واضح (بقیہ صفحہ پر دیکھئے)

اربعمہ نے مدرک رکوع کے مدرک رکعت ہونے پر استدلال اور احتجاج کیا ہے جس کی پوری تفصیل اپنے محل میں بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ علامہ ابن حزم ایک موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی ایک

روایت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ

فہذا آخر فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابوبکر فیہ شہدہ وانما کان اسلامہ
یوم الطائف بعد فترۃ مکہ و بعد حنین۔
یہ فعل اور عمل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا
آخری عمل ہے کیونکہ اس میں ابوبکرؓ موجود اور حاضر تھے۔
اور وہ فتح مکہ اور حنین کے بعد طائف کے دن مشرف باسلام
(مجمعی جلد ۲۲ جلد ۲۴) ہوئے تھے۔

اس صحیح اور مرفوع حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے
کی وہ رکعت صحیح ہے۔ اگر اس پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوتا، جیسا کہ فریق ثانی کا زعم ہے تو یقیناً
اس رکعت کا اعتبار نہ ہوتا اور فریق ثانی کے دعویٰ کے مطابق کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں
سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ (بلفظ جیسا
کہ سخن مانے گفتنی میں عرض کیا جا چکا ہے) یہ نماز بھی کالعدم اور باطل ہونی چاہتے تھے۔ عیاذ اللہ۔
تعالیٰ۔

تکبیر تحریمہ میں احناف کے نزدیک اتنا قیام جس میں تکبیر تحریمہ ادا ہو سکے فرض ہے۔ جب فرض
ہے تو حضرت ابوبکرؓ پر یہ فرض کیسے نفی رہا پس لازمی امر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بحالت قیام ہی تکبیر تحریمہ ادا
کی ہوگی، مؤلف خیر الکلام (ص ۲۵۳) میں یہ کہنا کہ ابوبکرؓ نے قیام میں تکبیر کر رکوع کیا ہوگا۔ ایک فرضی
(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) دلیل ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ ورنہ یہ اکابر اس کی زحمت ہرگز گوارا نہ کرتے
(بمعناہ) اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابوبکرؓ سے ایک مرفوع روایت بھی نقل کی ہے کہ جس نے امام کے ساتھ
رکوع پایا۔ اس نے وہ رکعت پائی۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۹۰) اس روایت کی سندیں بھی بن ابی سلیمان
ہے جو متکلم فیہ ہے لیکن امام حاکم اور علامہ ذہبیؒ ان کی ایک سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صحیح و لم یندرج
(مستدرک جلد ۱ ص ۲۴۳) اور دوسرے مقام پر امام حاکمؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقافت بصریہ میں تھے۔ اور
اسی مضمون کی ایک اور مرفوع
علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (مستدرک جلد ۱ ص ۲۱۶)
حدیث بھی امام بیہقیؒ نے نقل کی ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے ساتھیوں کا بھی اسی پر عمل تھا۔
(ادب المفرد ص ۱۵۳)

بات ہے۔ بالکل غلط ہے۔ یہ فرضی بات نہیں ایک واضح اور کھلی حقیقت ہے اور اس کا انکار کرنا بے شہود ہے۔

دسویں حدیث : امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن محمد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیع نے بیان کیا۔ وہ اسراہیل سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابواسحاق (السبیعی) سے اور وہ ارقم بن شریحیل سے اور وہ حضرت ابن عباس سے (ایک طویل حدیث میں جن کا ضروری خلاصہ یہ ہے) روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ نے امامت سپرد کی۔ تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔ ایک مرتبہ آپؐ کو خیال ہوا کہ میں باجماعت نماز ادا کروں۔ پہلے آپؐ کو تکلیف زیادہ تھی۔ پھر جب مرض میں تخفیف ہوئی۔ تو آپؐ دو آدمیوں کے سہارے پر آہستہ آہستہ چل کر مسجد میں پہنچے۔ امام ابن ماجہ صاحب السنن (المتوفی ۲۵۳ھ) علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ الکبیر لکھتے ہیں۔ ابویعلیٰ تحلیلؒ ان کو ثقہ کبیر اور متفق علیہ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۸۹)

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ حافظ، الثبت، محدث اور عالم قرین تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹)
 علی وکیع، الامام، حافظ، الثبت، محدث العراق اور احد الائمة الاعلام تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۸۲) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ حافظ اور عابد لکھتے ہیں۔ (تقریب ص ۳۸۵)
 علامہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے بلا وجہ لوگوں نے ان میں کلام کیا ہے۔ (ایضاً ص ۳۲) امام احمد، علی، یعقوب بن شیبہ، ابو حاتم، ابن زبیر، ابن سعد اور نسائی سب ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ ابن جبان ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۶۲) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام، حافظ، الحجة، صالح، خدا ترس اور علم کا ظرف تھے جن لوگوں نے ان میں کلام کیا ہے۔ ان کا قول مردود ہے۔ امام بخاریؒ و مسلمؒ نے ان سے احتیاج کیا ہے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۹)

حدیث کا ترجمہ حدیث نمبر ۹ میں نقل ہو چکا ہے۔

حدیث ابو زرؒ اور ابن سعدان کو ثقہ، اور ابن عبد البرؒ ان کو ثقہ اور حلیل القدر محدث کہتے ہیں۔ ابن جبان ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۹۸) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔

(تقریب ص ۲۵)

اور آپ کے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کر چکے تھے۔ اور ایک حد تک قرأت بھی کر چکے تھے۔ غرضیکہ آپ صغفوں میں سے گزرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں جا پہنچے چنانچہ وہ پیچھے ہٹ آئے اور ان کی جگہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ چونکہ آپ بیماری کی وجہ سے بلند آواز سے بول نہیں سکتے تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں تک آواز پہنچانے میں بکتر کافر یضہ انجام دیا اور جب آپ پہنچے تو واخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من القرآن من حیث کان یبلغ ابوبکر یضہ۔ قرأت کر چکے تھے۔

(ابن ماجہ ص ۸۸ و مسند احمد جلد ۱ ص ۲۳۲)

اور ایک روایت میں (جو اس روایت کے لیے بطور شاہد اور تائید کے نقل کی جاتی ہے) یوں ہے: فقرا من المكان الذی بلغ ابوبکر یضہ۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُورۃ کے اس من السورۃ۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۹۸) مقام سے قرآن شروع کی جہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ارشاد ہوا ہے:

فاستفتح النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انتہی ابوبکر یضہ من القرآن۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کے اس حصہ سے قرأت شروع کی جس تک حضرت (سنن الکبریٰ جلد ۳ ص ۸۱ و مسند احمد جلد ۱ ص ۲۳۲) ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے:

فاستقر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انتہی ابوبکر یضہ من القرآۃ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں سے قرأت پوری کی جہاں تک حضرت ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔ (طحاوی جلد ۱ ص ۱۹۷)

یہ روایت سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ اس کا ایک ایک راوی ثقہ ہے جیسا کہ آپ لے یہ روایت طحاوی جلد ۱ ص ۱۹۷ مشکل الآثار جلد ۲ ص ۷۷، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۳۱ انصاری جلد ۲ ص ۵۷۱ درایہ مختار اور فتح الباری جلد ۲ ص ۱۳۵، دارقطنی ص ۱۵۳ وغیرہ میں مذکور ہے اور ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۱۷۱ میں ہے واخرجه ابو یعلیٰ الموصلی فی مسندہ ۱... الخ

لاحظہ کر چکے ہیں۔ اور مؤلف غیر الکلام کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ روایات مکتبہ
بالہ کے روایت ثقہ ہیں ^{۱۳۵۹} حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مسند احمد اور ابن ماجہ کی سند قوی ہے۔ (فتح
الباری جلد ۵ ص ۶۶۹) چونکہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیمار تھے، جلدی جلدی چلنا آپ
کے لیے دشوار تھا اور دو آدمیوں کے سہارے آپ مسجد میں پہنچے، حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک
زمین پر گھسٹتے جاتے تھے اور نماز آپ کے تشریف لانے سے قبل ہی شروع ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے
کہ حضرت ابو بکر سورۃ فاتحہ تک گن پڑھ چکے ہوں گے اور ان حالات کے پیش نظر یہی بات قرین
انصاف ہے۔ اور اس میں تو ذرا برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سورۃ فاتحہ اگر
مکمل نہ ہوتی ہوگی تو اس کا اکثر حصہ تو یقیناً پڑھا جا چکا ہوگا۔ اور آپ نے وہیں سے اور
اُس آیت سے قرأت شروع کی جہاں تک حضرت ابو بکر قرأت کر چکے تھے اور جن کے
نزدیک سورۃ فاتحہ مقتدی پر لازم ہے۔ وہ سب سورۃ فاتحہ کے لزوم کے قائل ہیں اور
جو منکر ہیں وہ بھی۔ سب سورۃ فاتحہ کے منکر ہیں اس میں قائل بالفصل کوئی بھی نہیں الغرض
آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوری سورۃ فاتحہ چھوٹ گئی تھی یا اس کا اکثر حصہ مگر
باوجود اس کے آپ کی نماز ادا ہو گئی۔ اور آپ نے اس نماز کو صحیح اور درست سمجھا، نہ
آپ کی نماز کا عدم ٹھہری اور نہ باطل اور بیکار (عیا فی اللہ تعالیٰ) اگر ہر رکعت میں امام کے
لہ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں واسنادہ حسن (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۳۸)

۱۳۵۹ قاضی شوکانی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے پوری فاتحہ چھوٹ چکی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیا
بےید ہے کہ جس رکعت میں آپ نے حضرت ابو بکر کو پایا تھا اس رکعت کے علاوہ باقی سب رکعتوں
میں آپ نے پوری اور مکمل سورۃ فاتحہ پڑھی ہو، آگے لکھتے ہیں:

لان النزاع انما هو فی وجوب الفاتحة کیونکہ سورۃ فاتحہ کے ہر رکعت میں وجوب تکبیر
فی جملة الصلوة لا فی وجوبها فی کل رکعة۔ نہیں ہے بلکہ سورۃ فاتحہ کے جملہ نمازیں وجوب تکبیر
(نیل لا طار جلد ۲ ص ۱۳۸) تکبیر اور نزاع ہے۔

علامہ عبد الرحمن جزائری لکھتے ہیں کہ مقتدی پر فرض ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے مگر جس صورت
میں امام ساری فاتحہ یا اس کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہو تو اس صورت میں امام اس کا تمہل ہو جاتا ہے۔
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پہچھے، قنڈا کر نیوالے پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا لازم اور ضروری ہوتا تو آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ نماز ہرگز صحیح نہ ہوتی یہ حلال تکہ آپ کی یہ نماز بالکل صحیح تھی اور امام شافعیؒ و حافظ ابن حجرؒ وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ بیماری کے دنوں میں آپ نے صرف یہی ایک نماز جماعت سے ادا کی تھی۔ اور اس لحاظ سے آپ کے اس آخری فعل اور عمل سے بھی یہ حکم آشکارا ہو گیا کہ (بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) (فقہ الماعز جلد ۲، ص ۲۲۹) اور مولف خیر الکلام نے بھی یہ حوالہ نقل کیا ہے (دیکھئے صفحہ ۳۹) اور خود مولف مذکور لکھتے ہیں کہ جو لوگ فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ہاں رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہو جاتی ہے اور ان میں سے بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ جہری نمازوں میں اگر مقتدی پوری فاتحہ یا آدمی فاتحہ کے بعد آئے تو اس سے ساری فاتحہ یا آدمی فاتحہ ساقط ہو جاتی ہے۔ (خیر الکلام ص ۴۵۹) قاضی صاحب اور مولف خیر الکلام نے تو اس طرح کو خطا ہی کہہ کے وقت پاس کر لیا ہے۔ لیکن تمام دنیا کے علماء احناف کو کھلا چیلنج اور انعامی چیلنج کرنے والے تو ہر ہر رکعت میں قرأت فاتحہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۱۳۵۔

۲۔ کتاب الامم جلد ۲ ص ۱۸۵۔

۳۔ روایات اور محدثین کا اس باب میں شدید اختلاف ہے کہ مرض الموت میں آپ نے مسجد میں باجماعت ایک نماز پڑھی تھی یا دو؟ یہ نہ نہ جہری تھی یا سری؟ آپ امام تھے یا مقتدی؟ وغیرہ وغیرہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک ہی نماز تھی جیسا کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی (بخاری جلد ۲ ص ۶۳) مولف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ ظہر میں قرأت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ سری نماز ہے..... الخ (ص ۴۶۵) بالکل مردود ہے۔ بتری نمازوں میں قرأت ہوتی ہے جہر نہیں ہوتا ایک آدھ آیت کو قدر سے آواز سے پڑھ لینا سر کے خلاف نہیں۔ مولف خیر الکلام نے محض اپنی گاڑی چلانے کے لیے قرآن کو نماز پر چل کیا ہے جو بالکل بے دلیل ہے اور ان بالا دلائل سے آنکھیں بند کر کے وہ یہ لکھتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء ہی سے امام تھے جو بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی صحیح روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی توفی فیہ خلف ابی بکرؓ قاعداً اجوا پر گنڈ چکی ہے بالکل اس کے خلاف ہے اور یہ بھی صحیح روایت میں موجود ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ پیچھے بیٹھنے لگے تو آپ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے مت بیٹھو مگر ابتداء سے

مقتدی پر سورۃ فاتحہ لازم نہیں ہے۔ امام بخاریؒ کے حوالہ سے آئے گا کہ یہ نماز ظہر کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ستری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت ترک کرنا نہ صرف یہ کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق ہے بلکہ آپ کا آخری عمل بھی یہی ہے۔ امام بخاریؒ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

انما يؤخذ بالآخر فالأخير من فعل النبي
یعنی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو آخری عمل
صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری جلد ۱ ص ۹۶) ہوگا۔ قابل عمل صرف یہی ہوگا۔

(بقیہ جاشیر پچھلا صفحہ) امامت کا ارادہ ہوتا تو ایسا نہ فرماتے، ہاں اس کے بعد آپ نے امامت کا فریضہ ادا کیا ہے اور امام طحاوی وغیرہ کی بھی یہی مراد ہے کہ آپؐ بالآخر امام تھے اور ابتدائیں آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار کی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی کی روایت میں یوں آتا ہے: صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مہذبہ الذی توفی فیہ خلف ابی بکر بعد قاعدہ کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدائیں بغیر کرنا شروع ہی۔ (نسائی جلد ۱ ص ۱۲، طحاوی جلد ۱ ص ۲۳، بیہقی جلد ۲ ص ۸۲، ترمذی جلد ۱ ص ۳، محلی ابن حزم جلد ۲ ص ۶۷، ترمذی فرماتے ہیں حسن صحیح) اور امام بخاریؒ (جلد ۱ ص ۹۶) نے یہ باب قائم کیا ہے۔ باب من قام الی جنب الہ ما لعلۃ اور امام نوویؒ (جلد ۱ ص ۱۶۹) نے باب استخارۃ الامام اذا عوض له عذر اور امام نسائیؒ (جلد ۱ ص ۱۲) نے باب حصول الہام خلف رجل من رقبۃ قائم کر کے اور یہ حدیث اس باب میں نقل کر کے اس امر کو مبرا بنایا ہے۔ یہ دلائل بھی ملاحظہ ہوں اور قاضی مقبوض احمد صاحب کی یہ نقل بھی دیکھیں کہ کیا مولانا سرفراز صاحب کسی حدیث سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آپؐ پہلے بطور مقتدی شامل ہوئے تھے؟ ہرگز نہیں۔۔۔ الخ الاعتصام ۱۴ نومبر ۱۹۶۲ء ص ۱۶) اور پھر جب حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ کی آمد کا علم ہوا تو خود پیچھے بیٹھ گئے۔ اور آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پر بٹھا دیا اور آپؐ نے وہیں سے قرأت شروع کی۔ جہاں تک حضرت ابوبکرؓ پر چڑھ چکے تھے اور حدیثی نے بکر کا فریضہ ادا کیا (دیکھئے نووی جلد ۱ ص ۱۶، فتح الباری جلد ۱ ص ۱۲۳) اور یہی بات صحیح اور صواب ہے ولین وراء عباد ان قریۃ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ الفاظ حدیث کے ظاہری تعارض کی وجہ سے تعدد واقعہ کو الصواب کہنا (الدرایہ ص ۱۰۰) مگر گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو واقعہ صرف ایک ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے قطعی آسانی سے ہو سکتی ہے اور تعدد واقعہ کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ جس طرح جہور کا مسلک متعدد صحیح و مرفوع قوی حدیثوں سے حق ثابت ہو چکا ہے اسی طرح آپ کے آخری عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت سے متعلق فریق ثانی کی طرف سے جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نقل کر کے ان کے جوابات بھی عرض کر دیے جائیں۔

پہلا اعتراض : مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ابواسحاق السبئی واقع ہیں اور وہ مدلس تھے اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ علاوہ بریل خمر عمر میں وہ اختلاط کا شکار بھی ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کی روایت کا رآ مذہبیں ہو سکتی۔ (۱) و کما قال تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۷۹ وغیرہ) اور یہی عذر لنگ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے کہ ابواسحاق رحمہ اللہ سے دسبجے کے مدلس ہیں جن کی روایت بدوں تصریح سماع مقبول نہیں محصلہ خیر الکلام ص ۴۶، ۴۷) مگر سناری میں ان کی مضعن حدیثوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ۱ اور انشاء اللہ تعالیٰ تاقیامت دے بھی نہ سکیں گے۔

جواب : حضرت قتادہ کی تدلیس کے ضمن میں حضرات محدثین کرام کا یہ ضابطہ نقل کیا جا چکا ہے کہ تدلیس کرنے والے راویوں کا ایک گروہ وہ بھی ہے جن کی تدلیس کسی طرح مضر نہیں ہے اور مثلاً ان کی مضعن حدیثوں کو بھی صحیح سمجھتے ہیں، جن میں خصوصیت سے ابواسحاق السبئی کا نام بھی پیش کیا گیا ہے۔ رہا ابواسحاق السبئی کی تخیط کا سوال تو وہ بھی چنداں باعث تشویش نہیں ہے۔ کیونکہ علاوہ مذکورہ ناقدین رجال لکھتے ہیں کہ وہ ائمہ تابعین رحمہ اللہ اور اثبات میں تھے، بڑھاپے کی وجہ سے ان پر کچھ نسیان طاری ہو گیا تھا۔ وللم یختلف (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۷۹) لیکن وہ مختلط نہیں ہوتے تھے۔ اور تصریح کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں ان سے صرف ابن عیینہ نے سماعت کی ہے اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

قلت ما اختلف ابواسحاق ابداً وانما یعنی میں کہتا ہوں کہ ابواسحاق تخیط سے کبھی دوچار نہیں ہوئے
بذلك المتخير ونقص الحفظ۔ (مذکورہ ص ۷۹) تھے۔ ہاں ان کے حفظ میں کچھ تغیر اور نقص واقع ہو چکا
اور فی اصول حدیث کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ معمولی و رسم تغیر و نسیان کی وجہ سے ثقہ ثقہ
امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ وہم سے کون بچ سکا ہے؟ (سان المیزان جلد ۱) امام احمد فرماتے

کی روایتوں کو ہرگز رد نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال ابواسحاق السبئی کی تدلیس اور تخیل کا بہانہ کر کے ان کی صحیح روایت کو رد کرنا سراسر باطل ہے۔

بعض محدثین (جن میں حافظ ابن حجر وغیرہ بھی ہیں) اختلاط وغیرہ کا لفظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن صرف لغوی اور عمومی معنوں میں جس سے ان کی ثقاہت اور عدالت پر کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا اور اسی لیے وہ ان کی روایت کی تصحیح اور تحسین کرتے ہیں۔ مگر مبارکپوری صاحب

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) ہیں کہ امام بخاری بن سحید بختہ کا محدث تھے اور بہت کم خطا ان سے سرزد ہوتی تھی۔ مگر باوجود اس کے چند حدیثوں میں ان سے بھی خطا ہوئی ہے آگے فرماتے ہیں: ومن يعزى من الخطاء والتصحييف (بخاری جلد ۱۲ ص ۱۳۲) یعنی متن اور سند میں خطا سے کون محفوظ رہ سکتا (بلکہ سکا) ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابوالحسن القہان نے ہشام بن عروہ اور سہیل بن ابی صالح پر جو تخیل کا الزام لگایا ہے وہ باطل ہے۔ باران کے حافظ میں کچھ نقص ضرور پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن کیا وہ نسیان سے معصوم تھے؟ پھر کیا ہوا؟ کیا اس قسم کا وہیم امام مالک، امام شعبہ اور امام وکیع وغیرہ اکثر ائمہ اور ثقات کو پیش نہیں آتا رہا؟ تو کیا ان کی روایتیں رد کر دی جائیں گی؟ خط چھوڑ دے اور ائمہ ثقات سے بظنی نہ کر (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۵۵) محدث عقلی نے امام علی بن المدینی پر صرح کی تھی۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: فما لك عقل يا عقيلي استدرى في من يعني اے عقيلي تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ تو کس امام تکلمو۔ میں کلام کر رہا ہے۔

پھر آگے جو شرح تحریر میں آکر عقلی سے ملتی جلتی عقل والوں کو الٹی میٹم کرتے ہیں۔
وانما اشتبهى ان تعرفنى من هو الثقة الثابت
میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے تم کسی ایسے ثقہ
کا نام تو ذرا بہت کر کے پیش کرو جس کا خطی سرزد نہ
الذی ما غلط۔

(میزان جلد ۲ ص ۲۴۱) ہوئی ہو

اور نولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی غلطی کا ہونا نایہ کوئی ایسا اعتراض نہیں جس سے حدیث

ضعیف ہو جائے پس یہ حدیث صحیح ہے۔ الخ ص ۳۰۵۔

اگر وہیم اور اختلاط کی مزید تحقیق مطلوب ہو تو ذمہ المفیض ص ۱۲ وغیرہ اصول حدیث کی کتاب کا مطالعہ کیجئے۔
لہ (حاشیہ لگے صفحہ پر دیکھئے)

اس قاعدہ سے فاضل اور بے خبر ہیں اور خواجہ ان کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔
 دوسرا اعتراض؛ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اسرائیل بن یونس نے
 ابواسحاق السبئی سے روایت کی ہے اور ان سے اسرائیل کی سماعت اختلاف کے بعد
 ہوئی تھی۔ لہذا یہ روایت قابل توجہ نہیں (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۸)

جواب؛ یہ اعتراض بھی مردود ہے۔ اولاً۔ اس لیے کہ ابواسحاق اس اصطلاحی
 تخلیط کا تو کبھی شکار ہی نہیں ہوئے جس کے سبب ان کی روایت کمزور اور ضعیف سمجھی
 جاسکے اور ان کے معمولی وہم اور تغیر حفظ سے ان کی حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔
 اس لیے اگر اسرائیل کی سماعت ابواسحاق کے لغوی اختلاف یا نقص حفظ کے بعد بھی ہو۔
 تو اس کا اثر اور فرق کیا نکلتے گا؟ ثانیاً۔ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ ابواسحاق کے جملہ تلامذہ
 ہیں اسرائیل ابواسحاق کی روایتوں میں اصح اثبت اور احفظ واقع ہوئے ہیں (جلد ۱ ص ۱۹۹)
 امام ابن ہدی کا بیان ہے کہ اسرائیل کو اپنے دادا ابواسحاق کی جملہ روایتیں اس طے
 یاد تھیں جیسا کہ مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۹) ولله التالیف

جلد ۱ ص ۱۹۱) علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ اسرائیل صحیحین کے راوی ہیں۔ وھو فی الثبت
 کالاسطوانۃ۔ یعنی وہ حدیث کے بیان کرنے میں ایسے مضبوط تھے، جیسے ستون۔ السبتۃ ہاں
 امام شعبہ ان سے زیادہ ثبت تھے لیکن ابواسحاق سے روایت کرنے میں اسرائیل امام شعبہ
 سے بھی زیادہ ثبت تھے۔ (میزان جلد ۱ ص ۹۸) اور تذکرۃ الحفاظ ص ۳۵۲ میں ایک حدیث
 کے بارے میں جس میں اسرائیل عن ابی اسحاق... الخ ہے فرماتے ہیں اسناد قوی امام دارقطنی
 نے حافظ بن حجر نے اس روایت کی ایک جگہ تصحیح (فتح الباری جلد ۵ ص ۷۶۹) اور دوسری جگہ تحسین
 کی ہے (جلد ۷ ص ۱۲۵) اور مبارک پوری صاحب کی بڑی ہی سعادت ہے کہ ان کو حافظ صاحب کی صرف
 تحسین ہی ملی ہے اور اس پر بھی وہ بڑے ناراض ہیں۔ اگر ان کی تصحیح بھی مل جاتی تو نہ معلوم ان پر کیا گذرتی؟
 مگر ازراہ بزرگی یہ نہ سوچا کہ ابواسحاق رحم کی تدلیس مضر ہے اور نہ نقص حفظ اور تغیر کی وجہ سے ان کی
 حدیث ضعیف ہے بلکہ ان کی روایت اصول حدیث کے رُوسے بہر حال صحیح ہے۔ لا شک فیہ۔

کابین ہے کہ امام عبدالرحمن بن محمدؒ نے فرمایا کہ ابواسحاقؒ کی روایتوں میں اسرائیلؑ امام شعبہؒ اور سفیان ثوریؒ سے بھی زیادہ ثقہ تھے۔ (دارقطنی جلد ۲ ص ۳۸۱) اور تقریباً یہی مضمون حافظ ابن حجرؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ (درایہ ضحہ ۲۲ و تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۲) مولانا شمس الحق صاحب امیرؒ عن ابی اسحاقؒ... الخ کی روایات کے بارے میں یہ فیصلہ درج کرتے ہیں کہ کلاماً صحیحۃ التعلیق المعنی جلد ۲ ص ۳۸۱) اور حافظ ابن حجرؒ اسرائیلؑ عن ابی اسحاقؒ... الخ کی سند کی تصحیح کرتے ہیں۔ حافظ ابن القیمؒ ابواسحاقؒ کے تمام تلامذہ اور اصحاب میں اسرائیلؑ کو اتقن لکھتے ہیں۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۳۳۶) اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ مبارک پوری صاحبؒ نے تحقیق الکلام اور انبار النہج میں جوش جرائی میں سب ان پشناپ لکھ مارا ہے۔ لیکن جب تحفۃ الاحوذی لکھنے کی باری آئی اور عقل اور علم میں کجی ہو گئی اور اپنی ذمہ داری کا گہرا احساس ہوا تو اس قاعدہ کے لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ اسرائیلؑ ابواسحاقؒ سے روایت کرنے میں امام شعبہؒ اور سفیان ثوریؒ سے بھی زیادہ قوی اور ثبت تھے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۱)

اب انصاف شرط ہے کہ ہم مبارک پوری صاحبؒ کی اس سے بڑھ کر اور کیا تسلی کر سکتے ہیں ؟ وثالثاً۔ اس روایت میں اسرائیلؑ کے ایک اور ثقہ اور ثبت متابع بھی موجود ہیں جن کا نام زکریا بن ابی زائدہ ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن احمدؒ اپنے والد امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ یحییٰ لہ مثلاً دیکھتے فتح الباری جلد ۹ ص ۵۵۵ و جلد ۱ ص ۵۵۶ وغیرہ۔ اگر مبارک پوری صاحبؒ اور ان کے اتباع کے نزدیک اسرائیلؑ عن ابی اسحاقؒ... الخ کی سند ضعیف اور کمزور ہے تو ازراہ کیم بخاری (شعۃ جلد ۱ ص ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷،

بن ابی زکریا سے اور وہ زکریا بن ابی زائدہؓ سے اور وہ ابو اسحاق السبئیؓ سے اور وہ ارقم بن نضرؓ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث کا وہی مضمون ہے جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۳) جب اسرائیلؑ خود اوثق اور اثبت ہیں اور ان کا متالاج بھی ثقہ اور ثبت ہے تو پھر ان کی روایت کیوں صحیح نہیں ہے؟ الغرض نہ تو یہ روایت شاذ ہے جیسا کہ الہ اعتصام ۱۹ نومبر ۱۹۶۷ء ص ۶۱ میں اس پر بلاوجہ زور لگا تعصب کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور نہ یہ مرجوح اور بخاری کی روایت راجح ہے۔ راجح اور مرجوح کا سوال تعارض کے وقت ہوتا ہے۔ جب دونوں میں تعارض ہی نہیں تو راجح و مرجوح کا سوال بالکل بیکار ہے دونوں صحیح ہیں۔ ایک مجمل ہے اور دوسری مفصل ہے جس میں زیادت ثقہ ہے۔ جو باتفاق جملہ محدثین کرام قابل قبول ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا شاہد:

اسد بن موسیٰ اپنی کتاب فضائل صحابہ میں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو معاویہؓ نے بیان کیا۔ وہ

سے علامہ ذہبیؒ ان کو صداقت شعائے مشہور اور حافظہ نگتھے ہیں۔ (میزان جلد ۱ ص ۳۲۹) امام عقیلیؒ، ابو زرعہؒ، ابو داؤدؒ، نسائیؒ، یعقوب بن سفیانؒ اور ابوبکر ابن زریعؒ سب ان کو ثقہ نگتھے ہیں۔ امام قسطلیؒ ان کو راہ بائیں بہ اور ابن معینؒ صالح نگتھے ہیں۔ امام احمدؒ ان کو ثقہ اور علامہ الحدیث اور علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث نگتھے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقافت میں نگتھے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۲۵) غرضیکہ اسی سند کے بھی جلد روایات ثقہ اور ثبت ہیں۔

اسے امام بخاریؒ اسد بن موسیٰؒ کو مشہور الحدیث اور امام نسائیؒ اور ابن یونسؒ ثقہ نگتھے ہیں۔ خلیفہ ان کو صالح نگتھے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقافت میں نگتھے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹) مولانا شمس الحق صاحبؒ کا بیان ہے کہ وہ ثقہ اور صدوق تھے (التعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۵۰) امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ ایک سند کو جس میں اسد بن موسیٰؒ ہے علی شرط مسلم صحیح نگتھے ہیں (مستدرک مع التخصیص جلد ۲ ص ۳۹۳)

اسے مبارک پوری صاحبؒ نگتھے ہیں کہ مجھے کتب اسماء الرجال میں ان کا پتہ نہیں مل سکا۔ نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ اگر لیجئے مشہور اور ثقہ محدث کا پتہ بھی مبارک پوری صاحبؒ کو نہیں مل سکا تو ان کو کیا ملے گا؟ ان کا نام محمد بن خاتم اور لقب ضریر تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ ان کو احمد شافعیؒ الحدیث، الثقات، المشہورین نگتھے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۳۳۵) علامہ ذہبیؒ ان کو احاد لائتہ الاعلام، الثقات (میزان جلد ۳ ص ۳۸۲) اور ثقہ اور ثبت نگتھے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۹۹) امام عقیلیؒ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

عبدالرحمن بن ابی بکر سے اور وہ ابن ابی بکر سے اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کا بعینہ مضمون وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں گزر چکا ہے (حافظ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری جلد ۲ ص ۱۴۲ میں نقل کیا ہے)

تیسرا اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے کیونکہ پیش کردہ سندوں میں عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.... الخ ہے۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) یعقوب بن سفیان اور نسائی ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ ابن خراش ان کو صدوق لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متقن تھے۔ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۳۸) حافظ ابن حجر ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ (تقریب ص ۳۸) علامہ حصیب نے ان کا پورا ترجمہ نقل کیا ہے (بخاری جلد ۵ ص ۲۴۲)

سہ جہد مذہب واقع ان کی تضعیف کرتے ہیں مگر ابن عدی لکھتے ہیں کہ ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں۔ امام ساجی ان کو صدوق لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان میں ضعف ہے مگر قابل برداشت ہے۔ فیہ ضعف یحتمل۔

ابن حبان ان کی تشریح کی طرف مائل ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ینفرد عن الثقات ما لا یثبہ حدیث الا ثبات یعنی وہ ثقہ راویوں سے ایسی روایات میں منفرد ہوتے ہیں جو ثبات یعنی ثقہ اور ثبت راویوں کی روایات کے مشابہ نہیں ہوتی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۴۶) امام ابن معین نے ان کو ضعیف ابو حاتم نے یس بقوی فی الحدیث اور نسائی نے یس بشفقہ اور متروک الحدیث کہا ہے لیکن مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۷ و ص ۴۸ میں الرفع والتکمیل ص ۸ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ جرح مفسر نہیں اور عام فقہاء اور محدثین کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں۔ (محصلہ) البتہ امام بخاری اور امام احمد نے اس راوی کو منکر الحدیث کہا ہے۔ (تہذیب جلد ۹ ص ۱۴۶)

لیکن مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اگر امام بخاری کسی راوی کو منکر الحدیث کہیں تو اس سے روایت کرنا ان کے ہاں جائز نہیں۔ امام احمد رو اس قسم کے لوگ کسی کو منکر کہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ (بلفظہ ص ۴۹) اور ہم نے تو ان کو صرف شاہد کے طور پر پیش کیا ہے کہ بطور احتجاج کے۔ اور مؤلف خیر الکلام ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ ان (آثار) کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (بلفظہ ص ۳۱۶)

ملہ ذہبی ان کو امام فقیہ حجت فصیح اور بلند مرتبہ لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان کی ثقاہت پر سبک اتفاق اور اجماع ہے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۹۶)

اور مسند بزرگ کی روایت میں عن ابن عباس رضی عنہما عن ابیہ العباس عن النبی ص..... الخ اس لیے یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہو سکتی۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۷۷)

جواب : مبارکپوری صاحب کو لفظ اضطراب تو آتا ہے، مگر انوس کہ وہ حقیقت اضطراب سے ناواقف ہیں۔ محدثین کرام کے نزدیک اضطراب کی چند شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ دونوں سندیں ہم پایہ اور ہم مرتبہ ہوں ورنہ اضطراب نہ ہوگا۔ صحیح قابل اخذ ہوگی اور ضعیف قابل رد ہوگی۔ (دیکھیے شرح منجۃ الفکر ص ۹۷ وغیرہ) اور ہم نے حضرت ابن عباس رضی کی جو سندیں بیان کی ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور ایک ایک راوی ثقہ اور ثبت ہے اور مسند بزرگ کی روایت میں قیس بن ربیع واقع ہے۔ امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ امام وکیعؒ ان کو ضعیف کہتے تھے۔ (ضعفاء ص ۲۶) امام نسائیؒ اس کو مترک الحدیث کہتے ہیں (ضعفاء ص ۱۵۱) امام ابو حاتمؒ اور امام یحییٰؒ اس کو لیس بالقوی اور ضعیف کہتے تھے۔ امام احمدؒ اس کو کثیر الخطا اور ابن عدینیؒ و دارقطنیؒ اس کو ضعیف کہتے تھے (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۷۷) اور لطف یہ ہے کہ خود

لے یہ روایت نصب الراۃ جلد ۲ ص ۱۷۷ میں بھی ذکر کی گئی ہے۔ اور مسند احمد جلد ۱ ص ۱۷۹ اور دارقطنی جلد ۱ ص ۱۵۳ وغیرہ میں بھی آتی ہے۔

۱۔ اگر کوئی صاحب حضرت ابن عباسؓ کی کم سنی کا بہانہ کرتے ہوئے ان کی روایت کے مرسل ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ بھی باطل ہوگا کیونکہ اگر بالفرض حضرت ابن عباسؓ کی روایت مرسل بھی ہو تب بھی حضرات صحابہؓ کے مراسیل بالاتفاق حجت ہیں جس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔ علاوہ یہ کہ اس میں قند سے اختلاف ہے کہ اگر حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابن عباسؓ کی عمر دس سال تھی یا پندرہ؟ مسند احمد جلد ۱ ص ۱۷۷ میں اور مستدرک جلد ۲ ص ۵۲۴ میں بسند قوی اور صحیح یہ روایت موجود ہے کہ آپؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ برس کی تھی اور اسکی امام نوویؒ (جلد ۱ ص ۱۹۹) وغیرہ نے ترجیح دی ہے اور یہ روایت مرض الموت کی ہے۔ اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کم سنی وغیرہ کے ہانے سے ان کی روایت کو مرسل قرار دینا مردود اور باطل ہوگا اور بخاری جلد ۲ ص ۵۲۵ کی روایت سے آپؐ کی وفات حضرت آیات کے وقت ان کی عمر دس سال ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مبارک پوری صاحب بھی اس کو ضعیف اور کمزور بتاتے ہیں۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱) اس لیے اس حدیث کے اضطراب کا دعویٰ قطعاً مردود اور باطل ہے۔ یہ حدیث بلا چون و چرا صحیح ہے۔ البتہ لافضل کا کوئی جواب نہیں ہے۔

چوتھا اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں (اور اسی کو مؤلف خیر الکلام نے دوہرایا ہے) ملاحظہ ہو ص ۱۲۶۴ کہ اس روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سورۃ فاتحہ چھوٹ گئی اور مع ہذا آپ کی نماز درست ہو گئی بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ نماز پوری کیے بغیر حجرہ میں تشریف لے گئے تھے۔ تو یقیناً آپ نے وہاں نماز مکمل کی ہوگی اور اس دعویٰ پر یہ حدیث نقل کی ہے:

فَمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ
حَتَّى ثَقُلَ فَخَرَجَ يَلْهَادِي بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ - اضافة اور تیزی ہو گئی۔ سو آپ دو آدمیوں کا سہارا
لے کر مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔

اس میں حرف فار ہے جو تعقیب بلاملہ کے لیے آتا ہے۔ لہذا اس روایت سے ترک قرأت

لے یہ روایت مشکل بالآخر جلد ۱۲۹ و طحاوی جلد ۲۳۵ وغیرہ میں مروی ہے اور سنن اکبری جلد ۱۰ ص ۱۰۱ کے الفاظ یہ ہیں فَمَا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ حَتَّى ثَقُلَ جِدًّا فَخَرَجَ يَلْهَادِي بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ وَإِنْ رَجُلَيْهِ لَتَخَطَّانِ الْأَرْضَ فَمَا تَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَدْرَوْا - سو آپ نے نماز پوری نہ کی تھی۔ حتیٰ کہ آپ پر بیماری کا غلبہ ہو گیا۔ پس آپ دو آدمیوں کے سہارے سے تشریف لے گئے اور آپ کے پاؤں مبارک زمین پر ٹھٹھٹے جاتے تھے۔ پس آپ کی وفات ہو گئی اور آپ نے کوئی وصیت نہ کی۔ فَمَا تَرَى میں بھی حرف فاء ہے۔ کیا مبارک پوری صاحب کی تحقیق میں مسجد سے نکلنے کے فوراً بعد آپ کی وفات ہو گئی تھی۔ یا چار پانچ دن کے بعد وفات ہوئی تھی؟ (دیکھئے البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۵ وغیرہ) اگر ان کے نزدیک ہر مقام پر حرف فار تعقیب بلاملہ کے لیے آتا ہے تو رَوَادُ أَقْنَمُ إِلَى الصَّلَاةِ فَارْتَحِلُوا الْوَيْةَ میں اور إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ

بِاللَّهِ میں اور إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى النَّبِيِّ فَارْتَحِلُوا الْوَيْةَ الدُّعَاءِ میں اور تَزْوِجِ فُلَانٍ فُلَانَةً وغیرہ وغیرہ مقامات میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟ اور اگر ان مقامات میں حرف فاء تفصیل کے لیے ہے یا کسی اور مناسب (بقیہ نکلے صفحہ پر دیکھئے)

سورۃ فاتحہ کا مسئلہ اور بصورت ترک تکمیل نماز کا اوجہ صحیح نہیں ہے۔ (بمعنا تحقیق الکلاہ جلد ۲ ص ۲۱۶)

جواب: مبارک پوری صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ نماز کی تکمیل کے بغیر مسجد سے باہر نکل کر تشریف لے گئے تھے نہ معلوم کس بات پر مبنی ہے؟ اس دعویٰ کا ثبوت تو کسی روایت سے نہیں مل سکتا۔ اس روایت سے تو اتنا ہی ثبوت ملتا ہے کہ نماز کی تکمیل سے قبل ہی آپ پر بیماری کا زور ہو گیا۔ اور اگر فخر ج میں حرف فاء کو مبارک پوری صاحب تعقیب بلا ملہ کے لیے سمجھتے ہیں اور اس پر اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھتے ہیں تو یہ ان کو سراسر مضبوطی سے لگا۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ علاوہ بری اس کی تصریح موجود ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ نماز ہی پوری کی، بلکہ حضرات صحابہ کرام کو نماز کے بعد خطاب بھی فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں یوں الفاظ آتے ہیں: فصلی لہم وخطبہم

(بخاری ۲ ص ۸۵)

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے:

ثوخرج الی الناس فصلی لہم

وخطبہم۔ (بخاری ۲ ص ۹۲ وفتح الباری)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) معنی میں مستعمل ہوا ہے تو فخر ج میں حرف فاء سے کوئی ایسا مناسب اور موزوں معنی کیوں نہیں لیا جاسکتا تاکہ دوسری صحیح روایات سے تعارض پیدا نہ ہو اور اگر مبارک پوری صاحب اس پر بضطہم کے حرف فاء تعقیب بلا ملہ کے لیے ہی ہوتا ہے تو کامیابی پھر بھی جہور کی ہوگی۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیت وذاقرئی القرآن فاستمعوا لہ... الاذیۃ اور حدیث اذاقرأ الامام فانصتوا میں بھی ان کے اصول کے تحت حرف فار تعقیب بلا ملہ کے لئے ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ امام کی قرأت شروع کرنے کے فوراً بعد مقتدیوں پر استماع اور انصات واجب ہے۔ اور سبھی جانتے ہیں کہ امام کی قرأت سورۃ فاتحہ سے شروع ہوا کرتی ہے نہ کہ ما زاد علی الفاتحہ سے۔ لہذا مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا منوع ٹھہرا۔ اور قرأت کو ما زاد علی الفاتحہ پر عمل کرنے کی رٹ باطل ہوگئی۔

وام میں صیاد اپنے مبتلا ہونے کو ہے

خوشن نوا یا بن جن کو غیب سے مزود ملا

فرمایا۔

جلد ۱۰ ص ۱۲۰ و عدة القاری جلد ۱۰ ص ۱۴۱

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ آپ نے جماعت کے ساتھ نماز کی تکمیل کی۔ اور پھر حضرات صحابہ کرام سے خطاب بھی کیا۔ اور جو روایت مبارک پوری صاحب نے پیش کی ہے۔ اس سے ان کا مدعی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ تکمیل نہ نہ سے قبل ہی آپ کا مرض بڑھ گیا تھا۔ اور اس کا کون منکر ہے؟ اور نماز اور خطاب سے فارغ ہونے کے بعد آپ دو آدمیوں کے سہارے سے جیسے تشریف لائے تھے۔ ویسے ہی واپس تشریف لے گئے۔ اگر مبارک پوری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ بحالت نماز مرض بڑھ نہیں سکتا یا تکمیل نماز کے بغیر ہی دو آدمیوں کے سہارے پر گر جانا ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ تو ہماری بلا سے مبارک پوری صاحب جانیں اور ان کی سمجھ۔ بہر صورت مسئلہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخری باجماعت نماز میں سورۃ فاتحہ مکمل یا اس کا اکثر حصہ نہیں پڑھا تھا۔ معذرتاً آپ کی نماز صحیح ہو گئی تھی۔ وہو المطلوب۔

پانچواں اعتراض: مولوی محمد صادق صاحب سرگودھوی (غیر مقلد) لکھتے ہیں کہ اگر آپ نے امام ہونے کے باوجود سورۃ فاتحہ ترک کی تو حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ امام پر سورۃ فاتحہ واجب ہے تو حنفیہ کا اعتراض جیسا کہ اہل حدیث پر ہے۔ ویسا ہی ان حنفیوں پر بھی ہے۔ (خیر الکلام ص ۶)

جواب: یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فقہائے حنفیہ کی کتابیں دیکھنے کی عزت گوانا نہیں کی۔ ورنہ وہ اس قسم کی سطحی بات ہرگز تحریر نہ کرتے۔ علماء اخاف کے نزدیک سورۃ فاتحہ کی قرآن اس امام پر ضروری ہے جو اقل سے آخر تک امامت کا فریضہ ادا کر رہا ہو۔ اگر کسی نے اس حالت میں امام کی اقتدا کی ہو۔ کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہو یا رکوع کے لیے سر جھکا چکا ہو۔ اور امام کو حدیث کو لاحق ہو گیا ہو تو ایسے مقتدی کو امام اپنا نائب اور خلیفہ بنا سکتا ہے اور ایسے نائب امام کی نماز بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے بھی جائز اور صحیح ہے۔ اور رکوع کی حالت میں بھی مسبوق کو نائب اور خلیفہ بنانا جائز ہے۔ (دیکھئے ہدایہ جلد ۱ ص ۱۱۰ وغیرہ) اور حضرت ابن عباس کی حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابو بکرؓ کی اقتدا کی تھی اور بعد کو آپ نے امامت کا فریضہ ادا کیا تھا جیسا کہ اس کی پوری تشریح

پہلے ہو چکی ہے۔ لہذا حقیقوں پر تو مطلقاً اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلائیوں اور دسکوا اکمارا یتنبوئی اُصَلّٰی کی حدیث پر عامل ہونے کے مدعی اس صحیح حدیث سے کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے اور شاید کہ تا قیامت ہو بھی نہ سکیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دیگر صحیح قولی احادیث کی طرح آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس صحیح اور فعلی حدیث سے بھی یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری باجماعت نماز بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے بھی درست اور صحیح ہو گئی تھی اور یہی جہور اہل اسلام کا مسلک ہے اور آپ کے آخری فعل کے حق اور درست ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس کے بعد نسخ کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ازراہ انصاف خدا تعالیٰ سے ذکر فریق ثانی کو اپنے اس فتویٰ پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس آخری عمل کے پیش نظر یہ فتویٰ کس بے باکی اور جسارت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیاں اور لغزشیں معاف کرے۔

گیارہویں حدیث: امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ہم سے اسحاق ازرقؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان ثوریؒ اور شریکؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں روایت

لہ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور المجتہد کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۶۷)

۱۵ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۳۷۵) علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور الثقہ لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹۴) حافظ ابن کثیرؒ ان کو احوال ائمۃ الحدیث لکھتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ

جلد ۱ ص ۲۲۴)

۱۶ سفیان ثوریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے اور شریکؒ ان کے متابع ہیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ ، الصادق اور احوال ائمۃ لکھتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۳۹۹) نیز لکھتے ہیں کہ وہ احوال ائمۃ الاعلام، حسن الحدیث، امام، فقیہ اور کثیر الحدیث تھے وحديثه من اقسام الحسن (تذکرہ ۱ ص ۲۱۳) علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ مامون اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۳۶) یہ یاد رہے کہ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

کرتے ہیں موسیٰ بن ابی عائشہؓ سے۔ وہ عبد اللہ بن شدادؓ سے اور وہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان
لہ امام فقرأہ الامام لہ قرأۃ (بحوالہ)
آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد
فرمایا کہ جس آدمی نے امام کی اقتدی کی تو امام کی قرأۃ
فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۳۹) مقتدی کو بس ہے۔

اس روایت میں جہری اور سری نماز کی کوئی قید موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ اپنے عموم پر ہے کیونکہ اس میں حرف من شرط یہ ہے جو عموم کے لیے ہے۔ بخلاف لا صلوة لمن لم یقرأ کے کہ وہاں حرف من موصولہ یا موصوفہ ہے جس میں عموم و خصوص دونوں آسکتے ہیں۔ اور اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ امام کے پیچھے جب کسی نے اقتدا اختیار کر لی ہو تو مقتدی کو جدا اور الگ قرأت کرنے کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ امام کا پڑھنا گویا مقتدی کا پڑھنا ہے

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) ہم نے شریک کو صرف متابع کے طور پر پیش کیا ہے۔ استدلال امام سفیان ثوریؒ سے ہے جو ثقہ اور ثبت تھے۔ (ترجمان الحدیث ص ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰) میں تضادات کے چند نمونے کا عنوان قائم کر کے اور ہماری اس عبارت سے لفظ متابع مفہم کر کے جو اعتراض کیا ہے، علمی طور پر خالص بددیانتی ہے۔ ہم نے سفیان ثوریؒ کو ان کا متابع نہیں بتایا بلکہ ان کو سفیان ثوریؒ کا متابع کہا ہے مگر مضمون نگار نے ص ۲۱ میں وجہ کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں جبکہ سفیان ثوریؒ اس کا متابع موجود ہے۔

لہ امام حمید ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ امام ابن معینؒ اور یعقوب بن سفیان ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن جابر ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۵۱) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ اور حابد لکھتے ہیں۔ (تقریب ۲۶۷) امام بخاریؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (جلد ۲ ص ۳۲۰)

۱۱۰۰ یہ حضرت ام المؤمنینؓ کے بھانجے تھے (بخاری جلد ۱ ص ۱۲۷) حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا تولد ہوا تھا۔ امام غزالیؒ، خطیبؒ، ابوزرعدہؒ، نسائیؒ، ابن سعدؒ اور اقدسیؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن جابر ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۵۳)

یہ بیروایت شرح نقایہ جلد ۱ ص ۱۲۷، سنن السنن جلد ۱ ص ۸۷، معجم المعانی جلد ۹ ص ۱۳۳، تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۳۸، البیہقی جلد ۱ ص ۱۴۱، فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۳۲، حاشیہ طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۸، اعلام السنن جلد ۳ ص ۶۳ اور بغیۃ الامنی جلد ۲ ص ۲ وغیرہ کتابوں میں اجماعاً و تفصیلاً نقل کی گئی ہے۔

اور مارا د علی الفاتحہ کی قرأت میں فریق ثانی کا کلی اتفاق ہے کہ اس میں امام کی قرأت مقتدی کی قرأت سمجھی جائے گی اور مقتدی پر الگ قرأت لازم نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ اور باقی سب راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور مبارکپوری صاحب نے اپنی افتاد طبع کے تحت گواہی باتیں شائیں سے کام لینے اور غلو خلاصی کی ناکام کوشش کی ہے، لیکن اتنی بات تسلیم کیے بغیر وہ کوئی مفسر نہیں پاتے کہ بظاہر صحیح ہے کیونکہ موصول بھی ہے۔ اس کے تمام روایات بالاتفاق ثقہ بھی ہیں اور کوئی علت قاعدہ بھی بظاہر اس میں نہیں پائی جاتی۔۔۔ الخ (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۴۸) انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب تمام راوی ثقہ ہیں اور سند بھی موصول ہے۔ اور بظاہر کوئی علت قاعدہ بھی اس میں پائی نہیں جاتی۔ تو مبارکپوری صاحب جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔ اور یا صحیح تسلیم کرتے ہوئے۔ اس کا کوئی معقول جواب دیتے۔ مگر چونکہ اپنی رائے کو ترک نہیں کرنا۔ اس لیے ان حضرات کی طرف سے صحیح حدیث کو معقول ٹھہرانے کی کوشش اور سعی کی گئی ہے۔ مبارکپوری صاحب نے جو کچھ کہا اس کو آپ پڑھیں اور ساتھ ساتھ جواب بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

پہلا اعتراض: مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں (اور یہی اعتراض خیر الکلام از ص ۴ تا ۵۷ میں پانی کی طرح بلویا گیا ہے) کہ یہ روایت مرفوع نہیں ہے اور اس کی دلیلیں یہ ہیں: (۱) اگر یہ طریق مرفوع ہوتا۔ تو محدثین کرام، امام سفیان ثوری، شریک اور جریر کو امام ابو حنیفہ کا مخالف ہرگز نہ بتاتے۔

(۲) اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو امام طحاوی، علامہ مارونی، حافظ زلیعی اور محدث علی وغیرہ محل احتیاج میں ضرور اس کو پیش کرتے۔

(۳) حافظ ابن ہمام نے مسند احمد بن حنبل کے جس نسخہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اس میں کاتب کی غلطی کی وجہ سے عبد اللہ بن شداد کے بعد عن جابر کا جملہ زیادہ ہو گیا ہے۔ اور لے نواب صدیق حسن خان صاحب مسند احمد بن حنبل کے طریق سے دو سندوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ والد مسند الاول صحیح علی شرط الشیخین والثانی علی شرط مسلم (ہدایۃ السائل ص ۲)

حقیقت میں یہ روایت مرسل ہے۔ (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۳۸) والکلام المنقول

جواب : مبارکپوری صاحب کا یہ دعویٰ بعد پیش کردہ دلائل کے از سر تاپا لغو اور بیہودہ

ہے۔ یہ روایت مرفوع ہے مرسل نہیں ہے، ترتیب وار ہر شق کا جواب ملاحظہ کیجئے :

پہلی شق کا جواب : یہ دعویٰ کرنا کہ جریر، سفیان اور شریک وغیرہ امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت کرتے ہوئے اس کو مرسل روایت کرتے ہیں باطل ہے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ ان کی روایت کو کئی سندات کے ساتھ نقل کر کے لکھتے ہیں۔ (علامہ آلوسیؒ ثقہ ناقل ہیں ان کو متاخر آدمی کہہ کر نالہ نہ کیا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص ۱۷۳ میں کیا ہے) نرسے تصحب پر مبنی ہے اور اہل علم کی شان کے لائق نہیں ہے،

فہو لا یوسفیان وشریک وجریر
ابو الزبیر رفعہ بالطریق الصحیحۃ
سویہ امام مثلاً سفیان وشریک، جریر اور ابوالزبیر
(وغیرہ) صحیح اسانید کے ساتھ اس روایت کو مرفوع نقل
کرتے ہیں جو کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے اس
فقط عدھو فیمین لمریرفعہ۔
(روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۳)
کو مرفوع روایت نہیں کیا۔ ان کا قول سراسر باطل ہے۔

اور اسی طرح فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۳۹ میں بھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقیؒ، دارقطنیؒ اور ابن عدیؒ وغیرہ کا یہ دعویٰ کہ اس روایت کو تنہا حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی مرفوع بیان کرتے ہیں اور اس رفع میں ان کا اور کوئی ساتھی نہیں محض باطل ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے اس روایت کو نقل کرنے والے بھی اسس کو مرفوع ہی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں :

ہذا حدیث رواہ جماعة من
اصحاب ابی حنیفۃ موصولاً وخالفہم
امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب اور تلامذہ میں سے ایک
بہت بڑی جماعت نے اس کو مرفوع اور موصول بیان کیا
عبد اللہ بن المبارکؒ از امام فرواہ
ہے لیکن امام عبد اللہ بن مبارکؒ اس کو مرسل روایت
عندہ مرسلہ۔ (کتاب القراءة ص ۱۰۱) کرتے ہیں۔

اسنی ارتقی، ابویوسفؒ اور یونس بن کثیرؒ وغیرہ کی روایتیں دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۳ اور ص ۱۲۳ میں
مذکور ہیں اور محمد بن الحسنؒ، محمد بن الفضلؒ، البیہقیؒ، سلیم بن مسلمؒ، علی بن ابیہریمؒ، علی بن یزید الصدفیؒ

اور مردان بن شجاع کی روایتیں عقود الجوامہ النیفہ فی اولۃ الاحکام لہم سب ابی حنیفہ میں مذکور ہیں۔ (کذا فی الدلیل المبین ص ۹۵ مولانا الحدیث محمد حسن فیض پوری) لہذا اسحاق ارنق کی روایت کو شاذ، غلط اور ضعیف قرار دینا جیسا کہ مولف خیر الکلام نے کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۳۷۲ و ۳۷۳) محض بے بنیاد امر اور فراہ باطل دعویٰ ہے۔ علاوہ ازیں مولف خیر الکلام خود ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوا تو اس صورت میں ان کا تفرّد کوئی مضر نہیں ہوگا۔۔۔ الخ ص ۲۸۸ اور اسحق ارنق کی توجہی کے ثقہ اور ثبت ہیں۔ پھر تفرّد کا ناکام بہانہ کون سننا ہے اور کون ان کی اس صحیح زیادت کو شاذ مانتا ہے؟

اور دوسرے مقام پر امام بیہقی لکھتے ہیں:

وہکذا رواہ جماعة عن ابی حنیفہؒ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ سے ایک بڑی تعداد نے موصولہ۔ (سنن الکبیری ج ۲ ص ۱۵۹) اس کو مرفوع اور موصول بیان کیا ہے۔

اور نو اب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں کہ

وبالجمہ این حدیث بطرق متعدده ارسال و خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مرسلہ رفعا مروی شدہ و دروی ملالت است برآنگہ اور مرفوعاً مروی ہے اور اس میں دلیل ہے کہ مقتدی مؤتم و رپس امام فائزہ بخاندنیر کہ قرأت امام امام کے پیچھے فائزہ نہ پڑھے کیونکہ امام کی قرأت مقتدی قرأت مؤتم است ۱۰ (روایت السائل ص ۲) کی قرأت ہے۔۔ الخ

پہلے اس کی تحقیق گزر چکی ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت بالاتفاق مقبول ہوتی ہے۔ خواہ وہ زیادت متن حدیث میں ہو۔ خواہ سند میں اور جب حدیث کے مرفوع اور مرسل ہونے کا جھگڑا ہو تو وہ حدیث جمہور علماء کے نزدیک مرفوع ہی سمجھی جائے گی۔ نیز مثبت کو ثانی پر ترجیح ہوگی۔ اگر بالفرض اس زیادت کو تنہا حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی بیان فرماتے۔ تب بھی حضرت محدثین کو ائمہ کے طے شدہ اصول اور ضوابط کے تحت یہ روایت مرفوع اور موصول ہی ہوتی حالانکہ جریر، سفیان، شریک اور ابوالزیر وغیرہ سب ثقہ راوی اس کو مرفوع اور موصول بیان کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک بڑی جماعت اس کو مرفوع اور موصول ہی روا کرتی ہے۔ امام ابن مبارکؒ چونکہ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں اور دوسرے اس کو مرفوع

بیان کرتے ہیں۔ اس لیے قاعدہ کے مطابق مرفوع اور متصل ہی کو ترجیح ہے۔ نہ کہ اس کے مرسل ہونے کو علاوہ انہیں خود امام ابن مبارکؒ کا بیان ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کسی بات پر متفق ہو جائیں تو میرا قول بھی وہی ہوگا (تبیيض الصغيفه ص ۱) اور امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ دونوں اس روایت کو مرفوع اور موصول بیان کرتے ہیں اور امام حاکمؒ علامہ شمس الدین ابن قدامہؒ، علامہ مارونیؒ، حافظ ابن ہمامؒ، ملا علی القاریؒ اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ اس روایت کو مرفوع ہی نقل کرتے ہیں۔ اور یہ مثبت بھی ہیں اور مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں: فقول هؤلاء العارفين مقدم على من لم يروا جاسته والوں کی بات نہ جاسته والوں کی بات سے بہر حال مقدم ہے۔ (ابکا للمنف ح ۱۲)

اس لیے مبارک پوری صاحبؒ کے اعتراض کی یہ شق قطعاً باطل اور مردود ہے اور اسی طرح مؤلف خیر الکلام (ص ۴۷۳) کا اس کے جواب سے عاجز ہو کر اس کو مصادرہ علی المطلوبہ کہ کر مگر خلاصی کرنا بے معنی بات ہے کیونکہ دعویٰ یہ ہے کہ عن جابرؒ کا جملہ مسند احمد بن حنبلؒ میں مذکور ہے اور دلیل یہ ہے کہ یہ مسلم ثقات اس کو اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اگر مؤلف مذکور کا یہ خانہ ساز مصادرہ مضرت تو تمام کتب حدیث میں یہ جاری ہے کمالاً بیخفا تو پھر کوئی روایت صحیح نہیں ہو سکتی بھلا ایسے ناکام بہانوں سے صحیح حدیث ضعیف قرار دی جاسکتی ہے؟ معاذ اللہ تعالیٰ۔

دوسری شق کا جواب: جہود اہل اسلام کے پاس قرآن کریم کی آیت اور حضرت ابو موسیٰ الاشعرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ وغیرہ کی صحیح اور مرفوع حدیثیں موجود ہیں۔ لہذا اگر امام طحاویؒ وغیرہ ائمہ نے حضرت جابرؒ کی یہ روایت اپنے استدلال میں پیش نہیں کی۔ تو کیا بغیر اس روایت کے ان کی ضرورت اور حاجت پوری نہیں ہو سکتی تھی؟ اور کیا ان کے دعوے کی صرف یہ ایک حدیث دلیل رہ گئی تھی کہ بغیر اس کے بیان کرنے کے ان کا دعویٰ ناکام اور تشنہ رہتا؟ ہاں جہاں اور حدیثیں موجود ہیں۔ وہاں ان کی دلیل ایک یہ حدیث بھی ہے اور فرض کر لیجئے کہ ان حضرات کو مسند احمد بن حنبلؒ کی سند سے اس روایت کا علم ہی نہ تھا تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سرے سے یہ حدیث ہی نہ ہو؟ کسی حدیث کا کسی موقع پر بیان نہ کرنا اس کے عدم کی دلیل کیسے بن گئی؟

علاوہ انہیں امام ابن قدامت ماریونی، ابن ہمام، ملا علی قاری اور آلوسی وغیرہ باقاعدہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں اور اس کو مرفوع اور موصول ہی سمجھتے ہیں اور اسی طرح اس کو نقل بھی کرتے ہیں۔

مؤلف خیر الکلام ص ۲۷۲ میں (و بخودہ فی ص ۲۳۸) لکھتے ہیں کہ باقی رہا ارسال اور وصل کا اختلاف اس کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ راوی اسے مختلف حالات کی بنا پر کبھی متصل بیان کر دیتے ہیں اور کبھی مرسل۔ یہ اختلاف کوئی مضرت نہیں۔ ثقہ کی زیادتی اس جگہ قابل قبول ہے۔ انتہی اور یہی ہم کہتے ہیں۔

تیسری شق کا جواب: اگر مسند احمد بن حنبل کے نسخہ میں جو حضرات محدثین کرام کے نزدیک متداول کتاب تھی۔ کاتب نے عن جائز کے الفاظ زیادہ کر دیے تھے تو نہ معلوم بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور دیگر حدیث کی کتابوں میں کاتبوں نے کیا کچھ شکوئے کھلائے ہوں گے؟ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے حذف و اضافہ اور قطع و برید کر کے اصل مضمون کو کیا سے کیا کر دیا ہوگا؟ پھر حدیث کی کتابوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور شاید اسی بد اعتمادی کی وجہ سے بیشتر غیر مقلد حضرات (مثلاً عبد اللہ بن حنبل، ابوی، اسلم حیراجوری، غلام احمد پرویز، فاکٹر احمد الدین وغیرہ) انکار حدیث کے فتنہ میں گرفتار اور مبتلا ہوئے ہیں۔ اور شاید تصحیح حدیث کی یہ شرط ہو کہ اگر مبارکپوری صاحبؒ اور ان کی جانت کسی حدیث کو صحیح قرار دیں تو صحیح ہوگی۔ ورنہ اس کو رووی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

محترم جب سند کے تمام راوی بالاتفاق ثقہ اور ثبت ہیں۔ اور بظاہر اس میں کوئی علت قاعدہ بھی نہیں اور موصول بھی ہے تو بلاوجہ محض ہوائے نفسانی کے لیے کاتب بیچارے پر کیوں ایسا سنگین الزام عائد کیا جاتا ہے؟ اور کیوں طے شدہ قواعد اور اصول سے انحراف کیا جاتا ہے؟ فتح الباری کے حوالہ سے

لے مثلاً یہ کہ سند کے تبدلات بالاتفاق ثقہ ہیں۔ سند موصول ہے۔ بظاہر اس میں کوئی علت قاعدہ بھی نہیں پائی جاتی۔ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ موصول اور مرسل کے جھگڑے میں حدیث مرفوع ہی صحیح جائیگی۔ ثبوت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے، عدم علم عدم ثبوت کی دلیل نہیں ہوتی۔ خلاف کے قول کو جاہل کے قول پر ترجیح ہوتی ہے۔ اسقاط اور دلالت محض احتماں سے ثابت نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ یہ تمام اصول ایسے ہیں جو خود مبارکپوری صاحبؒ کے نزدیک بھی مسلم ہیں۔ مگر افسوس کہ عملی طور پر وہ سب سے گریز کرتے ہیں۔ خواہ سنا۔

یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ ادراج و اسقاط بعض احوال سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور قاضی شوکانیؒ کہتے ہیں کہ ادراج مجرد و نحو سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۳۵۱)
حضرات! یہ ہے مبارکپوری صاحب کا انصاف اور دیانت؟ اس سے بڑھ کر تعصب اور کیا ہو سکتا ہے؟

بصورت مرسل بھی یہ روایت حجت ہے:

اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ روایت مرسل ہے، تب بھی جہور کا احتجاج اس روایت سے صیح ہو گا۔ مرسل کی حجت کے بارے میں ہم پہلے کچھ بحث باحوالہ کر چکے ہیں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ (کتاب العلل جلد ۱ ص ۲۳۹)
امام نوویؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور اکثر فقہائے کرام کا یہ مسلک ہے کہ حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ (مقدمہ نووی ص ۱۵۱) علامہ جزائریؒ کا بیان ہے کہ علماء سابقین میں امام شافعیانؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ مرسل حدیث کو بھی حجت سمجھتے تھے۔
(توجیہ النظر ص ۲۴۵ و الموطا فی ذکر الصراح السنۃ من انوار صاحب) اور نواب صاحبؒ کہتے ہیں لیکن احوال بار سال موجب ترک اونیست، زیرا کہ قبول مراسیل مذہب جمعی از فحول علماء اصول است۔ (دلیل الطالب ص ۳۲۵) اور ایسے مرسل کے حجت ہونے میں جس کی تائید کسی اور حدیث سے ہوتی ہو۔ گو وہ مرسل ہی کیوں نہ ہو۔ سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ امام بیہقیؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن القیمؒ اور مبارکپوری صاحبؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔
(کتاب القراءة ص ۱۴۳، مقدمہ نووی ص ۱۵۱، زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۵۱، البکار المنین ص ۳۵) اور مبارک پوری صاحبؒ ایک مقام میں کہتے ہیں اور مرسل معتقد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۱) اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ آلوسیؒ یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر حضرت جابرؓ کی یہ روایت مرسل بھی ہو تب بھی مرسل حدیث اکثر ائمہ کے نزدیک حجت ہے تو ہمیں عمل کے لیے یہی کافی اور میں ہے۔ (روح المعانی جلد ۱ ص ۹۱)
یہ حکم تو عام مراسیل کا تھا۔ لیکن اگر کسی دلیل سے حضرت عبداللہ بن شدادؓ کا صحابی ہونا ثابت ہو جائے تو ان کی روایت مراسیل صحابہ کے قسم کی ہوگی اور حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسیل

بالاتفاق قابل قبول ہیں۔ بعض محققین کا بیان ہے کہ عبداللہ بن شداد صحابی تھے اس کا ثبوت یہ ہے کہ چونکہ میں صرف حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات اور سوانح بیان کرنے کے لیے مخصوص ہیں۔ ان کا ذکر بھی ان کتابوں میں آتا ہے۔ (فصل الخطاب ص ۹۷) حافظ ابو عمر بن عبدالبر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (جلد ۱ ص ۳۹۹) میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تمذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۵۲ اور تقریب ص ۲۰۲ میں درج ہے۔ ولد علی علیہ السلام رسول اللہ علیہ وسلم کہ حضرت عبداللہ بن شداد کی ولادت آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد اور زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور اسی طرح اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ اور تجرید اصحابہ میں ان کا ذکر ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں عبد اللہ بن شداد من صفات الصحابة۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۲۰۷ ص ۲۵۶) کہ عبداللہ بن شداد نو عمر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ جو صحابی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کافی عرصہ رہا ہو یا جس نے آپ کی معیت میں دشمنان اسلام سے جہاد کیا ہو یا جس نے آپ کے جھنڈے کے نیچے شہادت کا رتبہ پایا ہو۔ ایسے صحابی کا مرتبہ یقیناً اس صحابی سے زیادہ ہے جس نے آپ کی خدمت اقدس میں کافی وقت نہ گزارا ہو۔ یا جس نے آپ کی معیت میں دشمنان اسلام سے جنگ نہ کی ہو، یا جس کو آپ کی معیت میں شہادت نصیب نہ ہوئی ہو، یا جس نے آپ سے معمولی گفت گو کی ہو۔ یا تھوڑی مسافت آپ کے ساتھ طے کی ہو۔ پھر آگے لکھتے ہیں:

اورہ علی بعد او حال الطفولية والکان
شرف الصحبة حاصلہ لجميع ومن ليس له
منهم سماع منه فذلك مرسل من حيث
الرواية وهو مع ذلك معدودون في الصحابة
لما نالوه من شرف الرواية انتهى۔

(مشروع تجتہ الفکر ص ۸۶)

اور اسی طرح ان کا درجہ اس صحابی سے زیادہ ہوگا جس نے آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دور سے دیکھا ہو یا جس نے بچپن میں آپ کو دیکھا ہو۔ اگرچہ صحابی ہونے کا شرف ان سب کو حاصل ہوگا۔ ان میں سے جس نے براہ راست آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سماعت نہیں کی۔ اس کی حدیث مرسل ہوگی لیکن شرف صحبت کا نیا پران کا شمار بھی ہر صورت حضرات صحابہؓ میں کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا دینی خدمات انجام دینے کی وجہ سے آپس میں یقیناً بہت تفاوت ہے، لیکن مع ہذا جنھوں نے عہد طفولیت اور بچپن کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے جناب رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ ان کا شمار بھی صحابہ میں ہے اور وہ صحابہ صحابہ میں شامل ہیں اور چونکہ ان کی روایتیں براہ راست جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں ہوتیں بلکہ حضرات صحابہ کرامؓ سے ہوتی ہیں۔ اس لیے بعض محدثین کرامؓ نے ایسے صحابہ صحابہ کو کبار تابعین میں شمار کر دیا ہے۔ وَلِکُلِّ وَجْهَةٌ اور ایسے صحابہ صحابہ کی روایات مر اسیل ہوں گی۔ مؤلف خیر الکلام ص ۴۷ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کی مرسل اگرچہ بالاتفاق حجت ہے، مگر اس جگہ صحابہ سے وہی لوگ مراد ہیں جنھوں نے سن تیز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا.... الخ مگر یہ محض فرار کا ایک ناکام بہانہ ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جہود محدثین کے نزدیک پانچ سال کا بچہ سن تیز کو پہنچ جاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے۔ (جو عبد اللہ بن الزبیرؓ کے واقع سے ظاہر ہے) کہ چار سال سے کم عمر میں بھی تیز حاصل ہو جاتی ہے۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۷۸) اور حضرت عبد اللہ بن شدادؓ جو صحابہ صحابہ شمار ہوتے ہیں تین چار سال سے کیا کم ہوں گے جب کہ انھوں نے آپ کی زیارت کی ہوگی۔

مراسیل حضرات صحابہ کرامؓ

مراسیل صحابہ کے بارے میں تقریباً تمام علماء کرام متفق ہیں کہ وہ حجت ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مراسیل سے حجت صحیح نہیں ہے مگر حضرات صحابہ کرامؓ اور سعید بن المسیبؓ کے مراسیل حجت ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۲ عن الوجیز لابن برہان) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسیل حجت ہیں۔ (شرح مسلم جلد ص ۲۸۳ و مقدمہ ص ۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اور دیگر تمام علماء کے نزدیک صحابی کا مرسل حجت ہے۔ (شرح مذهب جلد ۴ ص ۴۸) اور علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی ص ۶۶ میں تصریح کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسیل حجت ہیں اور التوضیح (نول کشور ص ۳۶۸) میں لکھا ہے فمرسل الصحابی مقبول بالاجماع کہ صحابی کا مرسل اجماعاً مقبول ہے۔ علامہ نیوویؒ لکھتے ہیں کہ صحابی کا مرسل حجت (تحلیق احسن جلد ۲) اور قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسیل حدیث مسند کے حکم میں ہیں۔

(نیل الاوطار جلد ۱ ص ۳۴۱) نواب صاحب لکھتے ہیں کہ و مراسیل صحابہ حجت است (دلیل الظاہ ص ۳۸) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ مرسل صحابی محکوم بصحت است بر مذہب صحیح۔
ایضاً ص ۹۹) اگر فریق ثانی اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کرتا تو براہ کرم دیگر حضرات صحابہ کرام کی مرسل روایات عموماً اور حضرت عائشہؓ کی بخاری شریف کی پہلی روایت (جس میں بدر الوحی کا ذکر ہے) اور جو ان کی ولادت سے بھی تقریباً پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے) خصوصاً اور نیز حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کی روایتیں جن میں ابتدائے اسلام کے احکام ہیں۔ کتابوں سے خارج کر دیں اور اگر حضرت عبداللہ بن شدادؓ کو تابعی ہی تسلیم کر لیا جیسا کہ تقریباً ص ۲۰۶ میں ہے کہ وہ کبار تابعین اور ثقات و فقہائیں تھے۔ تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ

و كذلك مراسيل كبار التابعين اذا انضم اليها ما يؤكدها من عدالة رجال من ارسل منهم حديثه وشهره تلمح واجتنب رواية الضعفاء والجهولين۔ (کتاب المقرأة ص ۳۳۳)
اور اسی طرح (جس طرح حضرات صحابہ کے مراسیل حجت ہیں) کبار تابعین کے مراسیل بھی حجت ہیں جب کہ ان کے روایات میں عدالت اور شہرت موجود ہو اور کزور اور بھول روایات کی روایت سے اجتناب وغیرہ کی صفات شامل ہوں۔

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غور و فکر اور قلت غفالت سے متصف ہو کر علمی دلائل پر نگاہ ڈالے گا تو وہ کبار تابعین کے مراسیل کے علاوہ دیگر مراسیل سے منقبض ہو گا جس کے دلائل ظاہر ہیں۔ (الرسالۃ ص ۶۲ جو کتاب الام کی ساتویں جلد کے آخر منضم ہے)
الحاصل حضرت حاکمؒ کی یہ روایت صحیح اور مرفوع ہے، اس کو مرسل بتلانے کی تمام دلیلیں یکجا اور لایعنی ہیں اور اگر بالفرض مرسل بھی ہو تب بھی جمہور کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ اور خاص طور پر کبار تابعین کے مراسیل تو امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ کے نزدیک بھی حضرات صحابہ کرام کے مراسیل کی طرح حجت ہیں اور حضرت عبداللہ بن شدادؓ تو صحابہ میں تھے جن کے مراسیل بالاتفاق حجت ہیں۔ خلاصہ امر یہ ہے کہ حضرات محدثین کرام کے نزدیک کسی روایت کے صحیح اور حجت ہونے کے لیے کوئی قاعدہ اور ضابطہ ایسا نہیں ہے جو سو فی صدی اس روایت میں

نہ پایا جاتا ہو اگر باوجود اس کے یہ روایت مرفوع اور محبت نہیں ہے تو عالم اسباب میں صحت حدیث کے لیے کوئی اور معیار موجود نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض: مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ
 من كان له امام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله
 قراءة من حديث جابر و له طرق عن جماعة من الصحابة وكلها معلولة۔۔۔
 انتہی۔ (تلخیص العبد الجليل)

متعدد اسانید بالکل صحیح ہیں، اور یہ حدیث حضرت جابر کے علاوہ دیگر حضرات صحابہ کرام کی ایک کافی جانت سے بھی مروی ہے، لیکن وہ سب طرق معلول ہیں۔
 مبارک پوری صاحب نے یہ عبارت تحقیق الکلام جلد ۱۳ اور ابکار المنہج ص ۱۵۵ میں نقل کی ہے اور اس پر اعتراض کی بنیاد رکھی ہے۔

جواب: یہ روایت متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابر سے مروی ہے۔ امام حاکم نے علم اصول حدیث کی مشہور کتاب معرفت علوم الحدیث میں تیسویں نوع اس موضوع پر قائم کی ہے۔
 هذا النوع من هذا العلم معرفة المشهور من الاحاديث المروية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم..... الخ پھر ان مشہور احادیث کے بعد یہ حدیث بھی بیان کی ہے ومن من كان له امام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله
 باسانید ما و طرقها..... الخ (معرفت علوم الحدیث طبع قاہرہ ص ۹۷) اس سے بھی ثابت ہوا کہ من كان له امام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله قراءة الامام فقراً لا ماله
 ہے بعض تعصب مذہبی میں اگر اس کا انکار کرنا کس قدر ناانصافی ہے اور ایسے ٹھوس ثبوت اور علم ہی کی وجہ سے ہم حافظ ابن حجر کے اس بات کو رد کرتے ہیں اور کم و بیش چالیس سندیں اس روایت کی تو اس ناکارہ اور کوتاہ علم کو بھی معلوم ہیں۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ اور ان میں ستائیس کے قریب فی الجملہ معلول ہیں ایک صحیح اور مرفوع سند آپ سن اور پڑھ چکے ہیں اور عنقریب چند ایک دیگر صحیح اسانید بمع تشریح روایت ہم آپ سے عرض کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ باقی حافظ ابن حجر کا یہ دعویٰ نہایت مجمل اور بے دلیل ہے اور ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی تصحیح یا تضعیف

بلا دلیل کون سنتا ہے؟ بعض علماء کرام نے حافظ صاحب موصوف سے انتہائی عقیدت اور
حسن ظنی کرتے ہوئے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ حافظ صاحب موصوف کی عبارت میں
دو چیزیں ہیں:

(۱) کہ یہ روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔

(۲) کہ یہ روایت حضرت جابرؓ کے علاوہ دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے بھی متعدد طرق کے
ساتھ مروی ہے اور کلہا معلولہ میں ہا کی ضمیر ان طرق کی طرف راجع ہے جو دیگر حضرات صحابہ
کرامؓ سے مروی ہیں اور ان کی عبارت لکنتہ حدیث ضعیف عند الحافظ سے بھی یہی طرق مراد
ہیں نہ کہ حضرت جابرؓ کی حدیث اور حضرت جابرؓ کی روایت مسکوت عنہا ہے اور یہ حافظ صاحبؒ
کی عبارت کلہا معلولہ کی زد میں نہیں آتی اور گویا حافظ صاحب موصوفؒ نے ایک لطیف حیلہ
کرتے ہوئے گول مول حکم صادر کر کے حضرت جابرؓ کی روایت سے گلو خلاصی کرنے کی کوشش فرمائی
ہے، مگر ناکام۔ اگر حافظ صاحب موصوفؒ کی مراد یہ ہو کہ دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے من وعن روایت
کے ایسے ہی الفاظ مروی ہیں جو حضرت جابرؓ سے مروی ہیں اور وہ طرق سب معلول ہیں۔ تو
شاید بظاہر یہ صحیح ہو اور اس صورت میں اس عبارت کی اس سے بہتر توجیہ اور نہیں ہو سکتی
اور اگر مراد یہ ہو کہ دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے جو روایتیں مروی ہیں گویا ان کی روایت کے الفاظ تو
یہ نہیں لیکن ان کا مفہوم اور مضمون اس سے ملتا جلتا ہے اور وہ تمام طرق معلول ہیں تو یہ قطعاً
باطل ہے۔ بطور نمونہ دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی بعض صحیح روایتیں نقل کر کے ان کے اس دعویٰ کے
بطلان کو آشکار کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اس لیے آپ ان صحیح روایات کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے
حافظ صاحبؒ کے ادھار سے نظر پھیر لیجئے اور یہ نقد وصول کر لیجئے کہ شنیدہ کے بودا تند دیدہ یاخذ
ما حقا قدح ما کدر۔

تیسرا اعتراض: امام بیہقیؒ اور مولانا مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ
کی اس حدیث میں قرأت سے ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت مراد ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ ایک
شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں سبّح اسم ربّک اَوْ عَلٰی کی قرأت کی تھی تو آپؐ نے اس موقع پر
مقتدیوں کو قرأت سے منع کیا تھا۔ (کتاب القراءة ص ۱۱۱ و تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۱)

جواب: یہ روایت حضرت جابر رضی سے مروی ہے اور ان کی روایت میں قرأت کو
مَا زَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ کی قرأت پر حمل کرنا تو جیہ القول بعمالہ یعنی بہ قائلہ کا ارتکاب کرنا ہے کیونکہ حضرت
جابر رضی راوی حدیث اس قرأت سے صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں
مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَعَنَ بَقَرًا أَوْ نَحْوَهَا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ فَلَمْ
يَصِلْ إِلَّا وَدَّاعًا لَا مَامَ رَمَوْهَا إِمَامٌ مَالِكٌ
جس کسی نے نماز کی ایک رکعت بھی ایسی پڑھی جس
میں اس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ادا
نہ ہوگی مگر اے امام کے پیچھے۔

حدیث ۲ و ترمذی جلد ۱ ص ۴۲

اور یہ بات باقر اسحاق پوری صاحب اپنے مقام پر آتے گی کہ راوی حدیث (خصوصاً صاحب کہ
صحابی ہو) اپنی مروی حدیث کی مُراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے لہذا حضرت جابر کی اس صحیح
روایت میں قرأت سے مَا زَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ کی قرأت مراد لینا قطعاً اور یقیناً باطل ہے، یہ یاد رہے
کہ یہ روایت حضرت جابر سے مرفوعاً بھی مروی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں
کہ در حدیث جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ کہ فرمودہ مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَعَنَ بَقَرًا أَوْ نَحْوَهَا بِأَمْرِ
الْقُرْآنِ فَلَمْ يَصِلْ إِلَّا وَدَّاعًا لَا مَامَ رَمَوْهَا الطحاوی فی معانی الآثار بسند متصل مرفوع و رواہ
الترمذی موقوفاً قال حسن صحیح... (ہدایۃ السائل ص ۲۰۴) نواب صاحب نے
جو کچھ کہا بالکل صحیح کہا ہے کیونکہ یہ روایت طحاوی جلد ۱ ص ۱۸۱ میں متصل اور مرفوع سند سے مروی ہے۔
سندیوں سے بخیرین نصر امام ابو حاتم رو فرماتے ہیں کہ وہ صدوق اور ثقہ تھے۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ
وہ ثقہ تھے مسلمہ بن قاسم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ فاضل اور مشہور تھے۔ امامی الاحبار ج ۱ ص ۳۸۱ قال حدثنا
یحییٰ بن سلام عن امام ہشام بن عمار فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الوہم ہیں اور اس حدیث کے مرفوع بیان کرنے میں
ان کا وہم ہے۔ (مجلس کتاب القراءۃ ص ۱۱۰) بے شک ان پر بعض نے جرح کی ہے۔ امام دارقطنی ان کی
لے امام مالک ابو نعیم و ہیبت بن کیسان سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ
سے سنا۔ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا... الخ حضرت امام مالک کا ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے اور حضرت جابر جلیل القدر
صحابی تھے۔ ابو نعیم و ہیبت بن کیسان کا ترجمہ سن لیجئے۔ امام نسائی اور ابن حبان ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن سعد ان کو
ثقہ اور محدث کہتے ہیں۔ علی بن ابی حمزہ اور تابعی کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام احمد بھی ان
کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۶۶) امام ترمذی لکھتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح (اص ۴)

تضعیف کرتے ہیں اور امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ باوجود ان کے ضعیف ہونے کے ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں: ربما اخطأ امام ابو زرعةؒ فرماتے ہیں: لا بأس به ربما يهمل امام ابو حاتمؒ ان کو شیخ اور صدوق کہتے ہیں امام ابو العزبؒ ان کو من الحفاظ اور من خيار خلق اللهؒ کہتے ہیں لسان المیزان ج ۶ ص ۲۶۰ و ۲۶۱ الغرض ان کی یہ حدیث حسن و درجہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ قال حدثنا مالك عن وهب بن كيسان عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم: لا تحديث، لهذا تولى غير الكلام (ص ۲۹۳ میں) یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا کہ حدیث قرأ الامام... ان بصورت مرفوعہ زیر بحث ہے غرضیکہ یہ ارشاد مطلق اور صریح ہے اس کو محض لفظوں کی کراہت سے مقید کرنا اور محل قرار دینا جیسا کہ تولى مذکور نے ص ۱۵۹ میں کیا ہے بالکل باطل ہے اور اسی طرح اس کو رکوع والی رکعت سے مقید کرنا بلا دلیل ہے۔ نماز صرف وہی رکعت نہیں بلکہ تمام رکعات نماز اور صلاۃ ہے اور امام موفق الدین ابن قدامہؒ اور علامہ شمس الدین اہلبلیؒ بھی اس روایت کو مرفوعہ روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ رواه الخلال عن جابر بن ان النبي صلى الله عليه وسلم قال كل صلاة لا يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج الا ان يكون وراء الامام (معنی جلد ۱ ص ۶۰۶ واللفظ له وشرح مقنع جلد ۲ ص ۱) یعنی اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نماز بھی سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے تو وہ ناقص ہو جاتی ہے مگر ہاں یہ کہ امام کہہ چکے ہو باقی ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص کا مستحب اسم ربك الرحمن کی قرأت کرنا تو اس حدیث کا سیاق ہی بالکل الگ اور جدا ہے۔ وہاں ان بعض کم خالجنیہا کے الفاظ موجود ہیں (دیکھئے مسلم جلد ۱ ص ۱۴۱) اس لیے خارجی اور بیرونی قرائن مہذونہ کی بجائے خود حضرت جابرؒ کا بیان اور تفسیر زیادہ قابل قبول ہے اور ان کی مرضی کے خلاف اس روایت میں قرأت کو مازاد علی القاتحہ پر حمل کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ علاوہ بریں حدیث نمبر ۲۱ میں حضرت جابرؒ کی مرفوعہ حدیث میں امر القرآن کا خاص لفظ موجود ہے جیسا کہ اپنے مقام پر آئے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

چوتھا اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی کی حدیث سورۃ فاتحہ کے بارے میں نص صریح نہیں ہے۔ اور حضرت عبادہ بن الصامت کی روایت سورۃ فاتحہ کے بارے میں نص صریح ہے لہذا حضرت عبادہ کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۹۵)

جواب: حضرت عبادہ الصامت کی روایت جو صحیح اور صریح ہے وہ صرف امام اور منفرد کے حق میں ہے۔ اس کا مقتدی سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ بیان ہو گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اور جو روایت حضرت جابر رضی کی ہے، وہ مقتدی کے حق میں ہے۔ اور حضرت جابر رضی کی اپنی صریح اور صحیح روایت میں مذکور ہے کہ قرأت سے سورۃ فاتحہ کی قرأت مراد ہے، علاوہ انہیں لفظ قرآنہ مصدر ہے جو مضاف ہے اور عربی کے طے شدہ قاعدہ کے لحاظ سے یہ سورۃ فاتحہ اور غیر فاتحہ ہر قسم کی قرأت کے تحت شامل ہے۔ چنانچہ امیر سیانیؒ لکھتے ہیں کہ لان لفظ قرآنہ الامام اسلم جنس مضاف یعم کل ما یقراۃ الامام (سبل السلا جلد ۱ ص ۲۶۲) ہے شک لفظ قرآنہ الامام اسم جنس ہے جو مضاف ہے اور یہ ہر اس قرأت کو عام ہے جو امام پڑھتا ہو۔ اور نواب صاحب لکھتے ہیں کہ زیر کہ مصدر مضاف یکے از صیغ عموم باشد کہما تقریبی الاصول و قرآنہ الامام دریں جا مصدر مضاف واقع شدہ پس شامل جمیع قرأت امام باشد و ایں عموم مخصوص است باحدیث صحیحہ مثل حدیث عبادہ رضی۔ الخ (دلیل الطالب صفحہ ۲۹) لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے حوالہ سے آئے گا کہ حضرت عبادہ کی خلف الامام کی قید سے کوئی رواایت صحیح نہیں لہذا تخصیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور مؤلف خیر الکلام ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان آثار میں فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے اور قرأت فاتحہ ہی سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۱) الخ اور حضرت جابر رضی کی رواایت کو سورۃ فاتحہ کے بارے میں غیر صریح گنا ثابت شدہ حقائق سے چشم پوشی کرنا ہے۔ یہی حضرت جابر رضی کی خلف الامام کی قید اور مضمون سے روایت تو اپنے مقام پر پوری تفصیل آئیگی کہ ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ اندر میں حالات حضرت جابر رضی کی حدیث کا حضرت عبادہ رضی کی حدیث سے تعارض قائم کر کے ثانی کو اول پر ترجیح دینا صرف تسکین قلب کا سامان ہے اور بس۔

پانچواں اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث من کان له امامہ
فقراً الا ما رے سے تو نفس کفایت ہی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ حنفیہ امام کے پیچھے قرأت
کی ممنوعیت اور حرمت بھی ثابت کرتے ہیں۔ (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

جواب: قرأت خلف الامام کی ممنوعیت اور حرمت کے صرف حنفیہ ہی قائل
نہیں، بلکہ جمہور اہل اسلام ان کے ساتھ ہیں خصوصاً جہری نمازوں میں جس کی پوری تحقیق گذر
چکی ہے اور جمہور اہل اسلام عموماً اور حنفیہ نے خصوصاً یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ ہم نفس کفایت
حرمت اور ممنوعیت وغیرہ سب کچھ اس ایک روایت ہی سے ثابت کرتے ہیں؟
نفس کفایت اس روایت سے معلوم ہو گئی اور فریق ثانی کی یہ رٹ تو باطل ہو گئی کہ جو شخص
امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے
اور باطل ہے۔ باقی یہی ممنوعیت اور حرمت وغیرہ تو دیگر احادیث سے اور قرآن کریم کی
نص فاستمعوا وانصتوا اور حدیث واذا قرأ فانصتوا وغیرہ سے ثابت ہے کیونکہ صیغہ
امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کے امر کی مخالفت حرام بھی ہے اور ممنوع بھی جیسا کہ پہلے نواب صاحب کے حوالہ سے یہ
بات ثابت کی جا چکی ہے۔

چھٹا اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم
ہوتا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی
حالانکہ احناف کہتے ہیں کہ اگر کچھ بھلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو۔ تو نماز جائز ہے۔
تو حنفیہ کا عمل بھی حدیث جابر پر نہ ہوا۔ (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

جواب: مبارک پوری صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لیے بعض فقہائے
کرام کی عبارتیں بھی نقل کی ہیں لیکن کیا مولانا کو یہ معلوم نہیں کہ جتنی حدیثیں آں حضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں ہر ہر حدیث آپ کی فرمودہ نہیں ہے۔
اور نہ عملی طور پر آپ سے ثابت ہے، بلکہ ان میں بہت حدیثیں جعلی، خانہ ساز، ضعیف،
شاذ، منکر اور معلول وغیرہ سبھی کچھ موجود ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نہ توفیق حنفی

کی ہر ہر چیزتی امام ابوحنیفہؒ کی فرمودہ ہے اور نہ ہر ہر چیزتی قابل عمل ہے اور مجتہد کا مصیب اور غلطی ہونا اس پر مستزاد ہے۔ پھر بعض فقہار کی غیر معصوم آرا کو حتیٰ اور ضروری سمجھ کر تمام احناف کا مسلک بتانا اور پھر اس پر اعتراض کی بنیاد رکھنا محض باطل اور مردود ہے۔ اور اگر بعض نے ایسا لکھا ہے تو اس کو سہو نسیان پر حمل کرنے کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا اور احکام عمد و سہو میں فرق مخفی نہیں ہے۔ (دیکھئے بدور الابدۃ وغیرہ) لیکن مسئلہ زیر بحث میں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت منقول ہے کہ پچھلی دونوں رکعتوں میں قرأت سورۃ فاتحہ ضروری ہے اور اسی روایت کو حافظ ابن ہمامؒ نے پسند کیا اور ترجیح دی ہے (فصل الخطاب) اور حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ ابن ہمامؒ اور علامہ بدر الدین عینیؒ (وغیرہ) نے ثمر افعال ذلک فی صلواتک کلام کی حدیث سے پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے وجوب پر استدلال کیا ہے (فیض الباری جلد ۲ ص ۲۰۰) اور نیز علامہ سندھی حنفیؒ (المتوفی ۱۱۴۰ھ) اسی حدیث سے ہر ایک رکعت میں وجوب سورۃ فاتحہ پر احتجاج کرتے ہیں (سندھی علی البخاری جلد ۱ ص ۱۰۰) اور اسی طرح دیگر محققین علماء احناف بھی پچھلی دونوں رکعتوں میں قرأت سورۃ فاتحہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لہذا مبارکپوری صاحبؒ کا قیاس ساقط الاعتبار ہے جملہ علماء احناف پر یہ اعتراض تو ہرگز وارد نہیں ہو سکتا۔ البتہ مبارکپوری صاحبؒ کا مقتدی کو اللہ تعالیٰ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ الْآیۃ پڑھنے کا حکم دینا (دیکھئے ابکار المنیٰ ص ۱۱۶ وغیرہ) یقیناً حدیث (وَقَرَأَ بَشِیْءٌ مِّنَ الْقُرْآنِ کَیْفَ لَیْسَ) سا تو اں اعتراض مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس حدیث فقرۃ الامام لہ میں لفظ کی ضمیر حرف من کی طرف نہیں لوٹتی بلکہ یہ ضمیر الامام کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں حدیث کا معنی یہ ہو گا کہ جس شخص نے امام کی اقتدا کی۔ تو امام کی قرأت صرف امام کے لیے ہے یعنی مقتدی کو اپنی الگ اور جدا قرأت کرنا ہوگی۔ (بعضہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۹)

جواب : یہ اعتراض یا بزم خود جواب محض بیہودہ اور لغو ہے : اولاً۔ اس لیے کہ مؤلف ص ۱۰۵ مسلم جلد ۱ ص ۱۰۵ اور نسائی جلد ۱ ص ۱۰۵ وغیرہ میں مروی ہے۔

۱۔ یہ قاعدہ ہدایت الخ ص ۱۰۵ کافیہ ص ۱۰۵ جامی ص ۱۰۵ مفصل ص ۱۰۵ رضی جلد ۱ ص ۹۷۔ متن متین جلد ۱ سوال کاہلی ص ۱۰۵ اور سوال باسولی وغیرہ نحو کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

نجات کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جب جملہ خبر واقع ہو تو لابدی ہے کہ اس جملہ میں ربط پیدا کرنے والی کوئی چیز ہو مظهر ہو یا ضمیر جو مبتدا کی طرف راجع ہو، عام اس سے کہ مذکور ہو یا مقدر اس حدیث میں من کان له امام حرف من مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اور جملہ فقہاء الامام له قرأۃ اس کی خبر ہے جو جزاء پر مشتمل ہے۔ اگر لہ کی ضمیر حرف من کی طرف راجع نہ ہو تو مولانا مبارکپوری صاحب اور ان کے اتباع ہی یہ ارشاد فرمائیں کہ من کی طرف کوئی ضمیر راجع ہوگی یا ربط پیدا کرنے والی یہاں کیا چیز ہے؟ کیا علم نحو فریق ثانی سے اتنا مرعوب یا ان کا اتنا خیر خواہ ہے کہ اس کو یہاں اپنا عمل کرنے کی توفیق ہی نہیں اور نہ اس میں اس کی ہمت اور جرات قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیے کہ مبارکپوری صاحب (مع اپنے اتباع کے) کیسے جگر اور دل کے مالک ہیں کہ حضرات محدثین کرام کے تمام طے شدہ اصول اور ضوابط کو روندتے آئے ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اور ابھی ۔

ابتداءً عشق ہے روتا ہے کب آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کب

اور ان کی یہ ستم ظریفی بھی دیکھئے کہ وہ کس بے جگری کے ساتھ گریز اور نحو کے مسلمات کو بھی پامال کرتے جا رہے ہیں جن کے تسلیم کرنے میں غیر مسلموں اور دہریوں کو بھی تاثر نہیں ہوا۔ مؤلف خیر الکلام ص ۴۹۵ میں لکھتے ہیں کہ بلکہ ضمیر مقدر بھی ہو سکتی ہے جیسے اَلْبُؤْمُنُوْنَ بِدُرِّهِمْ۔ الخ الجواب: بے شک مقدر بھی ہو سکتی ہے۔ مگر وہاں جہاں ظاہر اور مذکور نہ ہو یہاں مقدر ماننے کا کون سا داعیہ ہے جبکہ ضمیر ظاہر موجود ہے؟ باقی علامہ ابوالحسن حنفی سندھی کے حاشیہ ابن ماجہ ص ۴۵ کے حوالہ سے جو عبارت مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۹۴ میں اپنی تائید کے لیے نقل کی ہے۔ قِيلَ يَحْتَمِلُ .. الخ تو لفظ قیل سے علامہ موصوف نے اس کی تخریض اور تضعیف کر دی ہے کیونکہ عموماً یہ لفظ قرض کے لیے آتا ہے نہ وہ اس تاویل پر راضی ہیں اور نہ یہ ان کا اپنا قول ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۹۴ میں یہ لکھ کر علامہ ابوالحسن حنفی نے بھی ضمیر مقدر نکالی ہے راہ فرار اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صحیح بات سمجھنے کا سلیقہ عطا فرمائے۔

دو ثانیاً۔ چونکہ فریق ثانی کا عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ ہے (اور ان کے زعم میں دوسرے لوگ جو ان سے اختلاف رائے رکھتے ہیں صرف فقہ اور اماموں کے قول سے احتجاج کیا کرتے

ہیں) اس لیے بطور نمونہ صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس خود ساختہ قاعدہ کے تحت ان کا مطلب ہمیں بھادیا جائے :

(۱) من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته (بخاری وغیرہ) آپ کے اس قاعدہ کے رُوسے اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہی حاجات پوری کرتا رہتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۲) من فرح عن مسلم كربة فرح الله عنه (بخاری وغیرہ) آپ کے اس قاعدہ کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے مصائب دور کرتا ہے (عیاذ باللہ تعالیٰ)

(۳) من بنى لله مسجداً بنى الله له بيتاً في الجنة (متفق علیہ) آپ کے گھر پر ضابطہ کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ) (من عادی لی ولیا فقد ابدتہ بالحرب۔ (صحیحین) آپ کے خود ساختہ قانون کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو جنگ کرنے کا چیلنج کرتا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اسی طرح من كان لله كان الله له ، اور من كان لله واليوم راؤنظر لعلیكم خيفة اور من كنت مولاه فعلى مولاه وغیرہ وغیرہ سینکڑوں حدیثیں ایسی ہیں جن میں اس خانہ ساز قاعدہ کو جاری کرنے کے بعد نہ توحید باقی رہ سکتی ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ اور برائے ثابت ہو سکتی ہے اور اسی طرح اسلام کے دیگر اہم مسائل کا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اس فصیح العرب والعم کی ذات گرامی کی طرف ایسے مہمل احکام منسوب ہوتے ہیں جن کی فصاحت و بلاغت مسلم چلی آتی ہے کہ نہ تو آج تک آپ اس فن میں کوئی نظیر پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آٹھواں اعتراض: بعض نہایت سطحی قسم کے دوست یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر امام کی قرأت مقتدیوں کے لیے کافی ہے۔ تو مقتدیوں کو رکوع، سجود اور تشہد وغیرہ امور ادا کرنے اور تسبیحات پڑھنے کی بھی ضرورت نہ ہونی چاہیے کیونکہ امام ہی سب کچھ کرتا رہے گا بلکہ لوگوں کو اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھا رہنا چاہیے۔ امام خود سب کچھ ادا کرتا رہیگا۔ (ایک صاحب)

جواب: امام مقتدی کی طرف سے صرف قرأت قرآن میں کفایت کرتا ہے جیسا کہ آیت اذا قرأ القرآن... الآية اور حدیث واذا قرأوا من القرآن صلوٰۃ وغیرہ دلائل بسط اور تفصیل کے ساتھ

پہلے نقل کئے جا چکے ہیں اور نواب صاحب کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ مقتدی کو ممانعت صرف قرأت کی ہے اور حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب امام بکیر کے تو تم بھی کہو۔ جب وہ رکوع اور سجود وغیرہ کرے تو تم بھی کرو۔ ہاں مگر جب امام قرأت شروع کرے۔ تم خاموش رہو۔ اس لیے باقی امور کو قرأت پر قیاس کرنا مع الفارق ہونے کے ساتھ نص کے مقابلہ میں ہے جو ہر طرح سے مردود ہے۔ بہر حال حضرت جابر کی یہ مرفوع حدیث سنداً و معنیً بالکل صحیح ہے اور جہور کی دلیل اور حجت ہے البتہ حقائق سے چشم پوشی کرنے کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

نواں اعتراض: مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ امام کی قرأت کا ثواب مقتدی کو ملتا ہے۔ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی فرماتے ہیں کہ امام کی قرأت کا مقتدی کے لیے حکمی قرأت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ شارع نے مقتدی کو امام کی قرأت سے قاری کے حکم میں کیا ہے اور اس کو اس کا ثواب عطا کیا ہے (عمدة القاری جلد ۱ ص ۱۲۱) جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص مسجد میں بیٹھ کر نماز کا منتظر ہو وہ نماز میں ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ یہ حدیث قرأت خلف الامام کے منافی نہیں۔ (۱) (محصلة ص ۱۲۹، ص ۱۳۰)

الجواب: یہ سب کچھ قلب فہم کا نتیجہ ہے، مولانا عبدالحیؒ نے بحوالہ علامہ عینیؒ اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ حیثاً اور ظاہراً تو امام قرأت کرتا ہے پھر اس کی قرأت کو مقتدی کی قرأت کیوں قرار دیا گیا ہے جواب یہ دیا کہ جتنا ثواب امام کو ملے گا شریعت نے اتنا ہی ثواب مقتدی کے لیے بیان کیا ہے کہ اگرچہ وہ خاموش بھی رہے گا۔ (جیسا کہ ما زاد علی الفتح میں وہ خاموش رہتا ہے) تب بھی اس کو پورا ثواب ملے گا نہ یہ کہ وہ پیچھے پڑتا بھی رہے جیسا کہ منتظر صلوٰۃ کو نماز کا ثواب ملتا ہے یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ بیٹھا بھی رہے اور ساتھ ہی وہ رکوع و سجود وغیرہ کی حرکات بھی کرتا رہے یہ تو دو متضاد چیزیں ہیں یہ بھلا کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ ہاں جس طرح منتظر نماز کو اپنے وقت میں حکمی نماز کا ثواب ملتا ہے اور جب وہ دوسرے موقع پر نماز ادا کرے گا تو اس کو حقیقی نماز کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح نمازی کو بحالت اقتدار حکمی قرأت کا ثواب ملتا ہے اور فراغت امام کے بعد جب بیسوق اپنی قرأت کرے گا یا وہ منفرد ہو کر نماز پڑھیں گا تو اس کو حقیقی قرأت کا ثواب ملے گا اگر یہ مطلب نہ لیا جائے تو حکمی نماز کے

ساتھ تشبیہ اور تنظیر درست نہیں ہے کیونکہ حقیقی اور محکم نماز دو الگ الگ حالتوں میں ہوتی ہے۔ کیا (لا یخفی)۔

بارھویں حدیث :

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسودؒ بن عامر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حسن بن صالحؒ نے بیان کیا اور وہ ابو النضرؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابرؓ سے، وہ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَ الْإِمَامُ لَهُ قُرْآنًا
يَعْنِي جَسَدِي نَعَى إِمَامًا أَقْدَامُ كَرِيهُتُ إِمَامًا كِي
قُرْآنِي مَقْدَمِي كِي قُرْآنِي هَيْتُ۔

۱۔ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور احادیث کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۵ ص ۳۲۵) امام ابن معینؒ ان کو لا باس بہ اور ابن مدینیؒ ان کو ثقہ اور ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور صالح اور ابن سعدؒ ان کو صالح فی الحدیث کہتے ہیں۔ اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۴۳) اور حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تقریب) ۲۔ علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور القدوہ لکھتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو ثقہ حافظ اور متقن کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۵ ص ۳۲۵) امام احمدؒ ان کو ثقہ اور ابن معینؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، امام ابو زرہؒ ان کو متقن فقیہ عابد اور زاہد کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، ابن سعدؒ ان کو فقیہ، محبت، صحیح الحدیث اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ دارقطنیؒ ان کو ثقہ اور عابد کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۸۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ فقیہ اور عابد تھے (تقریب ص ۸۵)۔

۳۔ ابو النضرؒ کا نام محمد بن مسلم بن تدریس تھا۔ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور اکثر لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۵ ص ۱۱۹) امام ابن معینؒ، نسائیؒ اور یحییٰ القطانؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، یعقوب بن شیبہؒ ان کو ثقہ اور صدوق اور ابن مدینیؒ ان کو ثقہ اور ثبت اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ محدث ساجیؒ کا بیان ہے کہ وہ احکام میں محبت تھے (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۴۳) عطاء بن ابی رباحؒ کا بیان ہے کہ جب ہم حضرت جابرؓ سے احادیث کی سماعت کر کے واپس آتے اور آپس میں مذاکرہ اور تکرار کرتے تو ابو النضرؒ حفظ روایات اور ان کی ادائیگی میں ہم سب مہمت لے جاتے تھے (ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۳ و مسند دارقطنی ص ۲۹) لکھ یہ روایت مسند احمد جلد ۲ ص ۳۳۴، شرح معنیٰ لکبیر علیہ ص ۲۷، فتح الملام جلد ۲ ص ۲۲۲ اور بغیۃ اللامعی جلد ۲ ص ۲۷ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔

اس حدیث کا مطلب اور مفہوم بھی بلکہ من وعن الفاظ بھی وہی ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں اور یہ روایت سابق کی طرح اس بات پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اس روایت کے جملہ روایات ثقہ اور ثبت ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس سند پر فریق ثانی کی طرف سے کوئی اعتراض راقم کی نظر سے نہیں گذرا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابوالزبیر مدلس تھے اور وہ اس روایت کو غنہ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن یہ سوال باطل ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ جہور محدثین ابوالزبیرؒ کی معنی حدیثوں کو صحیح سمجھتے ہیں (زاد المعاد جلد ۲ ص ۶۵)۔

و ثانیاً۔ پچھلے قیاسیہ النظر کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ ابوالزبیرؒ کا شمار ان مدلسین میں ہے جن کی تدلیس کسی صورت میں ضرر نہیں ہے۔ ایک سند یوں آتی ہے عن ابی الزبیر عن سعید بن جبیرؒ... کہ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں۔ هذا اسناد صحیح (جلد ۱ ص ۱۳۳) امام دارقطنیؒ ان کی معنی سند کو بھی صحیح کہتے ہیں۔

و ثلثاً۔ حضرت عبداللہ بن شدادؒ وغیرہ ان کے ثقہ متابع موجود ہیں۔ بہر حال یہ روایت متصل اور صحیح ہے، اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حافظ شمس الدینؒ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں۔ وهذا اسناد صحیح متصل رجالہ کلہم ثقات۔ کہ یہ سند صحیح اور متصل ہے اور اس کے تمام راوی (شرح معجم للکبیر جلد ۲ ص ۲۷۸ بحاشیہ معنی) ثقہ ہیں۔

حافظ شمس الدینؒ کا ترجمہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے اور علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۶۷) مؤلف غیر الکلام نے ص ۲۶۷ و ص ۲۶۸ میں دارقطنیؒ اور بیہقیؒ کی روایتوں کا سہارا لے کر حسن بن صالحؒ اور ابوالزبیرؒ کے درمیان جابرجی کا واسطہ بتایا ہے مگر مسند احمد کی سند میں کوئی واسطہ نہیں اور یہ روایت صحیح اور متصل ہے جیسا کہ ابھی ابن قدامہؒ کے حوالہ سے عرض ہو چکا ہے۔

تیسرے حدیث: امام ابن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے مالک بن اسماعیلؒ نے بیان کیا وہ حسنؒ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ، عظیم النظر، الثبت اور انحریر لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۷۸) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ باقی حاشیہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ لکھتے۔

بن صالحؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابو الزبیرؒ سے اور وہ حضرت جابرؓ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کل من کان له امام فقرأتہ لہ قرأۃ۔

(الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۵۹)

ہر وہ شخص جس نے امام کی اقتدار کر لی ہو تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ اس روایت کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں، علامہ مارینیؒ فرماتے ہیں: ہذا سند صحیح (الجوہر النقی) کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔ چودھویں حدیث: امام عبد الرحمنؒ بن حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو نعیمؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن بن صالحؒ نے بیان کیا وہ ابو الزبیرؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابرؓ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

من کان له امام فقرأتہ الامام قرأۃ کہ جس کا امام قرأت کرتا ہو تو اس کے امام کی قرأت ہی اس مقتدی کی قرأت ہے۔

یہ روایت بھی صحیح ہے، علامہ آلوسیؒ اس کو علی شرط مسلم صحیح کہتے ہیں (روح المعانی جلد ۱ ص ۱۳۸)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ دیکھیں) میں کہ وہ احمد الاہلوم ومن ائمتہ الاسلام تھے اور فرماتے ہیں کہ انھوں نے مصنف نامی ایک کتاب لکھی ہے نہ ان سے چلے کسی نے ایسی کتاب لکھی ہے اور نہ بعد (البیاض جلد ۱ ص ۳۱۵) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ اور حافظ کہتے ہیں۔ (تقریب ص ۲۱۳)

۱۔ اچھا صفحہ) علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور اچھے کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۲) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ اور متقن کہتے ہیں (تقریب ص ۲۳۴) امام نسائیؒ، حنفیؒ، ابو حاتمؒ اور یعقوب بن شیبہؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن جابرؒ اور ابن شاذانؒ ان کو ثقہات میں لکھتے ہیں۔ عثمان بن ابی شیبہؒ ان کو صدوق، ثبت، متقن اور امام الائمہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۰۸) باقی روایت کی توثیق گزر چکی ہے۔

۲۔ علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور حافظ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حکان من الائمة الثقات (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۰۸) ان کی وفات ۲۲۹ھ میں ہوئی ہے۔

۳۔ ان کا نام فضل بن دکیہؒ تھا۔ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور الثابت کہتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۳۳۳) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۲۱۳) باقی روایت کا ترجمہ پچھلے گزر چکا ہے۔

۴۔ یہ روایت ابو ہریرہؓ جلد ۲ ص ۱۵۹، فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۶۹، شرح نقایہ جلد ۱ ص ۱۵۹ اور روح المعانی جلد ۲ ص ۱۵۹ وغیرہ میں موجود ہے۔

اعترض: مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ مسند عبد بن حمید کے قلمی نسخہ جلد ۲۲ میں (جو مولانا شمس الحق کے کتب خانہ میں موجود ہے) حسن بن صالح کے بعد جابر جعفی کا نام موجود ہے۔ اور جابر مذکور ضعیف تھا۔ کیونکہ بعینہ روایت دارقطنی جلد ۲۱ اور کتاب القراءة ص ۱۱ میں مذکور ہے اور ان میں ایسا ہی لکھا ہے۔ لہذا یہ روایت کمزور ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۱)

جواب: نہ معلوم مبارکپوری صاحب نے اسے زود فراموش کیوں واقع ہوئے ہیں؟۔

تمہیں عادت ہے بھول جانے کی

اگر کاتب کا قلم مسند احمد بن حنبل کے نسخہ میں عن جابر کا جلد زیادہ لکھ سکتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ عبد بن حمید کے قلمی نسخہ میں جابر جعفی کا جلد نہیں لکھ سکتا؟ وہ کوئی بڑا منطقی اور فلسفی قلم ہے۔ کہ بظاہر مطبوعہ نسخوں میں تو کام کر سکتا ہے لیکن زاویہ غول میں ٹپسے ہوئے قلمی نسخہ میں غبور و لاچار ہو کر رہ جاتا ہے؟ وہ قلم تھا یا کسی یونیورسٹی کا ماہر پروفیسر تھا؟ کیا بعید ہے کہ وہ قلم نصر بن ہریرہ جو مبارکپوری صاحب کی بگڑی ہوئی قسمت کو سنوارنے کے لیے پھر ایک مرتبہ چل پڑا ہو؟

حافظ شمس الدین ابن قدامہ کے حوالہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ حسن بن صالح کی ابو الزبیر سے روایت کو متصل بیان کرتے ہیں اور اس کی تصریح کرتے ہیں والحسن بن صالح ادرك ابا الزبير (جلد ۲ ص ۱۱) کہ حسن بن صالح نے ابو الزبیر اور ان کے زمانہ کو پایا ہے۔ اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے (جیسا کہ مسلم شریف کے مقدمہ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے) کہ جہور محدثین کے نزدیک اتصال سند کے لیے امکان لقار کافی ہے۔

حسن بن صالح کی ولادت ۱۰۰ھ میں ہوئی ہے اور ابو الزبیر کی وفات ۱۶۸ھ میں (دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۱ وغیرہ) اگر اٹھائیس سال کے اس طویل عرصہ کے اندر بھی امکان لقار ثابت نہیں ہو سکتا اور سند متصل نہیں ہو سکتی تو سرے سے فن روایت اور حدیث کا ہی انکار کر دیکھئے اور منکرین حدیث کی طرح یہ کہتے ہوئے حدیث سے سبکدوشی اختیار کر لیتے کہ۔

یہ اہم روایات میں کھو گئی

حقیقت خرافات میں کھو گئی

مؤلف خیر الکلام ص ۱۱۸ میں لکھتے ہیں کہ مگر حدیث کے فن کی بنیاد ہر جگہ امکان پر نہیں ہوتی اس

میں وقوع کو بھی دیکھا جاتا ہے۔۔۔ الخ

الجواب : یہی وہ غیر صحیح نظریہ ہے جس کو امام مسلم نے صحیح کے مقدمہ میں پُر زور الفاظ سے رد کیا ہے اور اتصال سند کے لئے غیر مدلس میں امکان لقا کو کافی سمجھا ہے اور یہی نظریہ جمہور محدثین کرام نے اپنا یا ہے۔ علاوہ انہیں خود مؤلف تہذیب الکلام ص ۲۱۳ میں لکھتے ہیں کہ کیونکہ صحت حدیث کے لیے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے۔ عدم ثبوت نفی لازم نہیں آتی۔ اہ بلقظم اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں خواہ مخواہ دوسرے کی معقول بات کو توڑ مروڑ دینا کہاں کا انصاف ہے؟

علاوہ انہیں امام احمد ابو بکر بن ابی شیبہ شمس الدین بن قدامہ حافظ مزیٰ علامہ ماری بنیٰ حافظ ابن ہمام ملا علی قاری اور علامہ آلوسی وغیرہ یہ سند اسی طرح نقل کرتے ہیں عن حسن بن صالح عن ابی الزبیر۔۔۔ الخ اور اس میں جابر جعفی کا ذکر تک نہیں کرتے۔ مگر شومی قسمت کا کیا کہنا کہ ان کو نہ تو قلمی نسخہ دستیاب ہو سکا ہے اور نہ مہربان قلم مل سکا ہے۔ ورنہ ذرا سی جھیش ان کے لیے بھی کر ہی گذرتا۔ ع

گلاب نیر زبانیے و بیانیے وار د

رہا دارقطنی اور بیہقی کی سند میں حسن بن صالح اور ابو الزبیر کے درمیان جابر جعفی کا واقع ہونا تو یہ اس پیش کردہ سند کے عدم اتصال کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ حسن بن صالح نے یہ روایت براہ راست ابو الزبیر سے بھی سنی ہو۔ اور جابر جعفی سے بھی سنی ہو۔ کیسے وقت وہ ابو الزبیر سے روایت بیان کرتے ہوں گے اور کسی وقت جابر جعفی سے یا یوں کہ لیجئے کہ

۱۔ باقی حضرات کے حوالے اور ان کے تراجم آپ پچلے پڑ چکے ہیں، حافظ مزیٰ نے اپنی کتاب اطراف میں یہ سند یوں ہی نقل کی ہے اور اس میں جابر جعفی کا ذکر نہیں ہے۔ (دیکھئے الجواب النقی جلد ۲ ص ۱۵۹) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ حال الدین ابو الحجاج یوسف بن الزکی المزی (المتوفی ۴۲۷ھ) عالم، الحبر، الحافظ، الادب، محدث، انشام، ثقہ، مجتہد اور کثیر العلم تھے۔ نیز لکھتے ہیں کہ طبقات رجال اور معرفت روایت میں کسی کسی آنکھ نے ان کا نظیر نہیں دیکھا ہو گا (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۱۷) علامہ ذہبی اور حافظ ابوبکر کیرہ کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے : ع

جب صحت حدیث کا خیال ہو گیا ہو تو اس وقت ابو الزبیر کا طریق بیان کرتے ہوئے اور جب محض روایت پیش کرنا ہی مد نظر ہوتا ہو تو اس وقت وہ جابر جعفی کی سند روایت بیان کرتے ہوئے اور فی حدیث میں اسکی بکثرت مثالیں موجود ہیں اور علماء اصول اسکا اپنی اصلاح میں المیزان فی متصل الامانیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اگر بعض طرق میں روایت ہو اور مروی حدیث کے درمیان زائد راوی آجائے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ جس طریق میں زائد راوی کا تذکرہ نہیں ہوا۔ وہ منقطع ہو یا اس سے عدم تقارن ثابت ہو (دیکھئے شرح شجرۃ الفکر ص ۴۵ وغیرہ) حضرت مولانا محدث محمد حسن صاحب فیض پورئی لکھتے ہیں کہ ابو الزبیر سے ذیل کے حضرات روایت کرتے ہیں۔ الحسن بن صالح جیسا کہ مسند احمد وغیرہ کا حوالہ ہم نے دیا اور ایوب السختمانیؒ بھی۔ (موطاء امام محمد و کتاب القراءۃ) اور عبد اللہ بن لہیعہ بھی (کتاب القراءۃ) اور الفضل بن عطیہ (کتاب القراءۃ) اور جابر جعفی اور لیث بن ابی سلیم بھی (طحاوی جلد ۱۸ و دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۶) (الدلیل البین ص ۲۶) اگر مبارک پوری صاحب اس پر بضد ہیں کہ کاتب صاحب کی غلطی ہی تسلیم کی جائے تو تب ہی دل کو تسکین ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ تو لیجئے ہم ان کی اس ضد کو بھی مان لیتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اصل عبارت یوں ہو:

عن الحسن بن صالح وعن جابر الجعفی... ثم مطلب یہ ہو کہ ابو نعیم نے حسن بن صالح اور جابر جعفی دونوں سے روایت کی ہو، لیکن کاتب سے قلمی نسخہ میں صرف حرف واؤ چھوٹ گیا ہو، کیونکہ واؤ کا کتا بہت میں چھوٹ جانا بہت آسان ہے۔ یہ نسبت اس کے کہ کسی دیانت دار کاتب قلم عن جابر زیادہ لکھ دے۔ اگر کاتب کی غلطی کی تو جہد و تاویل ہی معتبر ہو سکتی ہے تو یوں کیوں نہ ہو جائے؟ بلکہ ابن ماجہ ص ۱۱ کے بعض نسخوں میں اصل عبارت ہی اسی طرح ہے جس طرح ہم نے تحریر کی ہے۔ عن الحسن بن صالح وعن جابر... الخ اور مولف خیر الکلام نے ص ۴۸ میں اس کو دینی زبان سے تسلیم کیا ہے۔

پندرہویں حدیث: امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم سے امام ابو حنیفہؒ نے بیان کیا فرماتے ہیں کہ ہم سے موسیٰ بن ابی عائشہؒ نے بیان کیا۔ وہ عبد اللہ بن خذافہؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابرؒ سے، انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من کان لہ امام فقلۃ (امام لہ قراءۃ) (موطاء امام محمد ص ۹) کہ امام کا پڑھنا ہی مقصدی کو کافی ہے اور بس، اس پر

ایک قرأت نہیں ہے۔ یہ روایت کتاب آثار ابی یوسفؒ میں اور طحاوی جلد ۱۱ اور کتاب آثار لمحمدؒ میں بھی ہے
مؤلف خیر الکلامؒ میں لکھا ہے کہ محدثین کہتے ہیں اس میں امام ابو حنیفہؒ نے غلطی سے جابر کا لفظ پڑھا دیا۔

الجواب: امام ابو حنیفہؒ اور ثبت ہیں اور دیگر تہذیبی بھی اس حدیث کو اس طرح بیان کرتے ہیں، اس تردد کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ہاں البتہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ سے تعصب اور عناد کا کوئی علاج نہیں ہے اور اس متعصبانہ انداز سے امام صاحبؒ کی جلالت اور حدیث کی صحت پر کوئی زد نہیں آتی۔

سولہویں حدیث: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسرائیلؑ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے موسیٰ بن ابی حاشم نے بیان کیا۔ وہ عبد اللہ بن شدادؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں:

اُمّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العصر۔ کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصر کی نماز میں

قال فقرا رجل خلفه فغمزه الذی یلیہ فلما امامت کرائی اور ایک شخص نے آپ کے پیچھے قرأت کی جو غازی

ان صلی قال لم غمزتینی؟ قال کان رسول اللہ اس کے ساتھ کھڑا تھا اس نے اس کا بدن ذرا دبا دیا تاکہ

صلی اللہ علیہ وسلم قد املک فکرمھت ان تقرأ وہ قرأت سے باز آ جائے۔ جب نماز ادا ہو چکی تو اس نے

خلفه فغمزه الذی یلیہ وسلم فقال کہ تم نے مجھے کیوں ٹھٹھایا اور دبا دیا تھا؟ منع کرنے والے

من کان لہ امام فان قرأ لہ قرأ۔۔۔۔۔ نے کہا کہ چونکہ حضورؐ کے قرأت کرتے تھے میں نے مناسب

(موطأ امامہ محققہ میں) سمجھا کہ تم بھی قرأت کرو، اپنے ساتھ اور اس کو دبا دیا کہ امام کا ٹھٹھانا

اس روایت کے تمام احادیث کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور گو اس میں حضرت جابرؓ کا ذکر نہیں لیکن اس میں کوئی ہرج

نہیں ہے۔ اولاً۔ اس لیے کہ حضرت عبد اللہ بن شدادؒ خود صفا صحابہ میں تھے۔ اور حضرت صحابہ کے مرسل لا اتفا

جحت ہیں۔ وثانیاً۔ ویسے بھی کبار تابعین کے مرسل صحیح اور حجت میں جیسا کہ نقل کیا جا چکا ہے۔

وثالثاً۔ ہم نے یہ روایت پہلی روایت کی تائید میں پیش کی اور مرسل مقصد کے

لہ امام محمدؒ: مؤلف خیر الکلامؒ میں لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام نسائیؒ وہ ذیخو نے امام محمدؒ کو حافظہ کی بنا پر

کمزور قرار دیا ہے۔ (محصلاً)

الجواب: مؤلف خیر الکلامؒ میں لکھتے ہیں کہ جرح کرنا اہل کفایت اور متقدم ہو، تو اس کی توثیق تو معتبر ہے مگر

پھر لگے لکھتے ہیں کہ متقدمین میں ابو حاتمؒ نسائیؒ ابن حنینؒ ابن قطانؒ کو شمار کرتے ہیں۔ بالقطم۔ لہذا امام نسائیؒ کی جرح

کا کوئی اعتبار نہیں اور امام محمدؒ تقریباً جیسا کہ اجتہاد کے سبب میں باحوالہ ان کی توثیق نقل کر دی گئی ہے۔

جنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

مؤلف غیر الکلام جلد ۴۸۹ میں لکھتے ہیں کہ محدثین کا خیال ہے کہ یہ حدیث مرسل ہونے اور امام محمدؒ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

الجواب: ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ جمہور محدثین کے نزدیک مرسل صحیح ہے اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ امام محمدؒ ثقہ ہیں اور امام نسائی متعنت ہیں۔ ان کی جرح کا اعتبار نہیں، امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

ولنا ما رواه الزماہر احمد عن وكيع
عن سفیان عن موسى بن ابی عائشہ عن
عبد اللہ بن شداد قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم من كان له امام فان قرأه
الا امام له قرأه۔

(معنی ابن قدامہ جلد اٹھن) امام کی قرأت اسی کی قرأت ہے۔

یہ روایت بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن شدادؒ صحابی ہیں، لہذا ان کی روایت مرسل صحابی ہونے کے اعتبار سے مرفوع ہے اور اس میں امام محمدؒ بھی نہیں ہیں جن پر فریق ثنائی ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ امام وکیع بن الجراحؒ کو علامہ ذہبیؒ الامامہ الحافظہ الثبت محدث العراق اور احمد الاثمة الاعلام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲۸۷) اور سفیانؒ اس سند میں ثوریؒ ہیں جن کا ترجمہ مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے اور بقیہ روایات کے ترجمہ میں بھی پہلے عرض کیے جا چکے ہیں۔

ایک شاہد: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابو عمرو بن حسین بن محمد بن ہشیمؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الحسن عبدالواحد بن حسن نیشاپوریؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں میں کہ ہم سے حسین بن مہان عسکریؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن حادؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے سلیمان بن سلمہؒ نے بیان کیا۔ وہ محمد بن اسحاق اندلسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے مالک بن انسؒ نے بیان کیا، وہ یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے اور

وہ سعید بن المسیب سے اور وہ حضرت نو اس بن سمان سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

صلیٰ اللہ علیہ وسلم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلوۃ الظهر وکان عن یسینی رجل من
انصار فخر خطف الذی صلی اللہ علیہ
وسلم وعلی یساری رجل من منینۃ یلعب
بالحصى فلما قضی صلوۃ قال من قرأ خلفی؟
قال انصار ہی انا یا رسول اللہ قال لا تغفل
من کان للامام فقرة الامام له قرۃ۔
(کتاب القرۃ ص ۱۳)

میں نے آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز
پڑھی میرے دائیں پہلو میں ایک انصاری آپ کے پیچھے
قرأت کر رہا تھا اور میرے بائیں پہلو میں قبیلہ منینہ کا
ایک شخص شکر یزید سے کھیل رہا تھا۔ جب آپ نماز
سے فارغ ہوئے تو فرمایا کس نے میرے پیچھے قرأت کی؟
انصاری نے کہا کہ میں نے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا
پھر ایسا نہ کرنا جو شخص امام کی اقتدا اختیار کرے تو امام کا
چمٹنا ہی مقتدی کے لیے کافی ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق عکاشی ہے۔ تو وہ
کذاب تھا ان کا نوا کا شی... الحوکتے ہیں واقعی عکاشی کذاب ہے لیکن سند میں اندلسی
کا ذکر ہے اگرچہ بعض نے عکاشی اور اندلسی کو ایک کہا ہے لیکن محدث ابن عدنی ان کو دو
بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں ہو رجل لا یعرف یعنی وہ مجہول اور مستور ہے اور حافظ ابن حجر بھی
دو ہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ والراجح التفرقة (لسان جلدہ ص ۱۶) کہ راجح بات یہ ہے
کہ دونوں الگ الگ ہیں اور مولف خیر الکلام ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ان کے بعض راوی
اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی ہرج نہیں ہے (ص ۳۱۶) اور دوسری جگہ
لکھتے ہیں کہ مستور کی روایت کو متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی ہرج نہیں ہے (ص ۲۲۵) اور یہ روایت
ہم نے بھی صرف تائید اور شاہد کے لیے پیش کی ہے تو اس میں کیا ہرج ہے؟ بہر حال ہمارا استدلال
اس روایت سے نہیں بلکہ محض شاہد کے طور پر ہم نے اس کو نقل کیا ہے۔

ان سابق پیش کردہ روایات سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کی قید کو صرف امام ابو حنیفہؒ نہیں
بیان کرتے بلکہ دوسرے ثقہ راوی بھی اس کو بیان اور نقل کرتے ہیں۔ اس شاہد کے علاوہ تین روایتیں
بند صحیح نقل کی جا چکی ہیں جن میں ظہر یا عصر کی قید موجود ہے۔ اس شاہد کو چھوڑ کر بھی امام ابو حنیفہؒ

کے علاوہ اسرائیل اور طلحہ (جو دونوں ثقہ اور ثبت راوی ہیں) اپنی روایت میں ظہر یا عصر کی نماز کا ذکر کرتے ہیں۔ لہذا جو حضرات ظہر وغیرہ کی قید بیان کرنے میں صرف امام ابو حنیفہ رحمہ کو متفرد کہتے ہیں۔ ان کی تحقیق صحیح نہیں ہے۔

ستر حویں حدیث: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو علیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن سلیمان بن الاشعثؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الملک بن شعیب بن لیثؒ بن سعدؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن دہبؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے لیث بن سعدؒ نے بیان کیا۔ وہ طلحہ سے روایت کرتے ہیں وہ موسیٰ بن ابی عائشہؒ سے، وہ عبد اللہ بن شداد بن الہاد سے، وہ

امام بیہقیؒ کا ترجمہ حوالہ میں اور حافظ ابو عبد اللہؒ اور حافظ ابو علیؒ کا باب اول میں مجاہدؒ بن جبر کے اثر کے ذیل میں اور لیث بن سعدؒ کا مقدمہ میں اور موسیٰ بن ابی عائشہؒ اور عبد اللہ بن شدادؒ کا مغرب گذرکا ہے۔ عبد اللہ بن الاشعثؒ علامہ بیہقیؒ ان کو حافظ اور ثقہ (میزان جلد ۱ ص ۴۱) اور علامہ ترمذیؒ اور قدوة الحدیث اور الحافظ الکبیر کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ من کیا الحافظ اور من ائمة الاعداء تھے (لسان جلد ۲ ص ۲۹) محمد بن خلیلیؒ کا بیان ہے کہ وہ حافظ اور امام وقتہ اور متفق علیہ تھے (ایضاً ص ۲۹) اور وہ امام ابو داؤد صاحب سنن کے فرزند ارجمند تھے۔

ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور نسائی ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، صحیح مسلم میں ان کی پچاس حدیثیں ہیں (تمذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۲۳)

علامہ بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام، الحافظ، الفقیہ اور احد الائمة الاعداء تھے۔ ایک لاکھ حدیث ان سے مروی ہے (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹) خلیلیؒ کا بیان ہے کہ وہ بالاتفاق ثقہ تھے۔ (تمذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۳)

امام احمدؒ ان کو لا بائس بہ ابن میریؒ ان کو معروف ابو زرؒ ان کو ثقہ اور ابو حاتمؒ ان کو صالح کہتے ہیں۔

امام لیثؒ ان کی تعریف کرتے تھے۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۵ ص ۱۹) حافظ ابن حجرؒ

لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۱۹) اور تمذیب التہذیب وغیرہ میں تصریح ہے کہ لیث بن سعدؒ نے

اسی طلحہ سے روایت کی ہے روای عن الثلیث... الخ اور اس سعد میں بھی لیث بن سعدؒ طلحہ

سے روایت کرتے ہیں، یہ مکہ بندی نہیں جیسا کہ مؤلف غیر الکلام نے ۳۸۵ میں یہ کہ کر جان بچھڑنے کی ناکام سعی کی ہے۔

ابو ابوبید سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى خَلْفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ يَتَقَرَّوْنَ قَائِمًا أَلَيْهِ رَجُلٌ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: أَتَلْهَانِي إِنْ أَقْرَأْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَذَكَّرَ حَتَّى سَمِعَ لِنَبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى خَلْفَ إِمَامٍ فَإِنَّ قُرْآنَهُ إِزْمَامٌ لَهُ قُرْآنًا - (كتاب القراءة ص ۱۰۲)

کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی۔ اشارہ نماز میں ایک آدمی نے اشارہ سے اس کو قرأت سے منع کیا۔ لیکن وہ قرأت سے باز نہ آیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو قرأت کر نیوالے نے منع کرنے والے کو کہا کہ تم مجھے آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت سے کیوں روکتے ہو؟ دونوں آپس میں ٹکرا کر رہے تھے کہ آپ نے ان کی گفتگو سن لی اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کو (اگر قرأت نہیں کرنی چاہیے بلکہ) امام کی قرأت ہی اس کو کافی اور پس ہے۔

اور اس روایت کا ذکر اپنی سند کے ساتھ امام ابن قتیبہ نے بھی کیا ہے مگر اس میں ظہر یا عصر کا

ذکر نہیں اور آخر میں ہے:

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ لَكَ إِمَامٌ يَقْرَأُ فَإِنَّ قُرْآنَكَ قُرْآنٌ - (مغضی ص ۱۰۲)

کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تیرا امام قرآن کر رہا ہو تو اس کی قرأت ہی تیرے لیے کافی ہے۔

اس صحیح روایت میں ظہر یا عصر کی نماز کا ذکر ہے جو بالاتفاق ستری نماز میں ہیں۔ اور آپ کے

پیچھے قرآن کر نیوالا صرف ایک شخص تھا حالانکہ حضرات صحابہ کرام میں سے جو اس طرح نماز اور جماعت کی پابندی کرتے وہ اور کئی ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی یہی دلی خواہش ہوتی تھی کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھتی جائے مگر باوجود اتنی بڑی عبت کے کثیر التعداد حضرات صحابہ میں ستری نماز میں آپ کے پیچھے قرآن کر نیوالا صرف ایک شخص ملتا ہے۔ الباقی سب خاموش رہتے ہیں۔ لیکن آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اگر امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت ہوتی خصوصاً ستری نمازوں میں تو یقیناً آپ اس کی تائید فرماتے اور قرأت سے روکنے والے کو تنبیہ فرماتے اور اگر

امام کے پیچھے قرأت کی گنجائش ہوتی خاص کر ستری نمازوں میں تو عین نماز کی حالت میں احسانِ صلوٰۃ سے صرف نظر کرتے ہوئے منع کرنے والے صحابی قرأت کرنے والے کو منع کرنے کی کبھی جرأت نہ کرتے۔ اور اگر سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا استحباب یا جواز بھی ہوتا تو منع کرنے والے کو آپ فرمادیتے کہ ایک جائز اور مستحب حکم کی وجہ سے تم نے نماز میں اپنی توجہ کیوں دوسری طرف مبذول کر دی تھی؟ اور دوسرے حضرات صحابہ کرامؓ بھی منع کرنے والے کو یہ نہیں کہتے کہ بھائی تم نے اثنائے نماز میں بلا وجہ اس سے الجھنے کی کوشش کی ہے، یہ بھی تو اچھا کام ہی کر رہا تھا۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو بغیر کسی خارجی قرینہ کے یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ چہری نمازوں کا تو قصہ ہی چھوڑیے ان میں بھلا امام کے پیچھے قرأت کی کب اجازت نکل سکتی ہے؟ سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ مستحب پھر ضروری کہاں سے ہوگا؟ اور چونکہ اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مطلق قرأت سے منع کیا ہے۔ اس لیے اس کو محض اپنی رائے سے قرأت دون قرأت پر عمل کرنا باطل اور مردود ہوگا۔ اور یہ روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے، جو قرأت کا اولین اطلاق سورہ فاتحہ اور ام الکتاب میں منحصر سمجھتے ہیں۔ لہذا قرأت کو مازاد علی الفاتحہ پر عمل کرنا توجیہ القول بمالہ دینہ یعنی بہ قائلہ کا ارتکاب کرنا ہوگا۔ جو محض بے بنیاد اور بیکار ہے۔

پہلا اعتراض: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں لیثؒ سے اوپر کی سند میں عبد الملک بن شعیبؒ نے غلطی کی ہے۔ الخ (کتاب القراءة ص ۷) اور اسی کا ذکر توفیق خیر الکلام نے ص ۲۸۳ میں کیا ہے۔

جواب: جب یہ راوی بالاتفاق ثقہ ہیں اور بالآل پختہ یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ ثقہ کی زیادت متن اور سند دونوں میں بالاجماع حجت ہے اور یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ جب حدیث کے ارسال اور اتصال اور رفع و وقف کے بارے میں ثقہ روایت کا اختلاف ہو تو بالاتفاق وہ حدیث موصول اور مرفوع ہی تصور ہوگی اور ثقہ روایت کی تصحیح ہوتی ہے اس لیے امام بیہقیؒ وغیرہ کا یہ خلاف اصول اعتراض قابل التفات نہیں ہو سکتا

یہ حدیث بھی بہر حال موصول اور مرفوع ہی ہوگی۔

دوسرا اعتراض: امام بیہقیؒ اور امام دارقطنیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ابوالولید مجہول ہے تو یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ (کتاب القراءات ص ۱۳۰ و دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۳ اور مؤلف خیر الکلام ص ۴۸۳ میں لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں ابوالولید مجہول ہے۔ لہذا یہ قابل اعتبار نہیں)

جواب: واقعی یہ اعتراض قدرے معقول نہاں ہے لیکن درحقیقت یہ بھی نہایت ہی سطحی ہے اور غلط فہمی کا نتیجہ ہے، کیونکہ ابوالولید کوئی الگ اور جدا گانہ ہستی نہیں، بلکہ ابوالولید عبداللہ بن شدادؓ کی کنیت تھی۔ چنانچہ امام حاکمؒ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن شدادؓ هو بنفسه ابوالولید یعنی ابوالولید خود بعینہ عبداللہ بن شدادؓ

ومن تهاون بمعرفة الاسامی اور وہ تھے لیکن جن لوگوں نے روایت کے ناموں میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیا ان کو ایسا وہم ہو جانا مثل هذا الوهم۔

کچھ بعید نہیں ہے۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ

عبداللہ بن شدادؓ اصل مدینی وکنیتہ ان کی کنیت تھی۔

ابوالولید۔

(معرفت علوم الحدیث، طبع قاہرہ ص ۱۸۸)

مذہب لطیف: امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ بعض نے ایک طریق سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں ابوالولید کا جملہ ساقط کر دیا ہے اور دوسرے طریق میں عبداللہ بن شدادؓ کا نام اڑا دیا ہے اور یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ ابوالولید عبداللہ بن شدادؓ کی کنیت ہے، لیکن یہ انصاف سے بعید ہے۔ کتاب القراءۃ ص ۱۳۰ امام حاکمؒ وغیرہ نے امام بیہقیؒ کا مغالطہ تو ایسا نکالا کہ ان کو شاید سبکدوشی کی ہمت ہی نہ رہے۔ مگر خود انہوں نے سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۵۹ میں ابوالولید کا جملہ ساقط کر دیا ہے اور پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ امام بیہقیؒ نے امام مسلمؒ کی ایک عبارت میں مغالطہ دینے کی سعی فرمائی ہے۔ فسا محله اللہ تعالیٰ بعمرم فضله۔

علاوہ انہیں تاریخ بغداد میں جلد ۹ ص ۴۷۳، جامع المسانیف جلد ۳ ص ۳۳۸، کتاب الکفی وولابی جلد ۲ ص ۱۳۲، تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۵۱، لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۲۵، تقریب ص ۲۲ اور توحید النظر ص ۹ وغیرہ کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ابوالولید عبداللہ بن شدادؒ کی کنیت تھی۔ گویا اس لحاظ سے سند کی اصلی عبارت یوں تھی: عن عبد اللہ بن شداد ابی الولید... الخ روایت میں سے کسی نے ابوالولید کو سبن سے الگ سمجھ کر ایک جدا ہستی اور مستقل راوی سمجھ لیا ہے اور اسی حقیقت کو امام بیہقیؒ اور دارقطنیؒ نہ پاسکے۔ عربی زبان میں کنیت نام سے پہلے بھی آتی ہے اور نام کے بعد بھی آسکتی ہے۔ مثلاً دیکھئے محمد بن عبد الرحمنؒ ابوالاسود، محمد بن مقاتلؒ ابوالحسن (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۹۹ وغیرہ) اور یحییٰ بن یحییٰؒ ابوزکریا (بخاری جلد ۲ ص ۸۲ وغیرہ) وغیرہ اور جملہ ابوالولید اعادہ جار کے ساتھ عبداللہ بن شداد سے بدل بھی ہو سکتا ہے۔ (بامش شرح خبثہ ص ۱۱)

مؤلف خبث الکلام کا صریح ہمتان: جب ان ٹھوس حوالوں سے مؤلف مذکور کا سرچکرایا تو انہوں نے یہ لکھ مارا کہ پھر امام حاکمؒ تو غلطی کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف کر رہے ہیں کہ وہ ابوالولید کو الگ سمجھ کر سند میں بڑھا رہے ہیں کیونکہ ان کو روایات کے اسامی کی معرفت نہیں... الخ ص ۲۸۱، حالانکہ یہ امام حاکمؒ پر خالص ہمتان ہے۔ امام حاکمؒ نے اول سے آخر تک اس عبارت میں کہیں اس کی تصریح نہیں کی کہ اس میں امام ابوحنیفہؒ نے غلطی کی ہے وہ تو وہ من تھاون بمعرفۃ الاسامی اور نہ مثل هذا الوهم کے عمومی الفاظ بول رہے ہیں کیونکہ متن شرطیہ عموم کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ بیان ہوگا، لیکن غیر مقلدین کے شیخ الحدیث کے نزدیک اس حرف متن سے صرف امام ابوحنیفہؒ ہی مراد ہیں۔ اور ص ۳۸ میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اسی بنا پر حاکم نے امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کیا ہے۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو مورد طعن قرار دیا ہے... الخ امام حاکمؒ نے اس وہم کی نسبت قطعاً امام ابوحنیفہؒ کی طرف نہیں کی۔ وہ تو صرف من استعمال کر رہے ہیں جو غیر مقلدین حضرات کے شیخ الحدیث کے نزدیک عموم کے لیے نص قطعی ہے جیسا کہ اپنے مقام پر بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہے ان کی دیانت۔ فوالسفا۔

اٹھارہویں حدیث: امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو احمد بکر بن محمد بن حمدان الصیرفی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الصمد بن فضل البلخیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مکئی بن ابراہیمؒ نے بیان کیا۔ وہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ موسیٰ بن ابی عائشہؒ سے اور وہ عبد اللہ بن شاذان بن الہاد سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے۔

ان رجلا قرأ خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الظهر والعصر فاذا ما حضرت صلى الله تعالى عليه وسلم کے پیچھے قرأت کر رہا تھا نماز ہی کی حالت میں ایک شخص نے اشارہ سے اسے قرأت کرنے سے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا نماز (الحديث)

(بحوالہ روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۴) کے بعد کہنے لگا تم مجھے قرأت سے منع کرتے ہو؟ یہ روایت امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار ص ۲۲ میں بھی ہے اس کے آخر میں ہے کہ اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من صلی خلف امام فان قراة الزما مله قراة۔

آگے روایت کا بعینہ وہی مضمون ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ پہلی روایت میں اصل مضامین اور اس کی تشریح دیکھ لیں۔ امام حاکمؒ، مستدرک جلد ۱ ص ۴۹، ۲ ص ۲ وغیرہ میں ایک سند اس طرح پیش کرتے ہیں۔ اخبرنا بکر بن محمد بن حمدان الصیرفی نا عبد الصمد بن الفضل البلخی نا مکئی بن ابراہیمؒ.... الخ اور فرماتے ہیں۔ صحیح ہے علامہ ذہبیؒ تلخیص المستدرک میں اس کے بارے میں صحیحؒ کہتے ہوئے صحت کا فیصلہ صادر کرتے ہیں اور بقیہ روایات کا ترجمہ گزر چکا ہے۔ مؤلف خیر الکلام ص ۲۸۸ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے جملہ راوی سوائے امام ابو حنیفہؒ کے ثقہ ہیں اور جابرؒ کے ذکر میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف غلطی کی نسبت کی گئی ہے... الخ اور اس سے پہلے بحوالہ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۹ لکھتے ہیں کہ ایک جامعہ نے امام ابو حنیفہؒ سے اسی طرح موصول بیان کی ہے اور عبد اللہ بن المبارکؒ نے ان سے مرسل بیان کی ہے۔ جابرؒ کا ذکر نہیں کیا اور یہی محفوظ ہے۔

الجواب: پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ثقہ اور ثبت تھے لہذا ان کی تصنیف بغیر تصحیح کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور حسیب امام بیہقیؒ خود فرماتے ہیں کہ روایت کی ایک

خاصی جماعت اس روایت کو موصول بیان کرتی ہے اور اس میں حضرت جابرؓ کا ذکر ہے اور تنہا امام ابن مبارکؒ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں تو جماعت کی روایت موصول ہی کیوں نہ محفوظ ہو جب کہ حقیقت وہ ہے بھی صحیح محفوظ اور موصول۔

انیسویں حدیث: امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو علیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو یوسفؒ زکریا بن الحارثؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن انہرؒ سجستانیؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے خلف بن ربیعؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابو یوسفؒ نے بیان کیا۔ وہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ موسیٰ بن ابی عائشہؒ سے اور وہ عبد اللہ بن شاذانؒ اور الویدؒ سے اور حضرت جابرؒ سے اور وہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

من صلی خلف امام فان قرأ تہ قرأہ۔ کہ جو آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھے سو اس کے امام کا (معرفت علوم الحدیث ص ۱۷۸، طبع قاہرہ) پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ (اس کو الگ قرأت کی ضرورت

نہیں)

۱۔ علامہ عبدالقادر القرشیؒ کہتے ہیں کہ الامام المنذکی الفقیہ احمد مشائخ اصحاب ابی حنیفہ فی عصرہ واحد العباد تھے۔ (الجزا ہر جلد ص ۷۳۵)

۲۔ علامہ عبدالقادر القرشیؒ کہتے ہیں کہ وہ من آئمة اصحابنا الخراسانیین اور اصحاب طبقہ عالیہ میں تھے۔ (الاجواب المضمیہ جلد ۲ ص ۳۱) اور فاضل کھنویؒ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ (فوائد ہندیہ ص ۱۶۰)

۳۔ محدث ابن جانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ علامہ خلیؒ ان کو صدوق اور شہور کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۴۸) علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ وہ احد الفقہاء الزاۃ علامہ صاحب علم، حاصل اور بڑے خدا پرست تھے (میزان جلد ۳ ص ۳۸)

۴۔ قاضی ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے اور دیگر روایت کے تراجم بھی بیان کیے گئے ہیں۔ فائدہ: محدثین کرامؒ کی اصطلاح میں سند کے ایک راوی کے بدلنے سے روایت بدل جاتی ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر ہم نے ان حدیثوں کا الگ الگ شمار کیا ہے۔ اس امر کو بخوبی ملحوظ رکھیں تاکہ غلط فہمی پیدا نہ ہو۔

یہ روایت بھی سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ علامہ
 فہرستی ایک سند کو جس میں انا ابو یوسف القاضی انا ابو حنیفۃؒ الخ آتا ہے لکھتے ہیں :
 هذا اسناد متصل عال (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۷۱) کہ یہ سند متصل اور بلند پایہ ہے اور مفہوم
 و مفہوم کے اعتبار سے بھی یہ روایت واضح ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ مؤلف خیر الکلام سے رہا نہیں
 گیا۔ صفحہ ۲۹۰ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بھی امام ابو حنیفہؒ کی ہے۔۔۔ الخ

الجواب: ہاں یہ روایت امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے جو ثقہ اور ثبت ہیں بغیر کسی
 متعصب کے کون ان کی روایت کو رد کر سکتا ہے؟ جن کی علمی تحقیق سے امام یحییٰ القطان اور ابن معین
 وغیرہ ائمہ جرح و تعدیل نے اپنے دامن بھرے اور ان کی تقلید کو اپنے گلے کا بار بنایا ہے۔ دیکھتے
 طائفہ منصورہ اور مقام ابی حنیفہؒ وغیرہ۔ رہا مؤلف خیر الکلام کا ص ۲۹ میں بحوالہ تحقیق الکلام جلد ۱
 یہ لکھنا کہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ وہ اہل حدیث کے ہاں سخی الحفظ ہیں اور علی بن المدینیؒ نے
 سخت ضعیف کہا ہے (محصلاً) تو یہ بے شوق ہے خود مؤلف خیر الکلام ص ۲۴ الرفع والتکمل میں
 کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ سخی الحفظ جرح غیر مفسر ہے جو قابل اعتبار نہیں (محصلاً) اور اسی صفحہ
 میں لکھتے ہیں کہ اگر تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں تو ان کا اعتبار ہوگا۔ اور ہم مبسوط اور باحوالہ بحث عرض
 کر چکے ہیں کہ اکثر امت نے امام موصوفؒ کو ثقہ کہا ہے اور مؤلف خیر الکلام ص ۲۱ میں لکھتے ہیں کہ
 اور ہم جرح توثیق کے بعد مقبول نہیں ہوتی۔ اور ص ۲۲ میں لکھتے ہیں کہ توثیق کے بعد جرح غیر مفسر
 معتبر نہیں ہوتی پس وہ قطعاً ثقہ ہے۔ الخ اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں اور ان صحیح روایات سے
 بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ امام سفیان ثوریؒ، شریکؒ،
 ظہرؒ اور ابو الزبیرؒ وغیرہ اس روایت کو موصول بیان کرتے ہیں اور حضرت جابرؒ کا یہ روایت میں ذکر
 آتا ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ سے قاضی ابو یوسفؒ کی بنیاد پر امام ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ وغیرہ بلکہ بقول
 امام بیہقیؒ محدثین کی ایک خاصی جامعیت اس روایت کو موصول بیان کرتی ہے اور ظہر یا عصر کی قیدیہ
 کرنے میں بھی امام ابو حنیفہؒ متفرد نہیں جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور ہر ایک روایت کے ایک
 ایک راوی کی توثیق بھی عرض کر دی گئی ہے۔ اندر میں حالات یہ دعویٰ کرنا کہ امام ابو حنیفہؒ اس
 میں متفرد ہیں یا ان کا کوئی شاگرد متفرد ہے، یا یہ روایتیں معلول ہیں۔ انصاف کا خون کرنا ہے۔ یہ

باحوالہ دلائل بھی دیکھیے اور مؤلف خیر الکلام کی ہوائی طفل تسلی بھی دیکھیے کہ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل ضعیف ہوتی ہے اور موصول بیان کرنے والے صرف امام ابو حنیفہؒ ہیں باقی روایات سب کے سب ضعیف یا مجہول ہیں۔ الخ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

بیسویں روایت: امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن مخلد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے شعبہ بن ابیوبؒ وغیرہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے زید بن جبابؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے معاویہ بن صالحؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الزنادیرؒ نے بیان کیا۔ وہ کثیر بن مرہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو الدرداءؒ سے۔ وہ فرماتے ہیں:

لہ علامہ ذہبیؒ ان کو امام شیخ الاسلام اور حافظ زمانؒ کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۳ ص ۱۸۱)
لہ حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ مشہور اور اعلیٰ اہل عصر کہتے ہیں۔ (لسان المیزان جلد ۵ ص ۳۶۴)
لہ دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، ابن جبابؒ ان کو ثقات میں کہتے ہیں۔ امام حاکمؒ ان کو ثقہ اور راوی کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۴۹)

لہ علامہ ذہبیؒ ان کو العابد الثقلہ اور الصدوق کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۱ ص ۳۶۱ و تذکرہ جلد ۱ ص ۲۲)
علامہ خطیبؒ ان کو صاحب حدیث اور دانا محدث کہتے ہیں۔ (بغیادہ جلد ۸ ص ۴۲۳) امام ابن معینؒ علی بن مدینیؒ، عیسیٰ بن عقیلؒ، ابو جعفر بستیؒ، احمد بن صالحؒ، دارقطنیؒ، ابن ماکولہؒ اور یعقوب بن شیبہؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن جبابؒ اور ابن شاہینؒ ان کو ثقات میں کہتے ہیں۔ ابن یونسؒ ان کو حسن الحدیث اور ابو حاتم صدوق اور صالح کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۴۰۲)

لہ ان کا ترجمہ باب اول میں حضرت ابن عباسؓ کے اثر کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

لہ امام ابن معینؒ، عیسیٰ بن عقیلؒ، یعقوب بن سفیانؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ اور دارقطنیؒ لا بأس بہ اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں، ابن جبابؒ ثقات میں کہتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۲۱۵)

لہ علامہ ابن سعدؒ اور علیؒ ان کو ثقہ اور ابن خراشؒ صدوق کہتے ہیں، نسائیؒ لا بأس بہ کہتے ہیں اور ابن جبابؒ ثقات میں کہتے ہیں (ایضاً جلد ۸ ص ۴۲۹) حافظ ذہبیؒ ان کو الفقہ، امام عالم، عامل اور عالم اہل حص کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۴۹)

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فِي كُلِّ صَلَاةٍ قِرَاءَةً قَالَ نَعُوذُ فَقَالَ جَلِ
 مِنْ أَلْوِ نَفْسٍ وَجِبَتْ هَذِهِ فَقَالَ
 لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَكُنْتُ أَقْرَبَ الْقَوْمِ إِلَيْهِ مَا أَرَى الْإِمَامَ
 إِذَا هُمُ الْقَوْمُ الْأَكْفَاهِمُ
 (دارقطني جلد ۱ ص ۱۶۶)

کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
 سوال کیا گیا کیا ہر نماز میں قراءۃ ہے؟ آپ نے
 فرمایا ہاں۔ ایک انصار رضی اللہ عنہ نے کہا پھر تو قرأت
 ضروری ہو گئی؟ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں
 تمام اہل مجلس میں جناب رسول خدا صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب تھا آپ نے مجھ سے غلط
 کرتے ہوئے فرمایا قیام بھی جانتا ہوں کہ امام کی قرأت
 مقتدیوں کو کافی ہے۔

یہ روایت مسند احمد جلد ۳۲، نسائی جلد ۱، کتاب القراءۃ ص ۱۸۸ و سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۲،
 طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۹ اور مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۸ وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے، بیہوشی فرماتے ہیں۔
 (اسناد حسن) اس روایت میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ جناب
 رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا۔ اور جواب بھی آپ ہی نے ارشاد فرمایا
 اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ اس لیے غیر رسول اور جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وآلہ وسلم میں یقیناً فرق اور تیز کرتے ہوں گے۔ اور اس کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ میں سب زیادہ
 آپ کے قریب تھا۔ اور آپ نے خطاب کرتے وقت اور جواب دیتے وقت خاص طور پر میری طرف
 توجہ فرمائی تھی۔ اگر تھے قوی اور اندرونی قرائن کے ہوتے ہوئے بھی یہ روایت مرفوع نہیں تو کوئی
 روایت علم حدیث میں مرفوع ہوگی؟ چونکہ اس روایت میں ستری اور جہری کی کوئی قید مذکور نہیں ہے
 اس لیے یہ تمام نمازوں کو شامل ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ وہ مازاد یا جہر پر محمول ہے۔ (ص ۳۲)
 بالکل مردود ہے کیونکہ بقول مؤلف مذکور قرأت سورۃ فاتحہ سے ہی شروع ہوتی ہے (حکما حق)
 پھر اس کو مازاد پر کون حمل کرنے دیتا ہے؟ اور روایت میں لفظ قرأت ہے جہر نہیں قرأ کو جہر پر
 حمل بالکل بے بنیاد ہے۔ اور ایسی رکیک اور دور انداز کار تو جہیات کون سنتا ہے؟

اعتراض: امام نسائی رحمہ، دارقطني رحمہ اور بیہقی رحمہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابوالدرداء
 پر موقوف ہے۔ زید بن جباب نے اس حدیث کو مرفوع بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔ (نسائی)

جلد ۱۰ ص ۱۰۱، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۶، کتاب القراءۃ ص ۱۱۵ اور یہی باتیں مؤلف خیر الکلام نے دہرائی ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۲۴۹ و ص ۵۰۱ و ص ۵۰۲ اور یہی کچھ ترجمان الحدیث ماہ دسمبر ۱۹۷۴ ص ۲۲ تا ص ۲۶ اور ماہ جنوری ۱۹۷۶ ص ۲۲ تا ص ۲۶ میں لکھا گیا ہے کہ فلاں نے اس کو قوف کہا اور فلاں اور فلاں نے۔

جواب: یہ اعتراض قطعاً باطل ہے: اَوْلَا۔ اس لیے کہ زید بن حباب بلا اتفاق ثقہ ہیں۔ اور ثقہ راوی کی متن میں سنی زیادت بالا جماع مقبول ہوتی ہے جس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے۔ وثانیاً۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے کی صورت میں تمام محدثین کے نزدیک روایت موصول اور مرفوع ہی سمجھی جائے گی۔

وثالثاً۔ اگر تنہا زید بن حباب ہی اس کو مرفوع روایت کرتے تب بھی یہ حدیث مرفوع ہی ہوتی، کیونکہ زید بن حباب ثقہ تھے۔ حالانکہ ان کے علاوہ ابوصالح کاتب لیث رحمہما (جن کا ترجمہ باب اول میں حضرت ابن عباسؓ کے اثر میں نقل کیا جا چکا ہے) بھی اس روایت کو مرفوع نقل کرتے ہیں۔ (دیکھئے سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۲ وغیرہ اور اس کی سند بھی صحیح ہے) جب یہ دونوں راوی ثقہ ہیں۔ اور اس روایت کو مرفوع بیان کرتے ہیں تو یہ حدیث محدثین کے طے شدہ قاعدہ کی رو سے مرفوع ہی ہوگی اور امام سیوطیؒ وغیرہ کی بلا دلیل اصول شکنی قابل التفات نہیں ہو سکتی اور نہ اس کو کوئی سننے کے لیے تیار ہے چونکہ یہ اکابر غلطی سے پہلے یہ نظریہ قائم کر چکے ہیں کہ قرآن خلف الامام کی اجازت ہے، اس لیے اس کے خلاف تمام روایات کو وہ خواہ مخواہ معلول ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر خالی الدین ہو کر پچھلے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو ملاحظہ کر لیتے تو یقیناً ایسی رنگبندی اور بے ادبی انصاف تاویلات سے ہرگز کام نہ لیتے، فاسخ لہم اللہ تعالیٰ اور مولانا مبارکپوری صاحب صاحب کا تو معاملہ ہی عجیب ہے وہ امام سفیان رحمہ بن عیینہ رحمہ اور حضرات صحابہ کرام کے صحیح آثار سے تو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو مقید کرنا گوارا نہیں کرتے مگر اس مقام پر جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مطلق حدیث کو محض اپنی ناقص عقل اور فہم نارسا کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں (دیکھئے ابکار المنہج ص ۱)

اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ بلا دلیل کرتے ہیں: —

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

باقی جس روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو الدرداءؓ نے کثیر بن مرقہؓ سے یہ کہا تھا جیسا کہ بعض کتابوں میں آتا ہے تو وہ اپنے مقام پر صحیح ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مرفوعاً بھی یہ روایت آتی ہے اور موقوفاً بھی جب مسئلہ بیان کا مقصود ہوگا تو اپنا قول بیان کر دیتے ہوں گے اور جب حدیث کا بیان کرنا ملحوظ ہوتا ہوگا تو مرفوعاً بیان کر دیتے ہوں گے کیونکہ ارسال اور رفع میں روایت کے حالات مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

احسن الکلام پر بلا وجہ محض تعصب کی وجہ سے تنقید کرنے والے بزرگ علامہ عراقیؒ کی ایک عبارت کا (جس کا ذکر ٹیٹ^۲ میں ہو چکا ہے) حوالہ دے کر لکھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ اختلاف ایک راوی کے تلامذہ میں ہے تو پھر ثقہ اور اوثق کے اصول پر اس کی تنقیح کی جائے گی۔ اگر دونوں اسناد ہمہ عیوب سے صاف ہوں گی تو پھر مزید قرائن کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ اس کی تفصیل ہم عرض کر آئے ہیں۔ (ترجمان الحدیث ص ۲۱ ماہ جنوری ۱۹۷۵ء)۔

الجواب: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علامہ عراقیؒ کے حوالہ سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ ثقہ راوی جب کسی وقت روایت موصول اور کسی وقت مرسل بیان کرے یا کسی وقت مرفوع اور کسی وقت موقوف بیان کرے تو اس کے بارے میں صحیح تر فیصلہ یہ ہے کہ وہ روایت موصول اور مرفوع ہی قرار دی جائے گی نہ کہ مرسل و موقوف۔ علامہ عراقیؒ کی اس عبارت میں راوی کے تلامذہ میں ثقہ اور اوثق کی تنقیح کا کوئی تذکرہ نہیں اور امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اگر بعض ثقہ اور ضابطہ راوی حدیث کو متصل اور بعض مرسل بیان کرتے ہوں یا بعض مرفوع اور بعض موقوف بیان کرتے ہوں یا ایک ہی راوی کسی وقت مرفوع بیان کرتا ہے اور کسی وقت مرسل یا موقوف بیان کرتا ہے تو اس کے متعلق صحیح بات جو محققین محدثین اور فقہاء اور ابابہ اصول نے بیان کی ہے اور اسی کو علامہ خطیب بغدادیؒ نے صحیح قرار دیا ہے یہ

ان الحکم لعمّن وصلہ اور قطعہ سواء کہ بے شک حکم اس کے موصول یا مرفوع ہونے کا دیا
 کان المخالف لہ مثلاً او اکثر او احفظ جاسنے گا۔ عام اس سے کہ اس کا مخالف اس جیسا
 لانه زیادة ثقہ وہی مقبولة ۱۷ ہو یا زیادہ ہو یا زیادہ حافظ ہو کیونکہ یہ زیادہ
 (مقدمہ شرح مسلم ص ۱۸) ثقہ ہے جو بہر حال مقبول ہے۔

اس عبارت سے تین باتیں نمایاں طور پر ثابت ہیں:
 (۱) اس صورت میں موصول اور مرفوع ہونے کا فیصلہ محقق محدثین رحمہم اللہ اور ابابا اصول
 کا ہے۔

(۲) ایک ہی ثقہ راوی سے یہ اختلاف ثابت ہو تب بھی یہی فیصلہ ہے یا ایک ہی راوی کے
 تلافیہ جدا جدا ہوں تب بھی یہی فیصلہ ہے۔

(۳) اس میں موصول اور مرفوع بیان کرنے والے کے مقابلہ میں اکثر یا احفظ یا اوثنیٰ کا کوئی اعتبار
 نہیں کیونکہ یہ زیادہ ثقہ ہے جو بہر حال مقبول ہے۔

اکیسویں حدیث: امام حاکم رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو یحییٰ سمرقندی رحمہ نے بیان کیا وہ کہتے
 ہیں کہ ہم سے محمد بن نصر نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبد الرحمن بن وہب نے بیان
 کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ہمارے چچا (عبد اللہ بن وہب) نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد بن لیث
 بن سعد نے بیان کیا۔ وہ یعقوب بن ابراہیم رحمہ (امام ابویوسف) سے روایت کرتے ہیں اور وہ
 نعمان بن ثابت (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اور وہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے اور وہ
 عبد اللہ بن شداد ابو الولید سے اور وہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے
 ہیں کہ ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلی خلف امام فان قرأہ (امام لہ) کر جو شخص امام کے پیچھے (اس کی اقتداء میں نماز پڑھے
 قرأہ۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۱۷۱) تو اس کو امام کی قرأت ہی کافی اور پس ہے۔

لہ چونکہ امام حاکم نے اسی روایت کے سلسلے میں اسی صفحہ میں واضح طور پر یہ بیان کر دیا کہ ابو عبد اللہ بن شداد
 کی کنیت ہے اس لیے ہم نے عبد اللہ بن شداد ابو الولید لکھا ہے جیسے کہ پہلے باحوالہ عرض کیا جا چکا ہے مؤلف خیر الکلام ص ۱۱۵
 میں اس کو مخالف کہنا انصاف پر مبنی نہیں ہے کیونکہ حبيب ابو الولید عبد اللہ بن شداد ہی کی کنیت ہے تو ایک ہی شخصیت ہے۔

اس سند کے اکثر روایات کے تراجم پہلے نقل کئے جا چکے ہیں اور بعض جلیل القدر اور نامور محدث تھے البتہ احمد بن عبد الرحمن بن وہب کا ترجمہ سن لیجئے اگرچہ ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ مہر کے اساتذہ اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں اور ابن یونسؒ فرماتے ہیں کہ اس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ (میزان جلد ۱ ص ۵۵) بحوالہ خیر الکلام ص ۵۱۱) مگر جمہور محدثین کرامؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ محمد بن عبد اللہ بن الحکمؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے بارے میں کوئی کلام اور جرح نہیں سنی، عبد الملکؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابو زرؒ ان کی تعریف کرتے تھے۔ ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ محدث عبد بن ان کو مستقیم الامر کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ محمد بن کے نزدیک ان کی حدیثیں قابل برداشت ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے پہلے ان میں کلام کیا تھا۔ لیکن بعد از تحقیق اس سے رجوع کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن خزیمہؒ متقدمین میں سے اور امام ابن قطنؒ متاخرین میں سے ان کو ثقہ سمجھتے ہوئے ان پر کئی اعتماد کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۵۴، ۵۵، ۵۶) یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے صحیح اور مرفوع ہے۔

مؤلف خیر الکلام نے صفحہ ۵۱۱ میں اس کے جواب میں بھی وہی پرانا رونا روایا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ضعیف ہیں اور متفرد ہیں (محصلاً) جواب پہلے گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرات! ہم نے متابعات اور شواہد کے علاوہ بیس حدیثیں صحیح اور مرفوع (با سند اور سند کے ایک ایک راوی کی توثیق کے ساتھ آپ سے) بحوالہ عرض کی ہیں۔ اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ سوالات کے مسکت جوابات بھی عرض کر دیے ہیں۔ اب ہم آخر میں آپ کے سامنے چند اور حدیثیں بطور تائید عرض کرتے ہیں اور سند پوری نقل کر دیتے ہیں۔

بطور شاہد پہلی حدیث: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو سعید محمد بن جعفر بن محصیب ہرومیؒ نے اپنی کتاب سے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن محمود سعدیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے

اسماعیل سدیقی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے مالک بن انس نے بیان کیا۔ وہ وہب بن کیسان سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

کل صلوة لا یقر فیہا بام القرآن فی
خدا ج الذی ودا الزامہ۔ (کتاب القراءۃ ص ۵۰۵)
ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو تو وہ نماز
ناقص اور نامکمل ہوتی ہے۔ ہاں مگر وہ نماز جو امام
کے پیچھے پڑھی جائے۔

یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اور ام القرآن پڑھنے کی بھی گنجائش
نہیں ہے اور اسی کو فریق ثانی ضروری سمجھتا ہے۔ ہاں البتہ امام اور منفرد کی کوئی نماز بغیر سورۃ فاتحہ
کے مکمل نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس کی تصریح موجود ہے۔

اعتراض: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اسماعیل سدیقیؒ کا دوسرا شاگرد سمری بن خزمہؒ
اس روایت کو حضرت جابرؓ سے موقوف روایت کرتا ہے۔ اس لیے یہ عبد اللہ بن محمود سدیقیؒ
کی غلطی ہے کہ وہ اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور یہی بات مؤلف خیر الکلام نے دہرائی ہے۔
(لاحظہ ہو ص ۵۰۴ و ۵۰۵)

الجواب: عبد اللہ بن محمود سدیقیؒ کو علامہ ذہبیؒ، الحافظ الثقف اور صوبہ مرو
کا محدث لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵۷) امام حاکمؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، محدث
خیلی ان کو الحافظ اور عالم فریق حدیث کہتے ہیں (ایضاً جلد ۲ ص ۲۵۸) کیوں نہ ہو کہ حافظ اور
ثقہ راوی کی زیادت کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور اصول شکنی کا ارتکاب نہ کیا جائے، کہ نہ
ہینگ لگے نہ پھسکری، اور یہی امر قرین قیاس اور انصاف ہے۔

مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۰۵ میں لکھا ہے کہ اس کے ثقہ ہونے سے حدیث کا
صحیح ہونا ضروری نہیں اور یعنی محض اس لیے کہ مؤلف صاحب اور ان کی جماعت اس
کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہاں محمد بن اسحاقؒ جیسا کوئی ضعیف راوی ہوتا تو وہ ضرور
مان لیتے اور پھر حدیث صحیح ہو جاتی، باقی امام مالکؒ کا یہ فرمانا کہ اس کی ٹانگ پکڑو یہ
اس کے مرفوع ہونے کی نفی یا انکار کی قطعی دلیل نہیں۔ طحاویؒ کی شرح میں حد و اب رجاء

کا نسخہ بھی ہے (حاشیہ طحاوی جلد ۱ ص ۱) یعنی ان کی بات مان لو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور اس کے پیش نظر خذوا بجلہ کا مطلب بھی یہ ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے امام مالک کی تصدیق ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری حدیث: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو عبد اللہ حسین بن محمد ہروی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر احمد بن محمد بن عمرؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عبد الرحمن محمد بن احمد نسیمیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو محمد سوید بن سعیدؒ نے زبانی بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے علی بن مسہرؒ نے بیان کیا۔ وہ عبد اللہ بن عمرؒ سے اور وہ نافعؒ سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن عمرؒ اور وہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: من کان لہ امام فقراء الامام لہ قرأۃ (کتاب القراءۃ ص ۱۲۵) کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے یہ حدیث بھی اپنے مضموم کے لحاظ سے واضح ہے اور حضرت ابن عمرؒ سے مرفوع مروی ہے۔ اعتراض: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابن عمرؒ سے موقوف مروی ہے یہ ابو محمد سوید بن سعیدؒ کی غلطی ہے کہ اس روایت کو مرفوع بیان کرتے ہیں۔

جواب: علامہ ذہبیؒ سویر بن سعیدؒ کو صاحب حدیث اور صاحب حفظ کہتے ہیں۔ امام مسلمؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے۔ ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور کثیر التذلیس (لیکن اس روایت میں وہ حدیث سے تحدیث کرتے ہیں) کہتے ہیں بغویؒ ان کا شمار حفاظ حدیث میں کرتے ہیں۔ صالح جزیرہؒ ان کو صدوق اور دارقطنیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (میزان جلد ۱ ص ۴۳) محدث عجمیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ مسلم بن قاسمؒ کا بیان ہے کہ وہ ڈبل ثقہ تھے۔ امام احمدؒ ان کو صالح یا ثقہ کہتے ہیں۔ میمون بن زیدؒ امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ مجھے ان میں کسی کا کلام اور جرح معلوم نہیں۔ امام ابو داؤدؒ ان کی صدوق و ذہاب میں بہ سے تشریح نقل کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۷۵) جزیریؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں اور امام مسلمؒ نے صحیح میں ان سے احتجاج کیا ہے۔ (حسن حصین ص ۱۳) باب ما رزمزم لما شرب لہ اس لیے ضابطہ کے لحاظ سے یہ زیادت بھی صحیح ہوگی اور یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

مؤلف خیر الکلام نے جلد ۵ میں بعض کتب رجال سے سوید بن سفید پر جرحی کلمات نقل کر کے آگے لکھا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث قطعاً جھوٹ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے جیسے کہ اوپر باحوالہ گزر چکی ہے وہ غلط ہے؟ اور کیا امام مسلم نے صحیح مسلم میں جھوٹے راوی سے احتجاج کیا ہے؟ علاوہ انہیں علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ ابی محمد بن عبدہ ناخارجہ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقرأہ الا ما ملہ قرأۃ روایت کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہوتا رہے جلد ۳۳)

جس کے راوی اس مذکور سند کے متابع ہیں اور بزرگم مؤلف خیر الکلام وغیرہ اگر کچھ سقیم بھی اس میں ہے تو دوسری سند سے پورا ہوتا ہے۔ علاوہ انہیں اس امر سے اختلاف تو نہیں کیا جاسکتا کہ بعض محدثین نے اس پر جرح کی ہے اور جہور اس کی توثیق کرتے ہیں اور مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے اس کی حدیث حسن تو ضرور ہے خود مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مختلف فیہ آدمی حدیث حسن ہوتی ہے۔ (خیر الکلام ص ۲۲۵) مگر اس حدیث کو قطعاً جھوٹ کہنا خالص در سفید جھوٹ ہے۔

تیسری حدیث: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو العباس بالوئی بن محمد بن بالوہ مرزبانی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عمرو بن زرارہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اسمعیل بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ علی بن کیسان سے اور وہ ابن فضال سے اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور وہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کل صلوة لا یقرأ فیہا بفتح الکتاب یسی ہر وہ نماز جس میں نمازی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے ٹکس فلا صلوة لہ الا وراء الامام۔ کی نماز ادا نہ ہوگی۔ ہاں مگر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے بھی نماز صحیح ہے۔ (کتاب القراءۃ ص ۱۳۷)

یہ روایت بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل عیاں ہے اور حضرت ابن عباس سے مرفوعاً مروی ہے۔

اعتراض: امام بیہقی نے اپنے استاد کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ علی بن کیسان کا نام

ہم نے صرف اسی سند میں سنا ہے۔

الجواب : حافظ ابن حجرؒ نے علی بن کیسانؒ کا نہایت مختصر ترجمہ یوں قائم کیا ہے وہی علی بن سلیمان بن کیسان الکلیانیؒ (تذیب التہذیب جلد ۷ ص ۳۷۵) اور محدث فیض یونانیؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتمؒ نے ان کو صالح الحدیث ما اری مجدیثہ بأما کہا ہے (لسان ج ص ۲۳۳) لہذا ان کی حدیث حسن یا صحیح ہے (الدلیل المبین ص ۱۷۱) اور اگر بالفرض یہ مستور بھی ہو تب بھی مولف خیر الکلام کہتے ہیں کہ مستور بلکہ ضعیف کی روایت متابعت میں پیش کی جاسکتی ہے جیسا کہ باحوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

چوتھی حدیث : امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو حامد محمد بن محمد بن قاسم سرخسیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبد الرحمن سرخسیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسمعیل بن فضلؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عیسیٰ بن جعفرؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان ثوریؒ نے بیان کیا۔ وہ اعمشؒ سے اور وہ حکمؒ سے اور وہ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ سے اور وہ حضرت بلالؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :

امری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یقرأ خلف الامام۔
کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے حکم دیا کہ میں امام کے پیچھے قرأت نہ کروں۔
(کتاب القراءۃ ص ۱۲۹)

چونکہ قرأت خلف الامام کا مسئلہ اپنے ایکابی یا سلبی پہلو کے اعتبار سے کسی صحابیؒ سے مخصوص تھا اس لیے حضرت بلالؒ کو کسی خاص مصلحت کے پیش نظر آپؐ نے خطاب کیا ہو گا۔ ورنہ حکم سب کے لیے عام ہے۔

اعتراف : امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن جعفرؒ توثیق اور ثبت تھے۔ اس لیے اس میں غلطی اسماعیل بن فضلؒ کی ہوگی کہ اس سند میں سفیان ثوریؒ کا ذکر ہے اور وہ اس سے بری ہیں اگر ان سے روایت ہوتی تو اس کے بارے میں اختلاف نہ ہوتا، اسمعیل بن فضلؒ اگر سچا ہے تو اس کی غلطی ہے۔ جہو ثانی ہے تو اس کا افتراء ہے۔ (کتاب القراءۃ ص ۱۲۹ بحوالہ خیر الکلام ص ۵۱ ملاحظہ)

الجواب : حدیث کو باطل ٹھہرانے کا یہ نرا القاعدہ امام بیہقی نے تجویز فرمایا ہے۔ کیا قرأت خلف الامام کی روایت کے امام ثوریؒ مجاز نہیں؟ یا ان کی کسی دیگر روایت میں اختلاف نہیں ہوا؟ اس سند اور حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسمعیل بن فضلؒ کا حال معلوم نہیں یہ اصول کی بات ہے، مگر مؤلف غیر الکلام کے بیان کے مطابق مستور اور ضعیف کی حدیث بطور تائید و متابعت پیش ہو سکتی ہے اس میں کوئی ہرج نہیں۔ اور اصول کے لحاظ سے شاہد و متابع کا بھی کوئی فرق نہیں۔

قارئین کرام ! اس مضمون کی کم و بیش ستائیس سندیں راقم الحروف کے بیاض میں ابھی اور موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں ہر ایک سند فریق ثانی کی اجازت یا وجوب قرأت سورۃ فاتحہ خلف الامام کی روایتوں سے اگر زیادہ قوی اور صحیح نہیں تو یقین کیجئے کہ ان سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ مگر چونکہ ہمیں آپ سے ابھی بہت کچھ عرض کرنا ہے اس لیے سر دست ان پیش کردہ احادیث پر ہی ہم اکتفا کرتے ہیں اور ان سے ایک حقیقت پسندانہ بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا والے کیا بے دلیل ہیں؟ اور کیا ان کے پاس جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں موجود نہیں؟ اور کیا جن کتابوں کے حوالے درج کیے گئے ہیں وہ اس دنیا میں موجود نہیں؟ اور کیا ان میں سورۃ فاتحہ اور ام القرآن و ام الکتاب کی تصریح موجود نہیں؟ اور کیا یہ روایتیں صحاح ستہ و مواضع بھا میں نہیں پائی جاتیں؟ اور کیا یہ کتابیں دنیا کے اسلامی کتب خانوں میں موجود نہیں؟ اور کیا ان حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح اور مرفوع نہیں؟ اور کیا ان تمام دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے جمہور اہل اسلام (جو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اور دیگر کسی قسم کی قرأت کے قائل نہیں ہیں) ہنساز جیسی اہم اور بنیادی عبادت سے سبکدوش ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یا ان کی مانند بھی ناقص کا اہم بیگانہ اور محض باطل ہے؟ ان میں سے ایک ایک دعوے کا براہین کے ساتھ اثبات کیا جا چکا ہے اور فریق ثانی کے جملہ بے بنیاد دعوؤں کا دلائل سے بطلان ثابت کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ دیکھ چکے

ہیں۔ الفرغ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؒ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ

حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت عبداللہ بن شدادؓ، حضرت نواس بن سمانؓ، حضرت عبداللہ بن ہریرہؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کی اکثر روایتیں صحیح اور مرفوع ہیں اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کی حدیث کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایتوں میں سورہ فاتحہ کا خاص لفظ موجود ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور آپ یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ فریق ثانی کے نزدیک بھی پیش کردہ احادیث کے تقریباً جملہ روایت کی ثقاہت، عدالت، امامت اور اتقانِ مسلم ہے، محض کسی کے تفرد پر گرفت کی گئی ہے تو کسی کی تدلیس پر کسی کی تخیل پر اور کسی کے تغیر بسیر پر اور کہیں مرفوع اور موصول روایت کو اصول شکنی کرتے ہوئے موقوف اور مرسل قرار دیا گیا ہے اور کہیں راوی حدیث کی مرضی کے خلاف بلکہ خود مرفوع حدیث کے خلاف حدیث کا مطلب لیا گیا ہے اور ان تمام خلاف قاعدہ باتوں کے علاوہ محض اپنی مرضی سے مطلق قرأت کو مقید کرنے کی ناکام سعی کی گئی ہے اور ایسی کمزور اور رکیک و ضعیف اور بعید از قیاس و انصاف تأویلات اور توجہات اختیار کی گئی ہیں کہ فنِ اصول حدیث بھی ان سے نالاں ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ کے اس دعوے کی حقیقت بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ من کان لہ..... الخ کے تمام طرق معلول ہیں۔

قارئین کرام! ذرا ان راویوں کا ان راویوں سے تقابل کر لینا جن کی روایتوں سے فریق ثانی نے استدلال کیا ہے کیونکہ: و بعضہا متبعین الاشیاء ہم دوسرے باب کو یہاں ختم کرتے ہیں اور تیسرا باب شروع کرتے ہیں۔ واللہ المستعان وہو ناصر العین۔

باب سوم

اہل اسلام سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے بعد دینی مسائل میں جن حضرات کی طرف نگاہیں اٹھ سکتی ہیں۔ وہ شمع نبوت کے پروانے اور فیض رسالت سے مستفید حضرات صحابہ کرامؓ کی غلط جاعت ہی ہو سکتی ہے اور ان کے بعد حضرات تابعینؓ کا دور ہے کیونکہ یہی وہ حضرات ہیں جو خیر القرون کے درخشندہ ستارے تھے، جن کی سعی بلیغ کی بدولت دنیا کے کفر و شرک میں روشنی پھیلی، بدعات و رسوم کا خاتمہ ہوا۔ جہالت و تاریکی دنیا سے مٹتی اور علم و عرفان کی بارش سے دلوں کی دنیا میں ایمان و بصیرت کی شادابی پیدا ہوتی۔ نیز یہ بات بھی مخفی نہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ شرف صحبت کی برکت سے سب کے سب عادل، ثقہ، متقی، خدا پرست اور پاکیزہ تھے۔ لیکن فہم قرآن اور تدبیر حدیث میں سب برابر نہ تھے۔ اس لحاظ سے ان کے آپس میں مختلف درجات اور متفاوت مراتب تھے۔ چنانچہ امام مسروقؒ (المتوفی ۶۳ھ) جو آلہ ماہر الفقہ اور احاد الہ علامہ تھے تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۲) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابہ کرامؓ سے فیض صحبت اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان سب کا علم چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ، پھر میں نے ان چھ بزرگوں سے شرف صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ پر ختم ہو گیا ہے (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۵۰ ، تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۴ و مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۶۲ مع شرح العراقيؒ) امام حاکم نے بھی امام مسروقؒ سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں انھوں نے حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا نام لیا ہے (مستدرک جلد ۳ ص ۴۶۵ سکت عنہ الحاکمؒ والذہبیؒ) امام شعبیؒ (المتوفی ۱۰۳ھ) جو امام حافظ، فقیہ، متقن اور علامۃ التابعین تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۰۳) کا بیان ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ میں دینی مسائل میں فیصلہ کرنے والے چھ حضرات تھے۔ تین مدینہ طیبہ میں اور ان کے نام یہ ہیں: حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور تین کوفہ میں، ان کے اسماء یہ ہیں: حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (مستدرک جلد ۳ ص ۴۶۵ و سکتا عنہ)

مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دینی مسائل کی ترویج اور اشاعت کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ کے تین طبقات تھے، پہلا طبقہ وہ ہے جس سے مسائل تو رائج ہوئے ہیں مگر کم۔ اوپر دوسرا طبقہ متوسط ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جن سے دین کی بہت زیادہ اشاعت اور ترویج ہوئی ہے۔ ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱) نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جن حضرات صحابہ کرامؓ سے دین، علم اور فقہ کی اشاعت ہوئی ہے ان میں حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ پیش پیش تھے۔ (الجنة فی الاسوة الحسنیۃ ص ۵)۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ ان حضرات میں بیشتر وہ ہیں جو امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ ۵۔
وفاقوں کے ہزاروں سے چکے ہیں امتحان ایک
مگر وہ ہیں کہ اس پر بھی ہیں ہم سے بدگیاں ایک
حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ وغیرہ کی صحیح اور مرفوع حدیثیں عرض کی جا چکی ہیں، اسی طرح

حضرت ابوالسداءؒ کی صحیح اور مرفوع روایت بھی پیش کی جا چکی ہے اور اس کے موقوف تسلیم کرنے میں تو فریق ثانی کو بھی کسی طرح کا کوئی تاثر نہیں ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا ص ۵۲ میں یہ کہتا کہ یہ ان کا اپنا خیال تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے مقابلہ میں خیال پر اثر سے رہنا ٹھیک نہیں ہوتا، اس لیے انھوں نے اس پہلے قول سے رجوع کیا۔ بالکل ایک بے بنیاد دعوئے ہے۔ کسی صحیح روایت سے ان کا رجوع ثابت نہیں۔ لفظوں کے ہوائی قلعہ سے کچھ نہیں بنتا اور اس کے خلاف جو روایت ان سے آتی ہے اس کا ذکر جلد دوم میں آئے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اب اس کے بعد بعض حضرات صحابہ کرام رضہ اور تابعین رضہ و تابع تابعین کی بعض روایتیں اور آثار مشن لیتے:

اثر حضرت عبداللہ بن عمرؓ (المتوفی ۴۳ھ) امام مالکؒ نافعؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ان عبد اللہ بن عمر کان اذا سئل هل یقرأ احد خلف الامام قال اذا صلی احد کور خلف الامام فحسبه قراءة الامام و اذا صلی وحده فلیقرأ و کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام۔
 کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب یہ سوال کیا جاتا تھا کہ کیا امام کے پیچھے کوئی نمازی قرأت کر سکتا ہے؟ تو وہ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی امام کی اقتدار کو چکے تو اس کو امام کی قرأت ہی کافی ہے اور جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو اس کو قرأت کرنی چاہئے اور ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے

امام مالکؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ نافعؒ الامام اور اعلم تھے۔ (تذکرہ، جلد ۱ ص ۹۴) امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ اصح الاسانید یہ ہے مالک عن نافع عن ابن عمرؓ (ایضاً) اس سے زیادہ قوی سند فن حدیث میں تقریباً محال ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جلیل القدر صحابی تھے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الفقیہ اور احد الاعلام فی العلم والعمل تھے۔ وہ اپنی علمی اور عملی قابلیت کی بنا پر خلافت اور حکومت کے

مستحق تھے۔ (ایشا جلد ۱ ص ۳۵) بہر حال یہ روایت صحیح ہے اور قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ کان اس عشر لا یقرأ خلف الامام جہر۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے اور جہر۔ (کتاب القراءة ص ۱۳۶) تھے۔ امام جہر سے پڑھنا آہستہ (وہ خاموش پڑھتے تھے)

اور میر صاحب کو بھی اقرار ہے کہ موطا کی سند روایت صحیح ہوتی ہے۔ مولف خیر الکلام ص ۵۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے۔

اعتراض: مبارکپوری صاحب سے جب اس کی سند پر کلام کرنے کی جرأت بھی نہ ہو سکی اور چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حدیث رفع یدین کے راوی تھے۔ اس لیے اس روایت کو اپنے حال پر چھوڑ کر آگے نکلنا بھی گوارا نہ ہو سکا۔ تو زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی ٹھان کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے (جو دارقطنی جلد ۱ ص ۱۸ وغیرہ میں ہے) تعارض ہے کہ انھوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت دی تھی اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنت کے زیادہ بڑے عالم تھے، (کاش کہ مبارکپوری صاحب اپنے اس خود ساختہ قاعدہ پر ہی قائم رہتے تو یہی ایک بات تھی ص ۱۶۵) اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر ترجیح ہوگی۔ (ابکار المنن ص ۱۶۵)

جواب: اگر تعارض کا یہی مفہوم ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لاکھوں بلکہ کروڑوں درجے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنت کے زیادہ عالم تھے۔ اس لیے جب آپ نے امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر آپ کے ارشاد کو بہر حال ترجیح ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر عنقریب ترک قرأت خلف الامام پر ذکر ہوگا اور جس اثر کا مبارکپوری صاحب نے حوالہ دیا ہے تو اس کی حقیقت بھی اپنے مقام پر واضح ہوگی۔ تعجب ہے کہ مبارکپوری صاحب کا وجود بھی اجتماع نقیضین سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ یہاں تو یہ لکھ کر وقت پاس کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مجرد اعلم بالسنۃ ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر ترجیح دی جاسکے۔ (ابکار المنن ص ۲۱۲) شاید مولانا مبارکپوری صاحب کو جلدی سے پینتر ابدانے کا خاص لطف محسوس ہوتا

ہوگا۔ اور وہ ایسی رکیک اور بعید انقیاس توجیہ کر کے دل میں غرضی مناتے ہوں گے کہ
ع: کہ مقابله تو دل ناتواں نے خوب کیا

مؤلف خیر الکلام نے اس صحیح اثر کا تقابل ان آثار سے کیا ہے جو کتاب القراءۃ ص ۶۲ اور
ص ۶۵ میں حضرت ابن عمرؓ سے اس کے خلاف آئے ہیں اور مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ یہ اثر بھی
صحیح ہے اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے (ص ۵۲) اور یہ بحث انھوں نے ص ۳۲ میں کی ہے۔
کہتے ہیں کہ ان آثار میں سے ایک اثر کی سند میں ابو جعفر رازی عینی بن مایانؒ جو متکلم فہم ہے
مگر حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے صدوق ہے اور ایک راوی یحییٰ بکاؒ ہے وہ ضعیف ہے مگر ابن
سعدؒ نے کہا ہے انشاء اللہ فقہ ہے۔ الخ

الجواب: جب ہمارا پیش کردہ اثر آپ کے اقرار سے بھی صحیح ہے تو اس کے مقابلہ
میں ضعیف راویوں کی روایتیں بے کربتوں کا پل بنانا کہاں کا انصاف ہے؟ بس صحیح لے لیں
اور ضعیف کو چھوڑ دیں یہ دونوں راوی نہ بے شکم فہم نہیں بلکہ بہت زیادہ کمزور ہیں پھر کس قدر
افسوس ہے کہ آپ ان کے اثر کو بھی صحیح کہہ رہے ہیں پھر صراحت و ابہام وغیرہ کی وجہ سے ترجیح دینا
دری شعبہ باری ہے۔ صحیح اثر اور ضعیف کا کیا تقابل؟

اثر حضرت جابر بن عبد اللہؓ (المتوفی ۳۸ھ) ان کا اثر بسند صحیح حدیث نمبر
کے ذیل میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کے قائل نہ تھے ،
مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے (ص ۵۱۹) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ حضرت
جابرؓ صرف رکوع والی رکعت کو بدون فاتحہ صحیح سمجھتے تھے اور یہ روایت اسی پر محمول ہے
اور اصول فقہ حنفیہ کی رو سے مستثنیٰ میں کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا لہذا مقتدی کے لیے
اس سے وہ کوئی حکم ثابت نہیں کر سکتے (محصلہ ص ۳)

الجواب: حرف من مؤلف مذکور کے نزدیک ویسے عام ہے اور ہمارے نزدیک
بھی یہاں شرط یہ ہونے کی وجہ سے عام ہے اور سکاۃ نکرہ ہے اور ساتھ موصوفہ اور خود
مؤلف مذکور کے نزدیک نکرہ موصوفہ عام ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۳) پھر اس تخصیص کو کون
مانتا ہے؟ غرضیکہ حضرت جابرؓ ہر رکعت میں اور ہر ایسے نمازی کے لیے جو مقتدی ہو یہ حکم بیان

فرماتے ہیں اور مولف مذکور کا یہ لکھنا کہ اصول فقہ حنفیہ میں مستثنیٰ میں کوئی حکم نہیں ہوتا بالکل بے خبری پر مبنی ہے کیونکہ یہ بعض اصولیوں کا مسلک ہے۔ توضیح ص ۲۹۵ سے ص ۲۹۸ تک اس پر مبسوط بحث موجود ہے کہ استثناء میں حکم نفی سے اثبات اور اثبات سے نفی ہوتا ہے لہذا یہاں مقتدی کے لیے نفی فاسخ کا حکم بطریق منطوق ثابت ہے جیسے کلمہ توحید میں الا اللہ ثابت ہے۔ مبارکپوری صاحب نے یزید فقیر کے اثر سے اس کا معارضہ کیا ہے مگر اس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ بلند پایہ فقیہ اور مدینہ طیبہ کے مفتی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انھوں نے بہت سے مفید علوم حاصل کیے تھے۔ (تذکرہ ص ۱۵۷) اگر سورۃ فاتحہ کے بغیر مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی، تو حضرت جابرؓ کو مکرر توحید و سنت کا مفتی کیسے انتخاب کر لیا گیا تھا، جو اس کے مخالف اور منکر تھے۔

اثر حضرت زید بن ثابتؓ (المتوفی ۴۵) امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن حجرؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اسمعیل بن جعفرؒ نے بیان کیا۔ وہ یزید بن خصیفہؒ سے اور وہ یزید بن عبد اللہ بن قسیطہؒ سے اور وہ عطار بن یسارؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے دریافت کیا کہ کیا امام کے ساتھ قرأت کی جاسکتی ہے؟ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ الکبیر اور نسائیؒ ثقہ و امین اور حافظ ابو خلیفہؒ ان کو صادق، متقن اور حافظ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۳۲)

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ان کو الامام، العالم اور ثقہ لکھتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۲۳۱) امام احمدؒ، ابو حاتمؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ، ابن معینؒ ان کو ثقہ اور بحجت۔ ابن سعدؒ ان کو ثبت اور کثیر الحدیث اور حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ اور مامون لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۴۰) ابن معینؒ ان کو لا بائیں بہ نسائیؒ ان کو ثقہ ابن حدیثؒ ان کو مشہور ابراہیم بن سعدؒ ان کو فقیہ اور ثقہ اور کثیر الحدیث اور ابن عبد البرؒ ان کو ثقہ من الثقات لکھتے ہیں (ایضاً ص ۳۳۱) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الربانی اور الفقیہ لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور جمیل اور علم کا ظرف تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۹۷)

قال (قرۃ مع الامام فی شیء۔ انھوں نے جواب ارشاد فرمایا کہ امام کے ساتھ کسی
(نسائی جلد ۱۱۱، مسلم جلد ۱۱۱، ابوعوانہ جلد ۲، طحاوی احسن ۱۲۴)

حضرت زید بن ثابت کا یہ پسند صحیح اثر اس امر کی واضح دلیل ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی
کو کسی نمازیں کسی قسم کی قرأت کرنے کا حق نہیں ہے اور ان ایک آیت یوں ہے: من قرأ
خلف الامام فلا صلوة له (موطأ امام محمد ص ۱۰۰ اوکتبہ القراءۃ ص ۱۳۶) کہ جس نے
امام کے پیچھے قرأت کی تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امام طحاوی رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یونس بن روح
عبدالاعلیٰ رحمہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن مسیب نے بیان کیا وہ حیوہ بن شریح
سے اور وہ بکر بن عمرو سے اور وہ عبید اللہ بن مقسم سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے
ہیں کہ میں نے قرأت خلف الامام کے بارے میں:

اندرصال عبد اللہ بن عمر بن زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عمر رحمہ حضرت زید بن ثابت اور
وجابر بن عبد اللہ بن نفاذ لا تقرؤا خلف حضرت جابر بن عمر رحمہ سے سوال کیا۔ ان سب نے فرمایا کہ امام
لا امام فی شیء من الصلوۃ۔ (طحاوی جلد ۱۱۹ کے پیچھے تمام ناروں میں کوئی قرأت نہ کرو۔
وزیلی جلد ۷ ص ۷۷ واسنادہ صحیح)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ زید بن ثابت کفۃ لا قرۃ مع الامام
فی شیء رواہ مسلم وعن جابر بن عبد اللہ وهو قول علی بن مسعود وکثیر من اصحابہ
(ہدایۃ السائل ص ۱۹۳) اور امام بخاری رحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رحمہ حضرت زید بن
بن ثابت اور حضرت ابن عمر رحمہ امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ (جزء القراءۃ ص ۳)
علامہ ذہبی رحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت کا تب وحی تھے۔ اور قرآن کریم کے جمع
لہ امام طحاوی رحمہ کا ذکر کرتے گا، ابن وہیب کا ترجمہ حدیث نمبر ۱ میں گذر چکا ہے۔ یونس بن عبدالاعلیٰ رحمہ
کو امام ابو حاتم رحمہ اور نسائی رحمہ کہتے ہیں۔ علی بن الحسن رحمہ اور مسلم رحمہ بن قاسم رحمان کو حافظ حدیث کہتے
ہیں۔ ابن حبان رحمہ ثقافت میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۲۴۱) حیوہ بن شریح رحمہ امام القندوق شیخ
دیالمصریہ اور کبیر الشان تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱) بکر بن عمرو رحمہ کو ابو حاتم رحمہ شیخ اور ابن یونس رحمہ صاحب عبودت
(باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

کرنے کی خدمت ان کے سپرد کی گئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب حج وغیرہ کے لیے تشریف لے جاتے تو ان کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر کے جاتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۹) اور نواب صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے ترک قرأت بعض یا چند حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ نہ تھا بلکہ اس مسلک پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھاری اکثریت تھی۔ وکثیر من الصحابة۔
اعتراض: امام بیہقی رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ اور مبارکپوری صاحب وغیرہ نے اس اثر کی یہ تاویل کی ہے کہ اس اثر میں قرأت سے مراد ما زاد علی الفاتحة کی قرأت ہے یا قرأت سے مراد ہے (بیہقی جلد ۲ ص ۱۶۳، شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵ و البکار المنین ص ۱۶۶)

جواب: یہ تاویل قطعاً باطل ہے کیونکہ اگر قرآن کریم اور کسی صحیح حدیث سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت ثابت ہو تو تطبیق کے لیے یہ تاویل اختیار کی جاسکتی تھی۔ حالانکہ قرآن کریم اور صحیح و مرفوع حدیثوں سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام کے پیچھے عام قرأت تو کیا جائز ہوئی سورۃ فاتحہ اور ام القرآن پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے، باقی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہما کی صامت وغیرہ کی روایتوں کا ذکر بسط اور تفصیل کے ساتھ اپنے مقام پر آئے گا۔ کہ خلف الامام کی قید کے ساتھ کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ اور جو حدیثیں صحیح ہیں۔ وہ صرف امام اور منفر د کے حق میں ہیں، فرق ثانی کی یہ ستم ظریفی بھی قابلِ داد ہے کہ ایک طرف تو لا صلوة الخ کی روایتوں میں نکرہ پر لائے نفی جنس کو داخل سمجھ کر کے اتنی تعمیم مادی جاتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کے اسلامی کتب خانوں کی کسی کتاب سے کوئی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی اور دوسری طرف لا قراۃ مع الامام فی شئ اور لا یقرأ خلف الامام فی شئ من الصلوة کو ایسا مقید کیا جاتا ہے کہ باوجود سورۃ فاتحہ ام القرآن اور قرآن عظیم ہے، مگر اس کی قرأت پر نہ تو لا نفی جنس اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اور نہ لفظ شئ اور یہ عجیب تر بات ہے کہ لا صلوة الخ میں نفی کمال تو مراد نہیں لی جاسکتی مگر یہاں لا قراۃ مع الامام فی شئ میں نفس قرأت سے مراد ہو سکتی ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ! اور ان تینوں حضرات رضی اللہ عنہم سے بیک وقت سوال ہوتا ہے اور وہ اس کی اجازت نہیں (بقیہ پچھلا صفحہ) و فضیلت اور واقعی رہ معتبر کہتے ہیں اور ابن جان ثقات میں لکھتے ہیں اور یہ صحاح ستہ کے رجال میں ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۶۸) اور عبد اللہ بن مقسم رحمہ اللہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۲۵۳)

دیتے کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی کوئی قرأت کی جاسکے۔ اور ان میں حضرت جابرؓ بھی ہیں، جو ببانگِ قہر قرأت سے ام القرآن کی قرأت مراد لیتے ہیں، بہر حال ان حضرات کی یہ تاویل قواعد اور اصول کے نیز صحیح احادیث کے خلاف ہوتے ہوئے۔ بعید از انصاف ہے، جو کسی طرح توجہ کی مستحق نہیں ہے اور صحیح اور مرفوع حدیثوں اور خود حضرت جابرؓ کے قون صریح کے مقابلہ میں یہ تاویل اس کی زیادہ مستحق ہے کہ — ع:

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

اثر حضرت عبداللہ بن مسعود: امام ابو بکرؓ بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الاحوصؓ نے بیان کیا۔ وہ منصورؓ سے اور وہ ابو وائلؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا:

اقرأ خلف الامام فقال ان في الصلوة شغلا
وسيكفيك قراءة الامام (الجوهري النقي
جلد ۱ ص ۱۷۰)
کیا میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں و حضرت
عبداللہؓ نے فرمایا کہ ناز میں امام قرأت میں
مشغول ہے اور تجھے امام کی قرأت ہی کافی ہو
جائے گی۔

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں چنانچہ علامہ بیہقیؒ کہتے ہیں و رجالہ موثقون۔
(مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۸۱) کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور مؤلف خبیر الکلام ض ۵۲ میں لکھتے ہیں
کہ صحیح ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اثر مطلق ہے۔ اس میں فائده کا بالخصوص ذکر نہیں۔۔۔ الخ
الجواب: مطلق کی نفی سے مقتد کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے اور اس کے مقابلہ
میں نہ تو ان کا کوئی اثر صحیح ہے اور نہ ام الکتاب کی تصریح ہے پھر کیوں اس صحیح اثر کو رد
کیا جاتا ہے؟ اس کے صحیح نہ ہونے کی بحث جلد دوم میں آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔
حلا وہ انیس اس کو مطلق (کہ فائده کو نہ شامل نہ ہو) کہنا بھی درست نہیں کیونکہ ایک روایت
لے امام ابو بکرؓ بن ابی شیبہؒ کا ترجمہ حدیث نمبر ۱۱۳ میں اور منصورؓ و ابو وائلؓ کا باب اقل میں حضرت
ابن مسعودؓ کے اثر کے ذیل میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ابو الاحوصؓ کا نام سلام بن سلیم تھا۔ علامہ ذہبیؒ
ان کو حافظ اور احداثیات لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۳)

میں یوں تصریح آتی ہے جو بطور تائید پیش کی جا رہی ہے۔

ان ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا لایقراً خلف
 الامام فیما یحرفیہ و فیما یخافت
 فیہ فی الاولیین و لا فی الاخریین و
 اذا صلی وحده قرأ فی الاولیین
 بفتح الکتاب و سورۃ... الخ
 کہ عبداللہ بن مسعود امام کے پیچھے نہ ہری نماز
 میں قرآن کرتے تھے اور نہ سترے زمین پہلی
 دو رکعتوں میں اور نہ پچھلی دو رکعتوں میں اور
 جب اکیلے نماز پڑھتے تھے تو پہلی دو رکعتوں
 میں سورۃ فاتحہ بھی پڑھتے اور دیگر کوئی اور
 (موطا امام محمد ص ۹۶) سورت بھی۔

ان کی اس مفصل روایت سے معلوم ہوا کہ قرأت میں فاتحہ خصوصیت سے شامل ہے۔
 اس کی سند یوں ہے: محمد بن ابان بن صالح القرظی (اس پر محدثین کرام رحمہ اللہ نے کلام کیا ہے،
 مگر مؤلف خیر الکلام وغیرہ کی صریح عبارات عرض کی جا چکی ہیں کہ تائید اور متابعت میں ضعیف
 حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ لہذا اس کو تائید اور متابعت میں پیش کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے)
 عن حماد بن عمار عن ابراہیم بن علقمہ بن قیس عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما... الخ
 باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور علقمہ بن قیس کے اثر میں ان کے تراجم آ رہے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے حضرت
 ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اثر یوں نقل کیا ہے

لَوْنُ الْحَمْلِ عَلَى جَمْعِ الْغَضَائِبِ إِلَى مَنْ أَنْ
 اِقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ -
 یعنی یہ کہ میں جنت و دشت کے جتنے کونلوں کو منہ
 میں پکڑوں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ امام
 کے پیچھے قرأت کروں اور پڑھوں۔ (ادنیٰ ظاہر
 ہے کہ قرأت فاتحہ ہی سے شروع ہوتی ہے)

دوسری سند: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبداللہ اور ابو سعید
 بن ابی عمرؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو العباس محمد بن یعقوبؒ نے بیان
 کیا حافظ ابو عبداللہ اور شعبہؒ کا ترجمہ باب اول میں حضرت مجاہدؒ کے اثر کے ذیل اور ابن ہشامؒ کا
 سعید بن المسیبؒ کے اثر کے تحت اور ثوریؒ کا مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ ابو العباسؒ کو علامہ ذہبیؒ امام الشافعیؒ
 محدث مشرق لکھتے ہیں (ایضاً ص ۳۷)

کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہارون بن سلیمان رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الرحمن بن مہدیؒ نے بیان کیا وہ سفیان (ثوریؒ) سے اور شعبہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں منصورؒ سے اور وہ ابو وائلؒ سے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا :

عن القراءة خلف الامام فقال انصت للقرآن فان في الصلوة شغلاً وسيكفيك ذلك الامام۔
کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ قرآن کے لیے خاموش رہو۔ امام ناسخ کے اندر قرأت میں مشغول ہے۔ اور تجھے

(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۸۱)

حضرت ابن مسعودؓ کے ان صحیح آثار سے معلوم ہوا کہ وہ تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے، ان کا ترجمہ اور حجاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان پر کئی اعتبار باب اول میں وضاحت اور صراحت سے گزر چکا ہے۔
اعتراض : امام بیہقیؒ کہتے ہیں : (۱) حضرت ابن مسعودؓ نے انصاف کا حکم دیا ہے اور انصاف ہماری نمازوں میں ہو سکتا ہے۔

(۲) حلقہ کا بیان ہے کہ میں نے نماز میں حضرت ابن مسعودؓ کو قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا پڑھتے سنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرأت کے قائل تھے۔

(۳) عبداللہ بن زیادؓ کا بیان ہے کہ میں نے ظہر اور عصر کی نماز میں ابن مسعودؓ سے قرأت سنی ہے۔ (سنن الکبریٰ و کتاب القراءۃ)

جواب : امام بیہقیؒ کے اعتراض کی جملہ شقیں مردود ہیں علی الترتیب جواب سن لیجئے (۱) حضرت ابن مسعودؓ تمام سری اور ہماری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے

۱۔ یہ تمام حضرات فقہاء اور محدثین رحمہم کے نزدیک مشہور و معروف ہے۔ (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۳)

انصاف کی پوری تحقیق باب اول میں آیت کے ذیل میں عرض کی جا چکی ہے اور فریق ثانی کا یہ امام ابوالعباس رحمہم کے حلیل القدیشؒ اور مشہور محدث تھے (دیکھئے تذکرہ جلد ۲ ص ۷۳) علامہ ذہبیؒ

ان کی سند کو صحیح سمجھتے ہیں (ایضاً جلد ۲ ص ۷۳)

شعبہ اور مغالطہ بھی نکال دیا گیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) امام بیہقی نے اس قول کی کوئی سند نقل نہیں کی اور خود امام بیہقی رحمہ اللہ کا ارشاد

ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین، جہول نامعتبر اور

غیر معلوم راویوں سے اخذ کریں۔ (کتاب القراءة ص ۱۲ طبع دہلی) علاوہ بریں اس روایت

میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ ابن مسعود نے امام کے پیچھے یہ آیت پڑھی تھی۔ اور اس کا بھی کوئی

ذکر نہیں کہ قیام کی حالت میں پڑھی تھی۔ کیوں یہ ممکن نہیں کہ سجدہ یا تشهد وغیرہ میں بطور دعا

یہ آیت پڑھی ہو۔ اور مزید برآں اس آیت سے أم القرآن اور فاتحۃ الكتاب کے خاص لفظ

پر استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

(۳) عبد اللہ بن زیاد اسدی رحمہ اللہ کی روایت پر روایت اور درایت کلام اپنے موقع

پر عرض کیا جائیگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

تیسری سند: حضرت ابن مسعودؓ سے تیسری سند کے ساتھ یہ الفاظ مروی ہیں:-

قال انصت للقراءة فان في الصلاة شغل و

سيفيك ذلك الا ما مر (طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۱)

مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۸۵، کتاب القراءة ص ۱۱۱،

موطا امام محمد ص ۹۱، فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۳۵

و آثار السنن جلد ۱ ص ۹۹ وغیرہ۔

اعتراض: مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں: (۱) سند میں وہیب رحمہ اللہ بن خالدؒ ہے،

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھا۔ لکنہ تغیر قلیلہ یا آخرہ (تقریب ص ۳۸۸)

آخر عمر میں تھوڑا سا تغیر ان کے حافظہ میں آچکا تھا۔

(۲) اس اثر کی سند میں نصر بن مزروعیؒ ہے اور مجھے اس کا ترجمہ نہیں مل سکا۔

(۳) اس میں خصیب واقع ہے نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ (ابکار المنن ص ۱۹۵)

جواب: یہ تمام شقیں باطل ہیں: (۱) ثقہ اور ثبت راوی کا تغیر سیرا و قلیل مضر

نہیں ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

(۲) خصیبت سے خصیبت بن ناصح رحمہ فرمادیں۔ امام ابو زرعدہ فرماتے ہیں ما بہ
 بأش انشا اللہ اور ابن حبان رحمہ ان کو ثقات ہیں لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۳ ص ۱۲۳)

(۳) نصر بن مزوق رحمہ کا ترجمہ اگر مبارک پوری صاحب کو نہیں ملا تو کیا ہرج ہے۔
 علامہ بیہقی رحمہ فرماتے ہیں رجالہ موثقون (مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۸۵) اس کے تمام راوی
 ثقہ ہیں اور علامہ بیہقی رحمہ لکھتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (آثار السنن جلد ۱ ص ۸۹) اور
 باقر مبارکپوری صاحب نہ جاننے والوں پر جاننے والوں کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ قاضی شوکانی
 لکھتے ہیں ومن علم حجة علی من لا یعلم (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۳۲) کہ جاننے والا نہ جاننے
 والے پر رجحت ہے، یعنی جاننے والے کی بات نہ جاننے والے کی بات پر راجح ہوگی۔ حضرت
 عبداللہ بن مسعود کی بعض صحیح روایتیں باب اول میں نقل کی جا چکی ہیں اور متعدد سندیں
 ان سے اور بھی مروی ہیں۔ مگر ہمارا مقصد تمام روایات و آثار کا استیعاب نہیں صرف اپنے
 دعویٰ کو روشن کرنا ہے۔

اثر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: امام طحاوی رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے

امام طحاوی رحمہ (ابو جعفر محمد بن محمد بن سلامہ الحنفی المتوفی ۲۶۱ھ) علامہ نسبی رحمہ لکھتے ہیں کہ وہ
 الامام العلامة اور الحافظ تھے اور انھوں نے بہترین کتابیں لکھی ہیں، محدث ابن یونس کا بیان ہے
 کہ وہ ثقہ، ثبت، فقیہ اور بڑے عقلمند تھے۔ اور انھوں نے اپنے بعد کوئی اپنا نظیر نہیں چھوڑا۔
 (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۷) مسلم بن قاسم رحمہ کا بیان ہے کہ وہ ثقہ جلیل القدر، فقیہ البدن اور علماء کے فخر و
 کے جاننے میں بڑی حیرت رکھتے تھے (لسان المیزان جلد ۱ ص ۲۷) حافظ ابو عمر رحمہ بن عبد البر رحمہ کا بیان
 ہے کہ وہ تمام فقہاء کے مذاہب پر گہری نگاہ رکھنے والے تھے۔ (الجوامع المفصلہ جلد ۱ ص ۱۱) امام
 ابن ندیم رحمہ فرماتے ہیں کہ وہ کان اوحد اهل زمانہ علما و زهاد (الفہرست لابن ندیم ص ۳)
 کہ وہ اپنے زمانہ میں علم و زہد میں یکتا تھے اور حافظ ابن القیم لکھتے ہیں: امام الحنفیۃ فی وقتہ
 فی الحدیث والفقہ ومعرفۃ اقوال السلف۔ ۱ (اجتماع جیوش الاسلام ص ۱۱)
 کہ وہ اپنے وقت میں حدیث فقہ اور معرفت اقوال سلف میں اخاف کے امام تھے۔

ابراہیم بن ابی داؤد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو صالح عبد الغفار بن داؤد الحارثی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا۔ وہ ابو حمزہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے سوال کیا

اقرأ واذا ما رمین یدہی قال لا۔ یعنی کیا امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟

(طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۹ والجوہر النقی جلد ۱ حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا۔ ہرگز نہیں۔)

ص ۱۲۹ و آثار السنن جلد ۱ ص ۸۹ وغیرہ)

اس صحیح روایت میں ستری اور بھری کی کوئی قید موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ تمام نمازیں

کو شامل ہے اور یہی حضرت ابن عباسؓ کا مسلک تھا۔

اعتراض: مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں:

(۱) حماد بن سلمہ کا آخر عمر میں حافظہ کچھ خراب ہو گیا تھا۔

(۲) عزیزؒ حضرت ابن عباسؓ سے اجازت قرأت خلف الامام کی روایت نقل کرتے

ہیں اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے۔ (ابکار المنن ص ۱۶)

جواب: یہ اعتراض بھی باطل ہے: (۱) تغیر لیسر کا محقق حکم پہلے لکھا جا چکا ہے

اور حماد بن سلمہ کا ترجمہ بھی نقل کیا جا چکا ہے کہ امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حماد بن

سلمہ حافظہ ابن حجرؒ ان کو من الحفاظ المکثرین لکھتے ہیں (لسان المیزان جلد ۱ ص ۲۴۵) کہ وہ حافظہ

حدیث میں شمار ہوتے ہیں جن سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ یاقوت حمویؒ فرماتے ہیں کہ ۲۴۲ میں

ان کی وفات ہوئی ہے اور وہ ثقہ اور حفاظ حدیث میں تھے۔ محدث ابن یونسؒ ان کو ثقہ اور من حفاظ

الحدیث لکھتے ہیں۔ علامہ سمعانیؒ بھی ان کو ثقہ اور من حفاظ الحدیث لکھتے ہیں اور امام ابن عساکرؒ

بھی ان کو ثقہ من حفاظ الحدیث کی صفت سے یاد کرتے ہیں۔ (امانی الاخبار جلد ۱ ص ۱۷)

۲۔ وہ ثقہ اور فقیہ تھے۔ (تقریب ص ۲۳)

تلاہ ان کی توثیق باب اول میں سعید بن السیبؒ کے اثر کے تحت نقل ہو چکی ہے۔

تلاہ ان کا نام نصر بن عمرانؒ تھا جو ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۳۴) حضرت ابن عباسؓ

جلیل، بقدر معافی ہیں۔

سلمۃ پر اعتراض کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کے اسلام میں متقم سمجھو۔ اصل الفاظ یہ ہیں
فاتحہ علی الاسلام اور نواب صاحب لکھتے ہیں کہ گویم حماد بن سلمہ امام است

تقریر میں مادام کہ درودش مانعی از اصول نبوی و مفسریت (بدور اللہ ص ۱۳۲)

(۲) یہ اپنے مقام پر عرض کیا جائے گا کہ غیر از یہ روایت میں کوئی غبار ہے یا نہیں؟

علاوہ بریں حضرت ابن عباسؓ کی بسند صحیح دو روایتیں باب اول میں نقل کی جا چکی ہیں۔

ایک اور روایت: حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے

سوال کیا گیا۔

قيل له ان تا سايق قرآن في الظهر والعصر

فقال لو كان لي عليهم سبيل لقلعت

الستهم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قرأ فكانت قرأته لنا قراءة وسكوته لنا

سكوتا۔

کہ کچھ لوگ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کرتے

ہیں کیا یہ درست ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے

فرمایا۔ اگر میرا ان پر پس چلتا تو میں ان کی زبانیں کھینچ

لیتا۔ کیونکہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

قرأت کی ہمیں بھی قرأت کرنی چاہیے اور آپ

نے سکوت اختیار کیا، ہمیں بھی سکوت کرنا چاہیے۔

(طحاوی جلد ۱ ص ۱۱۱)

اس اثر میں اگرچہ خلف الامام کی قید مذکور نہیں ہے۔ لیکن بادی تا مل یہ بات بخوبی معلوم ہو سکتی

ہے کہ امام اور منفرد کو تو بالاتفاق قرأت کرنا ضروری ہے۔ پھر نہ معلوم حضرت ابن عباسؓ جیسے

لے اس اثر کی سند کے راوی یہ ہیں: (۱) امام طحاوی (۲) ابن مردوقہ (۳) ابن کاتان (۴) ابن ابی شیبہ (۵) ابن مردوقہ تھا۔ امام

نسائی (۶) ابن کوساج اور ابی ہریرہؓ کہتے ہیں دارقطنیؒ ان کو ثقہ و بخیر کتب کہتے ہیں۔ ابن ابی شیبہؒ کہتے ہیں کہ وہ

ثقة اور ثبت تھے۔ ابن ابی حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور صدوق تھے۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور

معین بن عثمانؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۹۲ مصلد)

(۷) وہیب بن جریر ثقہ تھے (تقریب ص ۲۸۸) (۸) جریر بن حازم ثقہ تھے۔ (ایضاً ص ۲۸۸)

(۹) ابو یزید علی بن ابی حاتمؒ، امام احمد اور ابو داؤد ان پر اعتماد کرتے تھے، ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۸۸) حافظ ابن حجرؒ ان کو مقبول کہتے ہیں (تقریب ص ۲۳۲) (۱۰) عکرمہ ثقہ تھے

(ایضاً ص ۲۸۸) (۱۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی ہیں۔

ترجمان القرآن اور جبر الامۃ ان لوگوں کی زبانیں کھینچنے کے لیے کیوں آمادہ ہو گئے تھے؟ اگر ان کے بس اور قدرت میں ہوتا تو ضرور اپنا ارادہ پورا کر گزرتے، ناچار یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ نے ان کی اس مذموم حرکت سے انتہائی نفرت کی اور یہ بھی مت بھولے کہ پڑھنے والے ظہر اور عصر کی نماز میں پڑھتے تھے جو بالاجماع ستری نمازیں ہیں اور یہ ممکن تھا کہ قرأت مازاد علی لغتہ کی قرأت پر عمل کر لیا جاتا، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ حضرت ابن عباسؓ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت کے قائل نہ تھے، اور گزر چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت میں امام کے پیچھے خاص لفظ فاتحۃ الكتاب کے پڑھنے کی ممانعت آتی ہے۔ اور یہ بھی درست نہیں ہو سکتا کہ قرأت کو جہر پر عمل کر لیا جائے، اس لیے کہ قرأت کا تقابل سکوت سے کیا گیا ہے اور سکوت کے معنی آپ پہلے وضاحت کے ساتھ پڑھ چکے ہیں، بہر کیف خود اس اثر کے اندر ایسے قرائن موجود ہیں، جنہاں اس امر کو متعین کر دیتے ہیں کہ یہ بحالت اقتدار امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے جس پر حضرت ابن عباسؓ طیش میں آکر یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ باقی اثر کے اس حصہ کا مطلب کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرأت کی اور ہمارے لیے آپ کی اقتدار ضروری ہے اور آپ نے سکوت بھی کیا۔ اور ہمارے لیے سکوت میں بھی آپ کی پیروی لازمی ہے۔ تو اس کی پوری بحث سکوت کے ذیل میں کی جا چکی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحالت اقتدار سکوت اختیار کیا یا یہ مطلب ہو کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے امام تھے۔ اور آپ کی قرأت ہم سب مقتدیوں کی قرأت تھی۔ اور آپ کا پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کی قرأت کو ترک کر کے اس سے سکوت اختیار کرنا ہمارے لیے کافی ہوتا تھا تو اس لحاظ سے حدیث من کان لہ امام فقہۃ الامم لہ قرأۃ کی گویا یہ اثر تفسیر اور تشریح ہو گا۔ اس حصہ کا یہ مطلب ہو یا کوئی اور ہو ہمارا استدلال واضح ہے اور اس پر موقوف نہیں ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے صراحتاً اس پر ہمارے اس مطلب کو ایک قسم کی تحریف معنوی ہے" سے تعبیر کیا ہے اور دلیل یہ بیان

کی کہ بخاری اصل کی روایت میں ابن عباسؓ سے آتا ہے قرآن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما امر وسکت فیما امر... الخ امام بخاری نے اس سے جہر مراد لی ہے اور اس پر باب الجہر بقراءة صلوٰۃ الصبح قائم کیا ہے اور پھر ص ۳۱۹ اور ص ۳۲۰ میں لکھتے ہیں کہ امام اسمعیلیؒ اور حافظ ابن حجرؒ یہ مطلب لیتے ہیں کہ ابن عباسؓ کو ستری نمازوں میں قرأت کا شک تھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ نفی کرتے تھے مگر آخر میں قائل ہو گئے تھے لہذا اس سے مراد یا تو جہر ہے یا ان کا پہلا نظریہ ہے اور بعض حنفیہ کا مطلب قطعاً غلط ہے (مصلحہ) الجواب: مگر ہم نے استدلال بخاری کی روایت سے نہیں کیا بلکہ طحاوی کی روایت سے کیا ہے جس کے الفاظ اور ہیں اور اس میں تفصیل ہے اور ظہر اور عصر کی قید موجود ہے وہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ پہلے قرأت میں شک یا انکار کرتے تھے تو بات قدیسہ معقول ہے مگر اس کا صحیح ثبوت درکار ہے اور در صورت صحت امام بخاریؒ کی روایت کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے مگر ان سے ستری نمازوں میں قرأت اور ترک القراءة خلف الامام کی روایتیں بالکل صحیح ہیں اور دوسری روایتیں اس پایہ کی نہیں ہیں اس لیے ان کے آئینہ میں ان صحیح روایات کا مطلب لینا غلط ہے۔

اثر حضرت خلفاء راشدینؓ: امام عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے موسیٰ بن عقبہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں:

ان ابا بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ كانوا یصلون عن القراءة خلف الامام (بخاری جلد ۳ ص ۷۸ و احادیث السنن جلد ۱ ص ۷۸) کہ حضرت ابوبکرؓ (متوفی ۱۳ھ) اور حضرت عمرؓ (متوفی ۲۳ھ) اور حضرت عثمانؓ (متوفی ۳۵ھ) امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔ امام عبدالرزاقؒ اپنے مصنف میں داؤد بن قیسؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ

لہ ثقہ اور حافظ تھے۔ (تقریب ص ۲۴۰)

لہ ثقہ اور فقیہ تھے (تقریب ص ۳۹۸) ثبت اور کثیر الحدیث تھے (تہذیب التہذیب ص ۳) حجت اور صغار تابعین میں تھے (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۱۴)

تھے امام شافعیؒ ان کو ثقہ اور حافظ کہتے ہیں امام احمدؒ، ابو زرعہؒ، نسائیؒ، ابو حاتمؒ (باقی اگلے صفحہ پر)

(ظہاوی جلد ۱ ص ۱۲۹ منتخب کتب العمال^{۱۸۴}) ہیں۔

اور گو موسیٰ بن عقبہؒ اور محمد بن عجلانؒ کی روایتیں مرسل ہیں لیکن جہورائے کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے جس کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے۔ یہی اعتراض مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۱۲ میں کیا ہے کہ یہ دونوں اضعیف ہیں کیونکہ یہ دونوں مذکور راوی صغار تابعینؒ میں ہیں۔ حضرت عمرؓ سے ان کی لقائ ثابت نہیں ہے۔ (محصلاً) ہم بھی ان کو مرسل مانتے ہیں، مگر معتضد ہے جو حجت ہے اور مرسل معتضد کے حجت ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اور یہ ایک دوسرے کے اعتضاد کے لیے کافی ہیں اور دوسری حدیثیں اس پر مستزاد ہیں، حضرت علیؓ کی دوسری روایت میں ابن ابی لیلیٰؒ اور مختار بن ابی لیلیٰؒ کمزور اور ضعیف ہیں۔ اور اسی وجہ سے مبارکپوری صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے (دیکھئے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۰۹) مگر ہم نے اس سے استدلال نہیں کیا۔ بلکہ اس کو محض متابعت میں نقل کیا ہے، اور بقول مؤلف خیر الکلام ان میں بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی ہرج نہیں۔ ص ۳۱۲ حضرات خلفاء راشدینؒ اور حضرت معمر بن ابی وقاصؒ ایسے جلیل القدر اور بلند مرتبہ صحابہؓ کی دینی خدمات اور دیگر علمی اور عملی فضائل کا کون انکار کر سکتا ہے؟ یاں البتہ کوثر مغز اور خیر چشم کی بات ہی الگ ہے۔ یہ وہی اکابر ہیں جن کو دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جنتی ہونے کی بشارت اور خوشخبری مل چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مومن کا خطاب عنایت فرما کر ابدی رضا کا پروانہ سے دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ (المتوفی ۵۸ھ) اور حضرت عائشہؓ (المتوفی ۵۷ھ) کا اثر؛ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایوب بنی سمرقندیؒ نے بالمشافہ بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن نصرؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ان کا نام محمد بن اسحاق سمرقندیؒ ہے، جلیل القدر محدث اور فقیہ تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۰۹) میں

ص ۲۰۱ ان کا نام ذکر کیا ہے۔

علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ وہ الامم شیخ الاسلام اور الفقیہ تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۰۹) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ الفقیہ اور الحافظ تھے۔ (تہذیب التہذیب ۹ ص ۳۸۹) ابن حبانؒ ان کو احاد ائمہ فی الزمان کہتے ہیں (اصحاح)

ہیں کہ ہم سے محمد بن یحییٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عاصم نے بیان کیا، وہ ابو صالح ذکوان سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

انہما کانَا یا ملن بالقراءۃ ولعلا الامام
 کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔
 اذالمیرجس (سنن الکبیری جلد ۲ ص ۱۸۱)
 دونوں اس بات کا حکم دیتے تھے کہ جب امام
 ہر سے قرأت نہ کرتا ہو تو اس کے پیچھے قرأت کرنی
 چاہیے۔

دوسری سند: امام بیہقی رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن محمد بن الحارث رحمہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو محمد بن حیان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عبد اللہ بن رستم نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ضیاء بن فروخ رحمہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے علامہ ذہبی رحمہ کو امام شیخ الاسلام اور حافظ دیشاپور لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۲۸۱) ابو حاتم رحمہ ان کو امام اہل زمانہ اور ابو یوسف رحمہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے ہیں (ایضاً ص ۲۸۱) حافظ ابن حجر رحمہ ان کو امام لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۵۱۱)

علامہ ذہبی رحمہ ان کو حافظ العابد اور شیخ الشام لکھتے ہیں، امام بخاری رحمہ ان کو افضل اہل زمانہ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۳۱) امام عینی رحمہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو حاتم رحمہ ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۵۱۱)

علامہ عاصم رحمہ بن ہمدان اگرچہ بعض محدثین نے خطا را اضطراب اور وہم کی وجہ سے ان میں کلام کیا ہے لیکن جہود ان کو ثقہ کہتے ہیں چنانچہ امام احمد، علامہ ابن سعد عینی اور ابو زر رحمہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن معین ثقہ اور لا یأس بہ نسائی، لیس بہ یأس اور یعقوب بن سفیان ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتم رحمہ ان کو صداقت شعار اور صالح الحدیث کہتے ہیں۔ بزرگ بیان ہے کہ مجھے کوئی ایسا محدث معلوم نہیں جو ان سے روایت نہ کرتا ہو۔ امام یحییٰ رحمہ ان کو امام ائمہ کا ہم پایہ کہتے ہیں، ابن حبان رحمہ اور ابن شاپور رحمہ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۹) علامہ ذہبی رحمہ ان کو حسن الحدیث کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۵۰) حافظ ابن کثیر رحمہ بن ہمدان کی سند کو حید اور قوی کہتے ہیں (ابن کثیر جلد ۴ ص ۵۳) امام حاکم رحمہ اور

عکرمہ بن زہیر نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عاصم بن بہدلہ نے بیان کیا۔ وہ ابو صالح سے
اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں:

انہما کاذا یا مریان بالقرآن خلف الامام
فی الظہر والعصر فی الرکعتین الاولیین
بفاتحۃ الکتاب وشئ من القرآن وکانت
عائشہ تقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب۔
(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۸)

کہ وہ دونوں ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے
پچھے قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے اور دونوں
فرماتے تھے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ
فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنا چاہیے
اور حضرت عائشہؓ ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں

صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرتی تھیں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جہری نمازوں میں امام
کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے۔ صرف ظہر اور عصر کی ستری نمازوں میں وہ امام کے پیچھے قرآن
کے قائل اور اس پر عامل تھے۔ اور وہ دونوں پہلی رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ وشئ
من القرآن کی قرأت کے بھی قائل تھے۔ اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے اور اس روایت
سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں امام کے پیچھے حضرت ابو ہریرہؓ قرأت
سورۃ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔ ہاں حضرت عائشہؓ صدیقہ کا اس پر عمل تھا، حضرت عائشہؓ

اور حضرت ابو ہریرہؓ رضا کا حضرات صحابہ کرامؓ میں اور خاص طور پر فن روایت میں جو مقام
اور رتبہ ہے اور دین کی جتنی خدمات ان سے سرانجام ہوتی ہیں وہ کس سے مخفی ہیں؟

مبارک پوری صاحب نے عاصم بن بہدلہؓ کی وجہ سے اس روایت پر کلام کیا ہے۔
(دیکھئے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۹) لیکن مولانا اسحاق گریبان میں منہ ڈال کر ان کا موازنہ ذہن محمد بن
(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) علامہ ذہبیؒ عاصم بن بہدلہؓ کی روایت کو صحیح کہتے ہیں۔ (مسند جلد ۲

صفحہ ۴۱۶)

۱۷ امام احمدؒ ان کو ثقہ اور علامہ ذہبیؒ ان کو من اجل الناس واثقہم کہتے ہیں (تذکرہ جلد
ص ۸۳) اصول حدیث اور محدثین کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن و جید قوی اور صحیح ہے۔

اسحاق وغیرہ سے کر دیکھیں۔ مؤلف خیر الکلام ص ۵۱۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ اثر بھی بظاہر صحیح ہے مگر اس میں منافعت کا ذکر نہیں اور یہ اثر جہری نماز کی نفی میں صریح نہیں۔
الجواب: منافعت کا نہ سہی جہری نمازوں میں ترک قرأت کا ذکر تو ہے اور اذالم
 یجھل شرط اور قید ہے اور صراحت کیا ہوتی ہے؟ اور ترک قرأت خلف الامام کی وجہ سے
 بطلان نماز کی رٹ تو باطل ہوتی۔

حضرات! قارئین کرام! ابھی حضرات صحابہ کرام کے بہت سے آثار پیش کیے

۱۔ امام ابن قدامہ نے کئی سندات کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ،
 حضرت ابوسعیدؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور
 حذیفہؓ کی روایتیں نقل کی ہیں (معنی ابن قدامہ جلد ۱ ص ۶) اور حافظ ابو عمرو بن عبد البرؒ کے
 حوالے سے حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے نام نقل کیے جا چکے ہیں۔
 اور امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عمرؓ امام کے
 پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے (جزء القراءة ص ۳) اور علامہ عینیؒ نے مانعین قرأت خلف الامام
 میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ،
 حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت
 ابن عباسؓ کا ذکر بھی کیا ہے اور اس پر ایک روایت بھی وہ نقل کرتے ہیں (عمدة القاری جلد ۳ ص ۶۴)
 نیز علامہ عینیؒ نے اور ملاصل القاریؒ لکھتے ہیں کہ اسی حضرات صحابہ کرامؓ سے امام کے پیچھے قرأت کی نفعت
 کا ثبوت ملتا ہے۔ (عمدة القاری جلد ۳ ص ۶۴ اور شرح نقلیہ جلد ۱ ص ۸۳) بلکہ امام شعبیؒ نے تو یہاں تک فرمایا
 ہے: قال ادركت سبعين بدريا كلهم يمنعون المقتدي عن القراءة خلف الامام۔

(روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳) کہ میں نے ستر عدد بدریؓ حضرات صحابہ کرامؓ کو دیکھا ہے کہ وہ سب مقتدی
 کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے اور صاحب ہدایہ نے جلد ۱ ص ۱۱ میں تو اجماع صحابہؓ
 کا دعویٰ کیا ہے، حافظ ابن عبد البرؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ کی ان عبارتوں کو پیش نظر رکھتے
 ہوئے جواب اول میں نقل کی جا چکی ہیں (کہ آیت کا شان نزول بالا جماع خلف الامام کا مسئلہ ہے،
 اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنا منکر شاذ اور مخالف اجماع ہے) (باقی اگلے صفحہ پر)

جاسکتے ہیں۔ مگر ہمارا مقصد ان کا استیعاب نہیں ہے بلکہ ہم نے عدا صرف ان حضرات صحابہ کرام کے جن پر زیادہ تر علم حدیث فقہ اور دین موقوف ہے۔ (مثلاً حضرات خلفائے راشدین، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہم) صحیح آثار صرف بطور نمونہ عرض کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جہور اہل اسلام کا دامن قرآن کریم صحیح اور مرفوع احادیث کے علاوہ حضرات صحابہ کرامؓ کی کیسی با عظمت جہالت وابستہ ہے اور آخر میں ہم صرف ایک ہی اثر نقل کر کے حضرات صحابہ کرامؓ کے ان پیش کردہ اثنار پر گفتگو کرتے ہیں۔ وفيها كفاية لمن له هداية۔

اثر حضرت سعد بن (المتوفی ۵۵ھ) امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ داؤد بن قیسؒ نے ابن نجادؒ سے روایت کی ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاصؒ کی اولاد میں تھے اور وہ حضرت سعدؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

حدثنا الذي يقرأ خلف الامام في فيه جمرة (جزء القراءة من موطا امام محمد بن) کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہو، اس کے منہ میں آگ کی چٹکڑی ڈال دوں۔

(بقیہ حاشیہ پچھا منہ) صاحب ہدایہ کا یہ دعویٰ بنی برافصاف معلوم ہوتا ہے اور محض تعصب ہی پر اس کو عمل کر لینا قرین قیاس نہیں ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

یہ سخت الفاظ صرف حضرت سعدؒ سے منقول نہیں بلکہ دوسرے حضرات صحابہ کرامؓ وغیرہم سے بھی اسی طرح کے تہدیدیں الفاظ مروی ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں تیغ ڈالنا چاہیے (موطا امام محمد ص ۹۸ منتخب کنز ص ۱۸۷ والبحر النقی ص ۱۴۹، طحاوی ص ۱۶۹) اور ایک روایت میں نقن (بدلو دار چیز) اور ایک میں سرفسف (گرد تھیر) کے الفاظ آئے ہیں (جزء القراءة صلا وغیرہ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں آگ بھردی جاتے (زیلعی جلد ۲ ص ۱۲) اور حضرت اسودؒ تابعی کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، اس کے منہ میں مٹی ڈالی جائے (البحر النقی جلد ۲ ص ۱۶۹) اور حضرت علقمہؒ تابعی سے مٹی اور سرفسف دونوں الفاظ منقول ہیں (البحر النقی جلد ۲ ص ۱۶۹) اور حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ امام (باقی اگلے صفحہ پر)

اعتراض: امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے: (۱) ابن نجاد مجہول ہے۔
(۲) آگ کی چنگاری اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور انسانوں کو ایسی سزا دینے کی صحیح حدیث میں
نہی آئی ہے (بخاری جلد ۳ ص ۲۲۲ وغیرہ)

(۳) مجاد کہتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کر نیوالے کا منہ شکر سے بھر دیا جائے۔

جواب: حضرت امام بخاری کا یہ اعتراض تمام شقوں کے ساتھ بخدوش ہے،
ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ کریں: (۱) ابن نجاد کی جہالت کا دعویٰ کر کے اس اثر
سے اغماض کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام حاکم تحریر فرماتے ہیں:

وولد سعد بن ابی وقاص الی سنتہ خسیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولاد میں
وما تین فیہم فقہاء واثمہ وثقات و
حفاظ۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۵)
پیدا ہوتے رہے ہیں۔

اور امام بخاری کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی ہے۔ اس لیے ابن نجاد (جو حضرت سعد بن ابی وقاص
کی اولاد میں تھے) کی جہالت کو بہانہ بنا کر اس اثر کو رد کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام حاکم کی عبارت
کے پیش نظر ابن نجاد ثقہ حافظ اور امام تھے۔ علامہ عینی عبد الرزاق بن بہام کے طریق سے روایت
نقل کرتے ہیں:

عن داؤد بن قیس عن محمد بن بجاؤد (بکسر الاء) کہ داؤد بن قیس محمد بن بجاؤد سے روایت کرتے
الموحدة وتخفيف الجیم) عن موسى بن سعد ہیں اور وہ موسیٰ بن سعد سے روایت کرتے ہیں

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کے پیچھے قرأت کر نیوالے کی غازی سرے سے نہیں ہوتی (موطا امام محمد ص ۱) اگرچہ
ان میں بعض آثار کمزور ہیں، مگر کچھ صحیح بھی ہیں اور یہ سب مل ملا کر اس امر کی غامذی کرتے ہیں کہ ان کی بھی
کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہے، اگر نص قرآنی اور صحیح و مرفوع احادیث اور جہود ائمہ کا اس بات پر اتفاق
نہ ہوتا کہ امام کے پیچھے قرأت صحیح نہیں ہے تو یہ الفاظ یقیناً غلو اور زیادتی پر مشمول ہو سکتے تھے مگر سابق
ابواب کو پیش نظر رکھنے کے بعد قرآن کریم اور صحیح حدیث کی مخالفت کر نیوالے کے حق میں یہ الفاظ زیادہ
سنگین نہیں ہیں۔ ہاں البتہ ان دلائل سے جو شخص واقف ہو اور یہ ناواقف بھی محض دیانت پر مبنی ہو تو اس کے
لیے مزید احتیاط کی ضرورت ہے، خصوصاً وہ حضرات جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور جن کی نگاہوں اس طرح یکجا جمع
کئے ہوئے دلائل نہیں گذر سکے مگر یہ سب دلائل دریکہ کہ ضد کر نیوالے کے لیے یہ الفاظ بالکل مناسب ہیں۔

بن ابی وقاص قال ذکر فی ان سعد بن ^{سعد بن} وقاص
قال وددت ان الذی یقرأ خلف
الامام فی فیه حبی (عمدة القاری جلد
۶) ۶
کہ انھوں نے حضرت سعد سے روایت کی
انھوں نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص
امام کے پیچھے قرآن کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر
ڈالا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض ذلک سعد سے مراد موسیٰ بن سعد ہیں۔ محدث مولانا محمد حسن
صاحب فیض پوری فرماتے ہیں کہ
سہال اسنادہ ثقات
اس روایت کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔
(الدلیل المبین ص ۳۴۴)

لہذا مولف خیر الکلام کا عثمان بن عبد الرحمن وقاصی کے متروک اور جھوٹا ہونے سے اس
مذکور سند کے ضعف پر استدلال کرنا (ملاحظہ ہو ص ۵۷۲) باطل ہے کیونکہ یہ مذکورہ روایت
صحیح اور اس کی سند کے روایت ثقہ ہیں جن میں ابن بجاد بھی ہیں اور اغلب ہے کہ
جزء القرآن میں ابن بجاد ہی کا ابن بجاد بنا ہوا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں
کہ جس مسئلہ میں جہور صحابہ کرام کے دو یا تین قول ہوں تو ان سب پر اہل علم کے کسی نہ کسی
طائفہ نے عمل کیا ہے۔

وآیة ذلک ان تظہر فی مثل الموطاء
وجامع عبد الرزاق روایا تھم اھ
اور اس کی علامت یہ ہے کہ ان کی روایتیں،
موطا اور جامع عبد الرزاق میں بیان ہوئی ہوں۔
(حجة الله جلد ۱ ص ۱۸۱)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ اقوال صحابہ کرام جو موطا اور جامع عبد الرزاق میں ہوں وہ مستند
اور قابل اعتبار ہیں۔

(۲) قلعوں، سواری کے جانوروں اور انسانوں کو جلانے کے بارے حضرت صحابہ کرام میں خلاصہ اختلاف
ہے ایک گروہ جواز کا اور دوسرا عدم جواز کا قائل ہے۔ (فتح الباری ص ۱۵۴) حافظ ابن حجر نے جلانے کی حدیثوں
کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ (فتح الباری ص ۱۳۶ و ص ۱۵۴) لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر
نے حضرت صحابہ کرام کی موجودگی میں یاغیوں کو آگ میں جلیا یا تھا اور حضرت خالد بن الولید نے بھی مترنڈ

کو بلایا تھا اور آگے لکھا: واكثر علماء المدينة يجيزون الخ (فتح الباری ج ۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ نسخہ کا مسئلہ اتفاقی نہیں اغلب ہے کہ حضرت سعدؓ بھی جواز کے قائل تھے ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں وددت سے بڑھ کر لفظ هَمَعْتُ (کہ میں البتہ قصد اور ارادہ کر چکا ہوں) کے الفاظ آئے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بختمہ ارادہ کر چکا ہوں کہ جو لوگ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ ان کو گھروں کے اندر بند کر کے آگ میں جلا دوں (بخاری ص ۸۶ و مسلم ج ۲ ص ۲۳۲) نیز آپ نے فرمایا کہ جو لوگ جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوتے ہیں ان کو گھروں میں بند کر کے آگ میں جلا دے گا ارادہ کر چکا ہوں۔ مسلم ج ۲ ص ۲۳۲ و مشکوٰۃ ص ۱۲، اور آپ نے فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے، تو میں اپنا ارادہ پورا کر چکتا (مسند احمد ص ۵۵۰ والوداؤد طبعی مشن) حضرت سعدؓ نے تو خلاف شرع کام کرنے والوں کے لیے صرف آگ کے عذاب کی آزدگی ہے لیکن جناب رحمۃ اللہ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مجرموں کو آگ میں جلا دینے کا قصد تک فرما چکے تھے اور اگر عورتوں اور بچوں کا سوال سامنے نہ آتا تو آپ یقیناً اپنا ارادہ پورا کر گزرتے کیا یہ روایتیں امام بخاریؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہیں؟ اور کیا یہ حدیثیں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قائل کے لحاظ سے لاتعد جواہر عذاب اللہ کی حدیث کے خلاف ہیں؟ اگر نہیں تو اُمید قوی ہے کہ حضرت سعدؓ کا اثر بھی مخالف نہ ہوگا، بلکہ اس کو بطریق اولیٰ مخالف نہ ہونا چاہیے۔

ع: ”مانتے جس کو نہ تھے لیجئے پہنچے وہاں“

(۳) امام بخاریؒ نے حمادؒ کے قول کی سند بیان نہیں کی تو ایسی بے سند بات کا کب اعتبار ہے؟ علاوہ انہیں اگر حمادؒ کے قول کی سند بھی مل جائے، تب بھی قرآن کریم صحیح احادیث اور آثار صحابہؓ کے مقابلہ میں حمادؒ کے قول کی کیا وقعت ہے؟ خود امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ جب ایک چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو جائے تو اسودرہ وغیرہ کی بات کیسے محبت ہو سکتی ہے؟ (جزأ القراءة، ص ۱) بیچ ہے نگار خانہ میں طوطی کی کون سننا ہے؟

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ جو چیز منع ہوتی ہے اس کی تمنا بھی منع ہوتی ہے آپ کی تمنا ہی سے پھٹکی ہے اس کے بعد آپ نے منع کیا قرآن کریم میں ہے: لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ... الخ ص ۵۲۳

الجواب: بے شک جو چیز منع ہوتی ہے اس کی تمنا بھی منع ہوتی ہے لیکن

جن حضرات کے نزدیک آگ میں جلا نا جائز ہے ان کے نزدیک اس کی تمنا بھی جائز ہے۔ باقی قرآن کریم میں تمنائے عذاب کی غی نہیں ہے اس میں حسد سے منع کیا گیا ہے و آل چیزے دیگر است۔

لطیفہ: اگر حضرت حماد کے اس قول کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا — (ملیٰ فوہ سکرا) منہ شکر سے بھر دیا جاتے تو بھی اس سے حضرت امام بخاریؒ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اگر عین نماز کی حالت میں قاری کا منہ شکر سے بھرنا مراد ہے تو بجا یہ قرأت تو کیا کرے گا۔ جہر کے ساتھ آمین بھی نہیں کہہ سکیگا یک نہ شدد و شد، بلکہ وہ تو آہستہ آمین کہنے سے بھی رہا اور شکر بھی حضرت حمادؒ نے تھوڑی تجویز نہیں کی بلکہ اچھی خاصی تجویز کی ہے جس سے (ملیٰ فوہ سکرا) اس کا منہ خوب بھر سکے، کیا بعید ہے کہ حمادؒ نے امام کے پیچھے قرأت کی بندش کا یہ طریقہ ایجاد کیا ہو مگر امام بخاریؒ اس کی سطحی منہاس کو دیکھ کر ان کو اپنا ہمنوا سمجھ بیٹھے ہوں، مشہور ہے کہ گڑ سے مخالف کو جلدی قابو کیا جاسکتا ہے اور اگر امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا خارج از نماز شکر سے منہ بھرنا مراد ہے تو اس نمازک دور میں دوسری اشیا ر خورونی کی طرح شکر کے لیے بھی لوگ سرگرداں پھر رہے ہیں۔ فریق ثانی حضرت حمادؒ کے اس قول کا اعلان کر دے، پھر قدرت خدا کا تماشا دیکھے کہ جماعت کی تعداد کیسے بڑھتی اور اس کو کیسے ترقی حاصل ہوتی ہے؟ بلکہ ہیں تو یقین ہے کہ عوام تو کیا اچھے خاصے محدث بھی حضرت ابوسعید الخدریؒ کی مرفوع حدیث ان احق ما اخذتہ علیہ اجزا کتاب اللہ (او کما قل) سے اس شکر خوری پر استدلال کرتے نظر آئیں گے اور حمادؒ کے زمانہ کی شکر سے اس ترقی یافتہ دور کی شکر بد بھان زیادہ سفید اور عمدہ ہے اور بہت ممکن ہے کہ جو لوگ فریق ثانی سے فرعی مسائل میں قدرے دور ہیں (مثلاً پٹھان وغیرہ) اور چائے کے اشد عادی ہیں اور کھانڈ اور شکر نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اس شکاری اعلان کے بعد فریق ثانی کے حلقہ گوشش ہو جائیں اور بیماروں کو تو یونانی قدحوں پر قدحے پینے کے لیے شکر مل جائیگی۔ غرضیکہ اس اعلان کے بعد سورۃ فاتحہ کی برکت سے ہر کس و نا کس کو اس کا سورۃ الشفا اور سورۃ

السوال وغیرہ ہونا آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے اور اس کی برکت سے ہمیں توفیق حاصل ہے ہی، فریق ثانی کو بھی بڑی فتح اور کامرانی حاصل ہوگی۔ الغرض امام بخاریؒ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے لیے شکر و تحریز فرمائی اور عین نماز کی حالت میں جیسا کہ ان ظاہری الفاظ سے متبادر ہوتا ہے مگر یہ خیال نہ کیا کہ گھر کس کا پورا ہو رہا ہے؟ سچ ہے۔

ع۔ میری تعمیر میں مضمحل ہے اک صورت خرابی کی

حضرات! حضرات صحابہ کرامؓ کے ان مختصر سے آثار کے بعد مشتے نمونہ از خرواب کے طور پر بعض حضرات تابعینؓ و اتباع تابعینؓ وغیرہم کے کچھ آثار آپ کے سامنے عرض کیے جاتے ہیں تاکہ آپ کو حضرات تابعینؓ وغیرہم کا نظریہ بھی بسلسلہ قرأت خلف الامام معلوم ہو سکے اور اختصاراً نقل سند کے بعد ہم روایت کی توثیق بھی عرض کر س گئے ہوں اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات کے جوابات بھی عرض کر دیے جائیں گے۔

اثر علقمہ بن قیسؓ (المتوفی ۱۸۴ھ) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے امام ابو حنیفہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حمادؒ نے بیان کیا۔ وہ ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

لہ علامہ ذہبیؒ ان کو امام بارع لکھتے ہیں (مذکرہ جلد ۱ ص ۴۱) امام نوویؒ ان کو صاحب کمال فقیہ لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۳۳۳) علامہ ابن سعدؒ ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۶) ابو نعیمؒ کا بیان ہے کہ میں متعدد حضرات صحابہ کرامؓ کو علقمہؒ سے مسائل پوچھتے اور استفادہ کرتے دیکھا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۶) امام مسلمؒ اور دیگر محدثینؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے (ابواب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۶) امام احمدؒ ان کی تعریف کرتے تھے اور ان کو قابل اعتبار سمجھتے تھے۔ امام معمرؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام زہریؒ، حمادؒ اور قتادہؒ سے بڑھ کر دین کی سمجھ رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ امام ابن معینؒ، عیسیٰؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں، ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور مستقیم لکھتے ہیں۔ ابن عدیؒ (واباؤں) کہتے ہوئے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۶ و ۱۷)

۳۔ ان کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

ماقرأ علقمة بن قیس قطعیما یجہر فیہ
ولہ فیما لا یجہر فیہ ولہ الکتبتین الاخیرین
ام القرآن ولہ غیرہا خلف الامام -
(بحوالہ تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۹۰)

علقمہ بن قیسؓ نے امام کے پیچھے کبھی کسی نماز میں
قرآن نہیں کی نہ جہری نمازوں میں اور نہ ستری میں
(نہ پہلی رکعتوں میں اور نہ پچھلی رکعتوں میں، نہ
سورۃ فاتحہ اور نہ کوئی سورت امام کے پیچھے وہ
کچھ بھی نہیں پڑھتے تھے۔

اور یہ اثر اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ حضرت علقمہؓ امام کے پیچھے کسی نماز
میں کوئی قرآن نہیں کیا کرتے تھے۔

اعتراض: مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اولاً۔ اگرچہ محدث تھے مگر مدلس
اور مختلط تھے۔ وثانیاً۔ ابراہیم نخعیؒ کی علقمہؓ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ لہذا یہ روا
صحیح نہیں ہے۔ (ابکار المنن ص ۱۹۹)

جواب: جب محدث تھے اس روایت میں اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ محدثین نے اس امر کی تصدیق
کی ہے کہ انکو اختلاف کا عارضہ آخر میں ہی ہوا تھا اور ابراہیم نخعیؒ کی روایت میں خطا نہیں کرتے تھے (تہذیب الثبوت ص ۱۰۸)
مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ اور سفیانؒ اور ان کے طبقہ کے مدلسین کی مدلیس مضر
نہیں ہے۔ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ نے علقمہؓ سے سماعت کی ہے۔

(تذکرہ جلد ۱ ص ۲۰۲ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۰۸) اس لیے مبارکپوری صاحبؒ کا یہ دعویٰ کرنا کہ ابراہیم
نخعیؒ نے علقمہؓ سے ملاقات نہیں کی مردود ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابراہیم نخعیؒ
کی ملاقات علقمہؓ سے نہیں ہوئی تو یہ روایت مرسل ہوگی۔ اور امام دارقطنیؒ، امام طحاویؒ، حافظ
ابن قیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ کی مرسل روایتیں بھی حجت اور
صحیح ہیں۔ (دارقطنی جلد ۲ ص ۳، طحاوی جلد ۱ ص ۱۲، زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۵۴ و درایہ حل) اور امام

بیہقیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مرسلات ابراہیم صحیحۃ الا حدیث تاجر البحرین۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۲)
لہذا یاد رہے کہ یہ روایت صرف مرسل ہی نہیں بلکہ مسند اور مرفوع بھی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرما
ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا کہ حضرت! میں بحرین کے علاقہ میں
تجارت کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ آپؐ فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو (رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ موثقون مجمع الزوائد
جلد ۲ ص ۲۸۳)

کہ تاجربن سحرین کے مضمون والی روایت کے علاوہ ابراہیمؒ کی تمام مرسل روایتیں صحیح ہیں، بہر حال یہ روایت فن روایت اور محدثین کے اصول کے ماتحت بالکل صحیح اور حجت ہے۔
 اثر عمر بن ميمون (المتوفى سنة ۱۸۵) وغیرہ ابو بکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، وہ اشعثؒ سے اور وہ مالک بن عمارہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب اور تلامذہ سے جن میں خصوصیت سے عمر بن ميمون قابل ذکر ہیں۔ امام کے پیچھے قرآن کرنے سے متعلق سوال کیا۔ کلہم یقولوا لا یقر خلف الامام (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۱) تو ان سب نے جواب یہ دیا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہئے، محقق نیموی نے فرمایا تھا کہ مجھے مالک بن عمارہ کا ترجمہ نہیں مل سکا، مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ تو اس اثر کا پیش کرنا بے سود ہے۔ (ابکار المنی ص ۱۸) مگر ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ مالک بن عامر ہیں جو ثقہ اور ثبوت تھے اور یہ اثر بھی صحیح ہے، حضرت علیؒ جب کوثر تشریف لے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

لے علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور الامام لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱)

۱۵ ان کا ترجمہ گذر چکا ہے۔ ۱۶ وہ ثقہ متقن اور عابد تھے (تقریب ص ۱۲)

۱۷ اشعث بن ابی الشعثاء، امام ابن معین، ابو حاتم، نسائی، ابوداؤد اور بزاز سب ان کو ثقہ لکھتے ہیں، عجلان کو شیوخ کوثر اور ثقات میں لکھتے ہیں اور ابن جابر اور ابن شاذان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔

تہذیب، التہذیب جلد ۱ ص ۳۵ حافظ ابن حجر ان کو ثقہ لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۲)

۱۸ یہ مالک بن عمارہ نہیں بلکہ مالک بن عامر ہیں جو اشعثؒ سے روایت کرتے ہیں (دیکھئے تہذیب

التہذیب جلد ۱ ص ۳۵۵ وغیرہ) علامہ ذہبیؒ ان کو صاحب ابن مسعود قدیم المذت اور ثقہ لکھتے ہیں،

(میزان جلد ۱ ص ۳) امام ابن معین، ابوداؤد اور ابن سعد ان کو ثقہ لکھتے ہیں، ابن جابر ثقات میں لکھتے

ہیں (تہذیب، التہذیب جلد ۱ ص ۱۲) حافظ ابن حجر ان کو ثقہ لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۲) ابوعطیہ ان کی

کنیت تھی بخاری ۲ ص ۶۵ اور تہذیب جلد ۱ ص ۸۸ میں ان کا ذکر ہے۔

۱۹ نواب صاحب نے اصحاب علیؒ اور عبداللہؒ سے اشباحیس کے نام بتلائے ہیں جو جلیل القدر محدث

اور امام تھے۔ (المجملہ ص ۱)

اصحاب عبد اللہ شرح هذه القرية (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۷) عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب اس شہر کے روشن چراغ ہیں اور آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اصحاب عبد اللہ سب کے سب امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔

اثر اسود بن یزید (المتوفی ۱۵۰ھ) ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں ہم سے ابن علیؓ نے بیان کیا۔ وہ ایوبؓ اور ابن ابی عروہؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ دونوں ابو معشرؓ سے وہ ابراہیم نخعیؓ سے اور وہ اسود بن یزیدؓ سے۔

قل لوان اعرض جمرۃ احب الی من ان اقل
خلف الامام اعلم انه یقرأ۔
انہوں نے فرمایا کہ میں اس بات کو زیادہ
پسند کرتا ہوں کہ اپنے منہ میں آگ کی چنگاری
ڈال لوں بجائے اس کے کہ میں امام کے پیچھے قرأت
کروں جبکہ مجھے علم ہے کہ وہ پڑھتا ہے۔

یہ روایت بھی اپنے مدلول میں واضح ہے۔ مبارکپوری صاحب نے ابراہیم نخعیؓ کی تدلیس کا بہانہ کیا ہے۔ (ابکار وغیرہ) مگر بے سود ہے کیونکہ یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ علامہ ذہبیؒ ان کو امام فقیہ، زاہد، عابد اور کوفہ کا امام لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۳ ص ۴۳) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسامی جلد ۱ ص ۱۲۱) محدث ابن حبانؒ ان کو فقیہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۴) حافظ ابن کثیرؒ ان کو من کبار التابعین اور من اعیان اصحاب ابن مسعودؓ اور من کبار اهل الکوفة لکھتے ہیں (الہدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۷۱)

۱۵۰ھ ان کا نام اسماعیل بن ابراہیم بن مقسمؓ تھا، جو ثقہ اور حافظ تھے۔

۱۵۱ھ ایوبؓ کا ترجمہ باب اول میں حضرت ابن مسعودؓ کے اثام کے تحت اور ابن ابی عروہؓ کا باب دوم حدیث کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

۱۵۲ھ ابو معشرؓ کا نام زیاد بن کلیبؓ تھا۔ محدث عملیؓ، نسائیؓ، ابن مدینیؓ اور ابو جعفرؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو حافظ متقین میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۸۳)

ابراہیم نخعی اس طبقہ کے مدلس تھے جن کی تدلیس مضر نہیں ہے اور ان کی جملہ روایتیں (علامہ
ایک روایت تاجہ بخرین کے) محبت ہیں، چنانچہ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: قلت استقر
الامراء علی ان ابراہیم حجة (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۳۵) میں کہتا ہوں یہ طے
شدہ بات ہے کہ ابراہیم محبت تھے۔

دوسری سند: ابو بکر بن ابی شیبہؒ، ہیثمؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے
ہیں کہ ہم سے اسمعیل بن ابی خالد نے بیان کیا۔ وہ وبرہؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت
اسود بن یزیدؒ سے وہ فرماتے ہیں قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام مثنیٰ فہ
قربا (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۹۰) کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے
والے کا مثنیٰ مثنیٰ سے بھر دیا جائے۔

تیسری سند: عبدالرزاق بن ہمامؒ اپنے مصنف میں سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے
ہیں اور وہ امام احمدؒ سے اور وہ ابراہیم نخعیؒ سے اور وہ اسود بن یزیدؒ سے وہ فرماتے
ہیں کہ

قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام مثنیٰ فہ قربا (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۹)
میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے
پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا مثنیٰ مثنیٰ سے بھر دیا جائے۔

۱۔ ہیثم بن بشیر ثقہ اور ثبت لیکن کثیر التدلیس تھے (تقریب ص ۳۸۱) مگر اس روایت میں وہ تخریث
کرتے ہیں۔

۲۔ امام ابن حمدی، ابن معین، نسائی اور علی بن کوثرؒ کہتے ہیں، ابن عمار موصیٰ ان کو محبت اور یعقوب
بن سفیان ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں۔ ابو حاتم، یعقوب بن شیبہ، ابن حبان اور ابن عیینہ ان کو ثقہ،
ثبت اور حافظ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۱)

۳۔ وبرہ بن عبدالرحمنؒ امام ابو زرہؒ، ابن معین اور علی بن کوثرؒ کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں
کہتے ہیں (ایضاً جلد ۱ ص ۱۱۱)

۴۔ عبدالرزاق بن ہمامؒ کا ترجمہ حضرت علیؒ میں اور سفیان ثوریؒ کا مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ بشیہ
روایت کا ترجمہ بھی گذر چکا ہے۔ امام احمدؒ ثقہ اور حافظ تھے (تقریب ص ۱۱۱) البتہ مدلس تھے، لیکن
حضرت قتادہ کی محبت مانعہ کر لیجئے کہ ان کی تدلیس بھر مضر نہیں ہے۔

غالباً حضرت اسود کے یہی وہ الفاظ ہیں، جن پر حضرت امام بخاریؒ بہت ناراض تھے
ہیں (دیکھئے جزأ القرآۃ ص ۱)

اثر سید بن غفلہ (المعروف سائنہ) ابو بکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے فضل بن
دکین نے بیان کیا۔ وہ زہیرؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ ولید بن قیسؒ سے روایت
کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سید بن غفلہ سے سوال کیا۔ اقرأ خلف الامام
فی الظہر والعصا قال لا (قلیق الحسن جلد ۱) کیا میں ظہر اور عصا کی نمازیں امام کے
پچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ فرمایا نہیں، اس اثر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سائل کو دوسری
نمازوں کے بارے میں تو یہ علم تھا کہ ان میں امام کے پچھے قرأت صحیح نہیں ہے۔ لیکن
اس کو صرف ظہر اور عصا کی نمازیں قرآۃ خلف الامام کے بارے میں تردید تھا۔ سو حضرت سیدؒ
نے اس کا یہ مغالطہ بھی نکال دیا ہے۔

اعتراف: مبارکپوری صاحبؒ کہتے ہیں کہ سند میں ولید بن قیسؒ کی ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ کو مقبول کہتے ہیں (تقریب ص ۳۸۶)
اور علامہ بیہقیؒ نے جبل المتین میں لکھا ہے کہ جس آدمی کے متعلق حافظ ابن حجرؒ مقبول کہتے ہیں وہ ضرور ہوتا ہے۔ لہذا
یہ اثر گزور ہے (اجار المتین ص ۱۹۶) جواب: جبل المتین ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ نہ معلوم محقق

سے علامہ فریبیؒ لکھتے ہیں کہ فقہ بلند مرتبہ عابد، زاہد، فانی، بالیسیر اور کبیر الشان تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۱)
امام ابن معینؒ اور عجمیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، محدث ابن قانعؒ ان کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں (تہذیب
التہذیب ص ۱۱) حافظ ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت سید بن غفلہؒ نے فرمایا کہ میں آن حضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہم عمر ہوں کیونکہ میری ولادت بھی عام فیل میں ہوئی ہے اور امام بیہقیؒ ان سے یہ نقل
کرتے ہیں کہ میں آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے صرف دو سال عمر میں چھوٹا ہوں (البدایہ والنہایہ
جلد ۲ ص ۲۶۶)

سے ابو بکر بن ابی شیبہؒ اور فضل بن دکینؒ کا ترجمہ گذر چکا ہے۔

سے زہیر بن معاویہؒ ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۳۸)

۳ ولید بن قیسؒ سکونی امام ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام نسائیؒ ان کا تعریف کرتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات
میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۳۸)

نیموئی یہ کہیں راوی اور کس موقع اور محل لکھا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس راوی کے متعلق لکھا ہو، جس کو دیگر محدثین کمزور بتاتے ہوں اور صرف حافظ ابن حجر ہی اس کو مقبول کہتے ہوں اور ولید بن قیس کو دیگر محدثین بھی ثقہ کہتے ہیں۔ علاوہ بریں مبارکپوری صاحب کو یہ مخالف ہوا ہے۔ یہ راوی ولید بن قیس نجیبی نہیں جن کو حافظ ابن حجر مقبول لکھتے ہیں (اور محدث عجللی تابعی اور ثقہ لکھتے ہیں۔ اور ابن حبان ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۷) بلکہ یہ ولید بن قیس سکونی ہیں جو نہ ہیر سے روایت کرتے ہیں (دیکھتے تہذیب التہذیب ص ۱۳۶) ع: "میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا"

اثر نافع بن جبیر (المتوفی ۳۱۷ھ) امام مالکؒ یزید بن رومان سے روایت کرتے ہیں اور وہ نافع بن جبیر سے کان یقرأ خلف النخاع (یجہد فیہ الامام) (موطا امام مالک ص ۱)

لے محقق نیموئی کا نام طہیر حسن ابوالخیر کنیت اور شوق تخلص تھا۔ آپ مولانا علامہ محمد عبدالحیؒ لکھنوی (المتوفی ۱۲۷۷ھ) کے شاگرد رشید تھے، بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے، فن اسماہ الرجال پر نگری نظر رکھتے تھے، اور خداداد ذہانت اور فطانت میں قاضی شوکانی سے بھی انکا پایہ بہت بلند تھا۔ مگر افسوس کہ ناپائیدار زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ان کی قابلیت کے پورے جہر بھی اچھی طرح اجاگر نہ ہوئے تھے کہ، اردو رمضان ۱۲۷۷ھ میں اللہ تعالیٰ کو پیار سے ہو گئے۔ آپ کی مشہور کتاب آثار السنن (مع حاشیہ تعلیق الحسن) کو علامہ بڑی قد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور فریق ثانی کی نگاہوں میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے، مولانا مبارکپوری صاحب نے ابکار المعن لکھ کر اپنی جماعت کو یہ یاد دلانے کی کوشش کی ہے کہ یہ آثار السنن کا جواب ہے، مگر وہ بری طرح اس میں ناکام رہے ہیں، فریق ثانی کے چیدہ چیدہ علماء کو بلکہ خود مبارکپوری صاحب کو بھی اس کا گہرا احساس تھا اور میر سلیم الطبع آدمی اس ٹھوس نظریہ کا یقیناً احساس کر سکتا ہے ولیمین الخیر کالمدینۃ۔

۱۷۰۰ م نوویؒ لکھتے ہیں کہ نافع بن جبیر امام اور فاضل تھے۔ ان کی قرین اور جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماہ جلد ۱ ص ۱۲۷) ابن خراشؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ مشہور اور امام تھے۔ وہ مدینہ طیبہ کے صاحب افتاد علماء میں تھے اور ان کے فتاویٰ معتبر سمجھے جاتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۷) حافظ ابن کثیرؒ ان کو من الثقات النبلاء اور من الثماتہ الاجلاء لکھتے ہیں (تہذیب و اسماہ جلد ۱ ص ۱۲۷) حضرت امام مالکؒ کا ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے) (ص ۳۰۵)

کہ وہ امام کے پیچھے صرف ان نمازوں میں قرأت کرتے تھے جن میں امام جہر سے قرأت نہیں کرتا تھا۔ اگر ہر نماز اور ہر رکعت میں امام کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ ضروری ہوتی۔ تو حضرت نافعؓ بن جبیرؓ سب نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے، مگر وہ صرف ستر نمازوں میں قرأت کرتے تھے۔ اور کیا بعید ہے کہ امام مالکؒ وغیرہ کی طرح وہ بھی استحباب کے قائل ہوں اگر وہ وجوب کے بھی قائل ہوں۔ تب بھی فریق ثانی کی جہری نمازوں میں بطلان نماز کی رٹ تو غلط ہو جائیگی۔ وعلیٰ ہذا القیاس جو جتنے آثار نقل کریں گے، جن میں صرف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ترک قرأت کا ثبوت ہوگا۔ ان سے ہمارا مدعا بھی محض یہ ہے کہ فریق ثانی کا عمومی نظریہ صحیح نہیں ہے اور بس گو ان میں ستر نمازوں کے اندر قرأت کا ثبوت بھی ہوگا، استحبابی طور پر ہو یا وجہی طور پر بہر حال ہمارا مطلب اور مدعا واضح ہے۔

اثر سعید بن المسیبؓ (التوفی ۹۲ھ) ابو بکرؓ بن ابی شیبہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیعؓ نے بیان کیا۔ وہ ہشامؓ و ستوانیؓ سے اور وہ حضرت سعید بن المسیبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: انصت للامام (آثار السنن جلد ۱ ص ۱۸۱) یعنی امام کے پیچھے بالکل خاموشی اختیار کرو، اور قرأت نہ کیا کرو۔ حضرت سعید بن المسیبؓ کا ایک اثر باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے اور یہ اثر بھی اپنے معنوی اعتبار سے واضح ہے۔

اعتراض: مبارکپوری صاحبؒ کہتے ہیں کہ اولاً۔۔۔ اس اثر کی سند میں قنادہ مدلس ہیں، جو عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ثانیاً۔۔۔ امام بخاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیبؓ، عروہؓ، شعبیؓ، عبید اللہؓ بن عبد اللہؓ نافعؓ بن جبیرؓ، ابو الملیحؓ، قاسم بن محمدؓ، ابو مجلزؓ، کحولؓ، مالکؓ بن عوفؓ اور سعید بن ابی عروہؓ یہ قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ (جزء القراءة ص ۱) لہذا یہ اثر حجت نہیں ہو سکتا (ابکار المنن وغیرہ)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) یزید بن رومانؓ کو امام نسائیؒ رح اور ابن معینؒ ثقہ کہتے ہیں۔ علامہ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ علامہ ابن سعدؒ ان کو عالم، کثیر الحدیث اور ثقہ کہتے ہیں (تہذیب ۱ ص ۳۲۵) لہ ہشام و ستوانیؓ مدثقا اور ثبت تھے (تقریب ص ۳۵) حضرت سعید بن المسیبؓ کا ترجمہ باب اول میں اور قنادہ وکیعؓ اور ابو بکرؓ بن ابی شیبہؓ کا باب ثانی میں نقل ہو چکا ہے۔ وہاں ہی ملاحظہ کریں۔

جواب: حضرت قتادہؓ کی تدلیس کا مفصل جواب پہلے دیا جا چکا ہے اور حضرت سعید بن المسیبؓ کے بسند صحیح و اثر ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات بحث نہیں ہو سکتی۔ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ نافع بن جبیرؓ اور قاسم بن محمدؓ وغیرہ کو مطلقاً مجوزین قرأت خلف الامام میں شمار کرنا باطل ہے بعض کے آثار اس کے خلاف نقل کیے جا چکے ہیں اور بعض کے عرض کر دیے جائیں گے۔ اور بقیہ آثار کی اسانید پر آثار خصوم میں بحث کی جائیگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

اثر سعید بن جبیرؓ (المتوفی ۹۴ھ) ابو بکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہیثم بن بیانؒ کیا۔ وہ ابوشیر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے سوال کیا۔

عن القراءة خلف الامام قال ليس خلف الامام قراءة۔
کیا امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے؟ فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی کوئی قرأت نہیں کی جاسکتی۔

(تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۱)

اعتراض: مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اقلاً — ہیثم مدلس تھے۔ اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں وثانیاً — حضرت سعید بن جبیرؓ سکتا امام میں قرأت کے قائل تھے (جزء القراءة ص ۵) اس لیے یہ اثر قابل احتجاج نہیں ہو سکتا۔ (ابکار المن ص ۱۶ وغیرہ)

جواب: یہ بالکل صحیح ہے کہ ہیثمؒ کثیر التدلیس تھے، لیکن حضرت امام بخاریؒ اور علامہ ذہبیؒ ان کی مععنہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں (دیکھئے صحیح بخاریؒ جلد ۱ ص ۱۰۷ تذکرہ ص ۷۰ ص ۲۲۴ وغیرہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تدلیس بھی مفر نہیں ہے، مزید تائید کے لیے علامہ مذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ علماء اعلام میں تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۵) امام نوویؒ کا بیان ہے کہ وہ تابعینؒ کے ائمہ کبار میں تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عبادت اور زہد و ورع اور جملہ کمالات میں وہ کبار ائمہ اور سرگروہ تابعینؒ میں تھے۔ (تہذیب الاسما جلد ۱ ص ۲۱۶)

علامہ ابوبشرؒ کا نام جعفرؒ بن ایاسؒ تھا اور وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۱۶) ہیثمؒ کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک اور روایت میں لیجئے امام ابن جریر عبد اللہ بن مبارک کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور وہ بقیہ بن ولید سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بن عجلان سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے سنا۔ انھوں نے فرمایا کہ آیت واذا قرأت القرآن... الا یہ خطبہ، جمعہ اور جہزی نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کی نعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۸۳) اور سعید بن جبیر کے سنا والے اثر کا جواب باب اول اعتراض کے جواب میں دیکھ لیں کہ نہایت کمزور اور ضعیف ہے۔

اثر عروہ بن زبیر (المتوفی ۹۳ھ) امام مالک ہشام بن عروہ اور وہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں:

انہ کان یقر خلف الامام ذالمویجھ فیہ الامام بالقرۃ (موطا امام مالک ص ۱۰۰) کہ وہ امام کے پیچھے صرف ان نمازوں میں قرأت کیا کرتے تھے جن میں اُجر سے قرأت نہیں کیا کرتا تھا۔

اثر ابراہیم نخعی (المتوفی ۹۶ھ) ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو خالد نے بیان کیا وہ اعشش سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

لہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بشمار ہیں، ان کی جلالت علم نے مرتبت اور وفور علم پر سب کا اتفاق ہے فقہ میں ان کو اتنا کمال حاصل تھا کہ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاریں ایک فقیہ مانے چلتے تھے (تہذیب الاسلام جلد ۱ ص ۳۳) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام اور عالم مدینہ لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۵۳) علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ ثبت کثیر الحدیث فقیہ اور بلند قدر لکھتے ہیں (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۳) ان کا علمی کمال اس قدر مستطیع تھا کہ بڑے بڑے حضرات صحابہ کرامؓ مسائل ان کی طرف جمع کرتے تھے (البدایہ والنہایہ ۹ ط ۱) اس کمال کے باوجود اس قدر محتاط تھے کہ کوئی مسئلہ اپنی رائے سے نہ بیان کرتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۸۳)

کے علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ، الحجة الفقیہ لکھتے ہیں (تذکرہ ۱ ص ۱۳۰) خالد الاثر کا ترجمہ باب دوم حدیث میں اور ابراہیم نخعی کا مقدمہ میں اور امام اعشش کا حضرت اسودؒ

اقل ما احده ثلثا، لقراءة خلف الامام
 وكافوا لا بقراء اول (البحر المنقى جلد ۲)
 اور یہی مفسرین بعینہ شمس الدین ابن قدامہ نے
 بھی نقل کیا ہے۔ (شرح مقنع جلد ۲ ص ۱۲۱)
 یعنی لوگوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی
 بدعت ایجاد کی ہے۔ اور وہ (یعنی حضرات
 صحابہ کرام و تابعین) امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا
 کرتے تھے۔

امام ابن قدامہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ لوگوں نے امام کے پیچھے
 قرأت کرنے کی بدعت مختار کے زماں ہی نکالی، کیونکہ وہ لوگوں کو دن کی نمازیں تو پڑھا
 دیا کرتا تھا۔ مگر رات کی نمازیں نہیں پڑھاتا تھا (اور حاکم ہونے کے باعث ناچار لوگوں
 کو اس کے پیچھے نمازیں پڑھنی پڑتی تھیں اس لیے) اس سے بظن ہو کر لوگوں نے اس
 کے پیچھے قرأت شروع کر دی (مغنی ابن قدامہ جلد ۱ ص ۱۲۱) اگر یہ نقل صحیح ہے تو
 امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بدعت ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت مل سکتا
 ہے؟ تسلیم کرنے والے کے لیے یہ دلائل بڑے مضبوط اور ٹھوس ہیں البتہ نہ ماننے والے کا
 کوئی علاج نہیں۔

اثر قاسم بن محمد (المتوفی ۳۸۵ھ) امام مالکؒ کی بھئی بن سعید اور امام ربیعہ بن عبد الرحمنؒ
 ۱۱ علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ قاسم بن محمدؒ امام القدوة اور الفقیہ تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۹) علامہ ابن سعد
 لکھتے ہیں کہ وہ رفیع المنزلت عالی مرتبت فقیہ امام اور بڑے حافظ حدیث تھے اور متورع تھے (طبقات
 جلد ۵ ص ۱۲۳) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی جلالت و شرف اور امامت
 سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسما جلد ۵ ص ۵۵) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ اعدا الفقہار المشہورین
 اور افضل اہل مدینہ اور اعلم اہل زمانہ تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۵) امام مالکؒ فرماتے تھے کہ قاسمؒ
 اس امت کے فقہار میں تھے (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۳) ابو الزنادؒ کہتے ہیں کہ میں نے قاسمؒ
 سے زیادہ سنت کا عالم اور فقیہ نہیں دیکھا (تذکرہ جلد ۱ ص ۹)

۱۲ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ شیخ الاسلام، عالم اور قاضی المدینہ لکھتے ہیں (ایضاً ص ۱۴)
 ۱۳ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ امام، حافظ، فقیہ اور مجتہد تھے۔ علامہ خطیبؒ کا بیان ہے کہ وہ
 فقیہ، عالم اور حافظ فقہ اور حدیث تھے (ایضاً جلد ۱ ص ۱۴)

سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت قاسم بن محمدؒ سے کہ وہ کان یقرأ خلف الامام فیما لا یجہد فیہ الامام بالقراءة (موطا امام مالک ص ۲) صرف ان نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے جن میں امام جہر سے قرأت نہیں کرتا تھا۔ یہ اثر بھی جہری نمازوں میں ترک القراءت خلف الامام کے بارے میں بالکل روشن اور واضح ہے۔

امام اوزاعیؒ (المتوفی ۱۵۷ھ) بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ جیسا کہ امام ابن قدامہؒ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل تھے لیکن صرف استحباب کے طور پر چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

ومذهب طائفة کثیرة کالأوزاعی وغیرہ
من الشامیین یقرأھا مستحبابا وھو
اختیار جہداً استحب (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۲)
اور ایک گروہ کا یہ مسلک ہے جیسے امام اوزاعیؒ
اور ان کے علاوہ دوسرے شام میں رہنے والے
علماء کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا صرف استحباب کے
درجے میں ہے اور اسی مسلک کے ہمارے دادا
نے اختیار کیا۔

کیا بعید ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت مکرّمؓ وغیرہ شامی علماء اور ائمہ
وغیرہ من الشامیین کی مد میں شامل ہوں اور امام کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ کے صرف
استحباب کے قائل ہوں، آخر شیخ الاسلام کی بات ہے اور اس کی مزید تشریح اپنے مقام پر
آئے گی۔ امام اوزاعیؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

امام سفیان ثوریؒ (المتوفی ۲۵۵ھ) بھی ستری اور جہری کسی نماز میں امام کے پیچھے کسی قسم
کی قرأت کے قائل نہ تھے (جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل جلد ۲ ص ۴۲ اور تحفۃ الاحوذی جلد ۱
ص ۲۵ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے) اور امام سفیان ثوریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں
نقل کیا جا چکا ہے۔

لہ علامہ ذہبیؒ ان کو امام بالمجتہد شیخ الاسلام اور احاد الاعلام سمجھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۷۸) مجد الدین لقب
عبد السلام نام اور ابو البرکات کنیت تھی (دیکھئے المجتہدین فی الاموال الحسنة بالسنة)

امام لیث بن سعد (المتوفی ۱۵۸ھ) کا مسلک بھی ترک القراءۃ خلف الزمام
 تھا جیسا کہ مغنی ابن قدامہ کے حوالہ سے مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ حضرت مولانا السید
 العلامة، بحر العلوم، سید الحفاظ محمد نور شاہ (المتوفی ۱۳۵۶ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا
 مسلک بھی امام کے پیچھے ترک قراءۃ ہی تھا جیسا کہ حافظ ابو عمر بن عبد البر نے استدکار میں
 لکھا ہے اور وجوب کا مسلک تو ہرگز نہ تھا۔ جیسا کہ شیخ الاسلام نے (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۴۲)
 میں لکھا ہے (فصل الخطاب ص ۸) امام ابن سبک کا ترجمہ بھی مقدمہ میں گزر چکا ہے۔
 امام عبد اللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابو وائل حضرت ابن
 مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کیا کرو، بلکہ خاموش رہا کرو۔ ابن مبارک
 فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ ہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنی چاہیے، کیونکہ
 انصاف جہری نمازوں میں ہی ہو سکتا ہے (جزء القراءۃ ص ۸) اور جہری نمازوں میں ان کا
 محقق مسلک امام کے پیچھے ترک القراءۃ ہی تھا (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۶۶۲،
 روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵ اور تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷ وغیرہ میں اس
 کی تصریح کی گئی ہے) اور تبیض الصحیفہ مصنفہ علامہ سیوطیؒ جو اپنے وقت
 کے سب سے بڑے حافظ تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۱۲) کے حوالہ سے یہ بات
 نقل کی جا چکی ہے کہ امام عبد اللہ بن المبارک نے فرمایا کہ جس مسئلہ پر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور
 امام سفیان ثوریؒ مجتمع ہو جائیں تو وہی میرا مسلک ہوگا اور چونکہ یہ دونوں بزرگ ستر نمازوں
 میں بھی امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہ تھے۔ اس لیے یہی مذہب امام ابن مبارک
 کا ہوگا۔

امام عبد اللہ بن وہب (المتوفی ۱۹۷ھ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن
 وہب کا مسلک بھی امام ابن عیینہ کی طرح امام کے پیچھے ترک قراءت ہی ہے (فصل الخطاب)
 اور محدث مولانا محمد زکریا صاحب اس کی تصریح کرتے ہیں کہ امام ابن وہب اور علامہ
 اشہب وغیرہ مالکی علماء کا یہی مسلک تھا کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی چاہیے۔
 (اوجز المسالك جلد ۱ ص ۲۳۹) اور امام ابن وہب کا ترجمہ حدیث ۱۷۱ کے ذیل میں نقل کیا جا چکا۔

امام سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۰ھ) امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے قتیبہ بن سعیدؒ اور ابن ابی السرح نے بیان کیا، وہ دونوں حضرت سفیان بن عیینہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عبادہ بن الصامت کی مرفوع حدیث (اصلاوة لمن لعریقاً بفاتحة الكتاب فصاعداً او كما قال) کا یہ مطلب بیان کیا لمن یسلی وحده (ابوداؤد جلد ۱۹۹) یعنی جو شخص تنہا نماز پڑھتا ہو تو اس کو سورہ فاتحہ کی قرأت کرنی ہوگی، اور یہ حدیث مقتدی کو شامل نہیں ہے، مطلب ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کی جاسکتی امام ابن عیینہؒ کا ترجمہ بھی مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے اور ابن ابی السرح کا ترجمہ باب دوم حدیث میں نقل ہو چکا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ (المتوفی ۲۴۶ھ) امام بغوی علامہ آلوسی اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ امام موصوف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے (معالم التنزیل جلد ۲ ص ۶۲۲، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵ اور تحفة الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۴) امام موصوف کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

قارئین کرام! ہم نے بعض حضرات تابعین و تابع تابعین کے آثار باب اول میں (مثلاً حضرت محمد بن کعب، مجاہد بن جبر، حسن بصری، ابو عالیہ الریاضی اور امام زہری وغیرہ کے آثار) اور بعض دیگر اکابر علماء امت اور حضرات ائمہ اربعہ کے اقوال مقدمہ میں پوری تفصیل کے ساتھ عرض کر دیے ہیں اور گوان کے علاوہ ابھی بہت سے آثار اور اقوال اس مضمون کے موجود ہیں۔ لیکن چونکہ ان حضرات کے مسلک کے سمجھنے میں فریق ثانی کو ایک نمایاں غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس لیے ہم نے خصوصیت کے ساتھ ان کے نام پیش کیے ہیں۔ ورنہ مقدمہ میں اجماع نقل کیا جا چکا ہے اور اس کے بعد مزید کسی اور صراحت اور وضاحت اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔
وفیه کفایۃ لمن لہ ہدایۃ۔

۱۔ امام ابو داؤد صاحب سنن (المتوفی ۲۴۸ھ) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام، الثبت اور سید الحفاظ تھے (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵۲)

۲۔ قتیبہ بن سعیدؒ کو علامہ ذہبیؒ الشیخ، الحافظ اور محدث خراسان لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۳)

حضرات! آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن... اذیۃ کا شان نزول صحیح روایات اور اجماع امت سے قرآنہ خلف الامام کا مسئلہ ہے اور اکیس^{۱۱} عدد صحیح اور مرفوع روایات سے امام کے پیچھے قرأت کی مانعت اس کتاب میں ثابت کی جا چکی ہے۔ اور ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے اور متعدد صحیح اور مرفوع حدیثوں سے خاص فاتحہ کا لفظ بھی نقل کیا جا چکا ہے اور فریق ثانی کی ہر طرح سے منہ مانگی مرادیں بھی پوری کی جا چکی ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ کی وہ جماعت جن سے باقرار فریق ثانی، دین، علم فقہ اور حدیث مروی اور منقول ہے۔ وہ بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہیں تھے۔ اور حلیل القدر حضرات تابعینؒ واتباع تابعینؒ اور دیگر بڑے بڑے حضرت محدثینؒ اور فقہاء بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور ہماری نمازوں میں تو امام کے پیچھے قرآن کو مخالف قرآن شاذ منکر اور اجماع کے خلاف سمجھتے تھے، جیسا کہ شیخ الاسلام کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے اور جو ساری نمازوں میں امام کے پیچھے قائل بھی تھے۔ وہ بھی صرف استصحاب کے درجہ میں اور آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مانعین قرآنہ خلف الامام صرف اخاف ہی نہیں — (جس طرح کہ فریق ثانی نے تمام دنیا کے خفی حضرات کو کھلا اور انعامی چیلنج دے کر یہ مغالطہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ صرف اخاف کا قول اور ان کا مسلک ہے) بلکہ جمہور اہل اسلام اور فقہاء و محدثینؒ کا یہ محقق مسلک ہے اور فریق ثانی نے غلطی کی وجہ سے صرف اخاف کے مقتدر علماء مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ، مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، اور مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی خدمت میں چیلنج پیش کر کے یہ سمجھنے یا سمجھانے کی بالکل ناکام سعی کی ہے کہ یہ مسئلہ صرف ان کا ہے اور آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ پیش کردہ روایات میں کم و بیش سچاؤ نے فی صدی روایت وہ ہیں، جو ثقہ، ثبت، حافظ اور حجت ہونے کے علاوہ بخاری اور مسلم کے مرکزی روایات ہیں اور تقریباً پانچ فی صدی وہ راوی ہیں جن میں بعض حضرات محدثین کرامؓ نے کلام کیا ہے، لیکن ان کو بھی نوشتے فی صدی اور جمہور محدثینؒ ثقہ کہتے ہیں اور ان کی روایتوں کو صحیح، حسن، صالح، بخیر اور قوی کہتے ہیں، جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان روایات کی (بغیر تین چار کے حالانکہ جمہور محدثینؒ کے نزدیک وہ بھی ثقہ ہیں) ثقاہت اور عدالت فریق ثانی کے

نزدیک بھی مسلم ہے۔ صرف ان پر تدلیس، تخلیط، تغیر سیر وہم اور فقر و غیرہ کے معمولی الزامات لگاتے گئے ہیں یا مرفوع کو موقوف اور موصول کو مرسل کہنے کی بے جاسعی کی گئی ہے اور یا محض اپنی مرضی یا معمولی سے شبہ کی بنا پر مطلق قرأت کو مقید کرنے کی بعید از انصاف کاوش کی گئی ہے، اب ذرا فریق ثانی کی پیش کردہ روایات اور ان کے روایت اور رجال کا حال بھی دیکھ لینا تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ فریق ثانی کتنے پانی میں ہے۔ ان تمام پیش کردہ دلائل کو سامنے رکھ کر میں فریق ثانی کے اہل علم طبقہ سے نہایت تودبانہ اور مبنی بر انصاف مطالبہ بلکہ دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ حق کا ساتھ دے اور تعصب اور غلو سے کام نہ لے اور اگر وہ کسی خاص مصلحت کے پیش نظر اپنی پارٹی کا ساتھ نہ چھوڑ سکے یا نہ چھوڑنا چاہے تو اس چیلنج بازی سے باز آجائے اور یہ الفاظ اور نظریہ واپس لے لے کہ

جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے (انتہی بلقظم دیکھئے فصل الخطاب ص ۱۔ جن میں تمام دنیا کے علمائے اخلاف کو کھلا چیلنج دیا گیا ہے)

اس سے قبل کہ باب چہارم شروع کیا جاتے یہ کہ دینا نہایت ضروری سمجھتا ہوں (اور سخن مانگتے گفتنی میں بھی عرض کیا جا چکا ہے) کہ ہر مقام پر حضرات محدثین کرام اور فقہائے عظام کے ناموں کے قبل، امام، علامہ، محدث، فقیہہ یا حضرت وغیرہ کے توصیفی القاب نہیں لکھے جاسکے۔ اس لیے کہ ان کے نام بار بار آتے رہتے ہیں۔ ورنہ نہ صرف یہ کہ مجھے ان سے عشق اور محبت ہے، بلکہ ان کے نام لینے کو موجب نزول رحمت خداوندی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ انہیں کی کاوش اور سعی کی بدولت قرآن کریم اور حدیث شریف ہم تک پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم الشان ہستی تک ہماری رسائی کا عالم اسباب میں یہی اکابر بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور جہاں ان اکابر سے (خصوصاً حضرت امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ وغیرہ) علمی اور تحقیقی رشتہ کشی کی گئی ہے، تو ماشاؤکلا ثم ماشاؤکلا کہ اس سے ان کی تذلیل اور تحقیر مراد نہیں کیونکہ ان کی تذلیل کو بغیر اسے حدیث من عادی لی ولیا فقلہ بارزۃ بالحراب۔ اللہ

تعالیٰ کی ذات سے اعلان جنگ کے مترادف سمجھا ہوں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) بلکہ جہاں بھی ان اکابر سے اختلاف کیا گیا ہے۔ وہ صرف ان کی پیش کردہ دلیل کی خامی بتلانا مقصود ہے، وکل احد یؤخذ عنه ویترک الا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک بات اور خصوصی طور پر قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ راقم الحروف نے فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات کے مفہوم کو اختصاراً اپنی عبارت میں پیش کیا ہے، مگر صرف بعض مواقع پر الفاظ بھی انہیں کے ہیں جہاں انتہی بلفظہر یا بلفظہر وغیرہ لکھ کر اشارہ کر دیا ہے۔ ہاں البتہ ان کی کتابوں کے حوالے ضرور درج کر دیے گئے ہیں تاکہ مزید تسلی اور اطمینان کے لیے اصل کتاب کی طرف آسانی مراجعت کی جاسکے۔ مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا علم ہے۔ معصومیت کا دعوائے کب ہو سکتا ہے؟ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بغیر معصوم ہے کون؟ و العصمة بید اللہ تعالیٰ وحده۔

چوتھا باب

قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرام، تابعین و اتباع تابعین وغیرہم سے بلکہ
 جمہور امت سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح نہیں ہے اور
 جہری نمازوں میں تو مخالف اجماع اور شاذ و منکر ہے۔ قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع
 امت کے بعد کسی اور دلیل کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت، لیکن ہم محض تکمیل فائدہ کے
 لیے نہایت اختصار سے چند عقلی تریجی اور قیاسی دلائل بھی اس باب میں عرض کر دیتے ہیں
 تاکہ اصول فقہ کی روش سے قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت اور قیاس کے جملہ دلائل سے
 آپ کو جمہور اہل اسلام کا محقق مسئلہ معلوم ہو جائے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورہ فاتحہ
 وغیرہ کسی قسم کی قرأت کرنا درست اور صحیح نہیں ہے۔

پہلی دلیل: علامہ حاتمؒ (المتوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف کی حدیث ظاہر

۱۔ ابو بکر محمد بن موسیٰ بن عثمان الشافعیؒ علامہ فہرستیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام، الحافظ، الباسع اور النسابة تھے،

نیز لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ، جہت، نبیل، زاہد، عابد، متورع اور من الزمۃ الحفاظ تھے (تذکرہ جلد ۴ ص ۱۵۱)

اور علامہ تاج الدین السبکیؒ (المتوفی ۷۴۰ھ) ان کو امام متقن اور مسبرز لکھتے ہیں (طبقات

الشافعیہ، جلد ۴ ص ۱۸۹)

قرآن کے موافق ہو، اور دوسرے طرف کے ایسی نہ ہو۔ تو وہ حدیث قابل اخذ اور حجت ہوگی جو ظاہر قرآن کے موافق ہوگی۔ (کتاب الاعتبار ص ۱۱) امام کے پیچھے ترک قرأت کی روایتیں نہ صرف یہ کہ ظاہر قرآن کے مطابق ہیں، بلکہ آیت واذا قرأ القرآن... الاية کا شان نزول ہی بالاجماع مسئلہ خلف الامام ہے، جس کی پوری تشریح باب اول میں عرض کی جا چکی ہے اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ روایات کی تائید میں قرآن کریم کی کوئی آیت موجود نہیں ہے، لہذا جمہور کے مسلک کو ترجیح ہوگی۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۲۹ اور ص ۵۳۰ میں اس کا جو جواب دیا ہے وہ بالکل غیر متعلق ہے۔ اولاً۔ اس لیے کہ انصاف و استماع قرأت فی التہ کے منافی ہیں۔ کما متروک و ثانیاً۔ خلف الامام کی قید سے روایت نہ صحیح ہے اور نہ مشہور پھر اس سے تخصیص کیسی؟ و ثالثاً۔ اختلاف نفس و جوب فاتحہ کا نہیں ہے جس کے لیے انھوں نے تین آیتیں پیش کی ہیں۔ (جو اصل مسئلہ سے بھی غیر متعلق ہیں) بلکہ اختلاف و جوب یا ترک فاتحہ خلف الامام میں ہے اور مقتدی کے لیے بحالت قرأت امام جواز اور اباحت قرأت کے لیے کوئی آیت موجود نہیں ہے محض کشید ہے بخلاف قرأت خلف الامام کے اس پر بالاجماع آیت واذا قرأ القرآن... الاية دلیل ہے۔

دوسری دلیل: علامہ موصوفؒ لکھتے ہیں کہ اگر ایک جانب کی حدیث پر اکثر امت کا عمل ہو اور دوسری جانب اتنا عمل نہ ہو تو اس روایت کو ترجیح ہوگی، جس پر جمہور امت کا اتفاق ہوگا۔ (ایضاً ص ۱۱) اور امام کے پیچھے قرأت کے ترک کرنے کا مسئلہ جمہور امت کے اقوال اور عبارات سے آپ معلوم کر چکے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی مانعین قرأت خلف الامام کی احادیث اور مسلک کو ترجیح ہوگی۔ مؤلف خیر الکلام ص ۵۳۱ میں اس کا جواب دیتے ہیں وہ بالکل ناکام ہے کیونکہ عام کی تخصیص اور مطلق کی تفسیر اور تطبیق و ترجیح کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دونوں دینی مساوی ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ خلف الامام کی قید سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور نزاع محض فاتحہ کے ایجاب کا نہیں جس کی حدیث صحیح ہے بلکہ فاتحہ برائے مقتدی میں نزاع ہے اور آیت انصاف قطعی ہے وہ بھلا حضرت ابوہریرہؓ کی ضعیف حدیث سے کیونکر منسوخ ہو سکتی ہے؟ اور محدو د سے چند حضرات صحابہ کرامؓ کے بغیر باقی تمام حضرات قرن اول میں خلف الامام

قرآن کے منکر تھے اور بعد کے لوگوں کی اکثریت کا تو مؤلف مذکور کو بھی دینی زبان سے اقرار ہے اور قرآن خلف الامام سے منع کر نیا لے لے شمار حضرات صحابہ اور تابعین تھے بلکہ وہ تو منہیں پتھر اور مٹی ڈالنے پر بھی اترے ہوئے تھے اور اخاف کا مذہب باحوالہ گذر چکا ہے کہ منع قرآن خلف الامام ہے۔ اس لیے ترک القرآن خلف الامام جمہور کا مسلک ہونا واضح ہے۔ لا شک فیہ۔

تیسری دلیل: علامہ موصوفؒ لکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی حدیث کے ساتھ آپ کا عمل بھی موجود ہو۔ اور دوسری طرف صرف آپ کا قول ہو تو آپ کی اس حدیث کو ترجیح ہوگی جس پر آپ کا قول اور فعل دونوں موجود ہوں۔ (کتاب الاعتبار ص ۱۱) اور باب دوم میں آپ کی بہت سی قولی صحیح اور مرفوع حدیثوں کے علاوہ حدیث منامیں آپ کا آخری عمل بھی پیش کیا جا چکا ہے کہ آپ نے نظریہ ظاہر ساری سورۃ فاتحہ ترک کی اور آپ کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کی عملی اور فعلی حدیث بھی نقل کی جا چکی ہے۔ اور ایسی کوئی روایت بسند صحیح نہیں پیش کی جاسکتی کہ آپ نے اقتداء کی حالت میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کی ہے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان دیدہ باید اگر قرأت خلف الامام کی روایتیں صحیح بھی ہوں تب بھی ان کو ترجیح نہیں دی جاسکتی حالانکہ ان میں ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ اس میں بھی مؤلف ثبیب الکلام نے ص ۵۲ میں کلام کیا ہے مگر معقول نہیں کیونکہ باحوالہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ پہلے مقتدی تھے۔ پھر آپ نے امامت اختیار کی اور بالاجماع اور باقرار مؤلف مذکور قرأت سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اور وہی آپ سے چھوٹ گئی تھی اور بایں ہمہ نماز ہو گئی، قرأت سے نماز مراد لینا بے دلیل ہے اور یہ ترک فاتحہ کلاً یا بعضاً عذر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اقتدار کی وجہ سے تھا۔

چوتھی دلیل: علامہ موصوفؒ لکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف کسی روایت قیاس کے موافق ہو اور دوسری قیاس کے موافق نہ ہو تو اس روایت کو ترجیح ہوگی، جو قیاس کے مطابق ہوگی (کتاب الاعتبار ص ۱) اور امام کے پیچھے قرأت ترک کرنا قیاس کے مطابق ہے، اور فریق ثنائی کا بھی اس امر پر اتفاق ہے کہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت اور اسی

طرح مقتدیوں کو جہر بالقراءة کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت اور جہر سے پڑھنا امام کا فریضہ ہے تو اس پر سورۃ فاتحہ کی قرأت کو قیاس کر لیں۔ ہاں اگر کسی صحیح سند کے ساتھ امام کے پیچھے مقتدیوں کو قرأت کرنے کی اجازت ہوتی تو الگ بات تھی۔ اس صورت میں قیاس نص کے مقابلہ میں باطل ہوتا۔ مگر خلف الامام کی ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ بیان ہو گا۔ مؤلف خیر الکلام کا فاتحہ کو نماز کی صحت کے لیے شرط قرار دینا اور قرآن کی قرأت کو رکن قرار دینا سچا ہے مگر مقتدی کے لیے دونوں شرط نہیں اور نزاع صرف اس میں ہے اور مانسراد کو بالاجماع عدم رکن قرار دینا غیر مسلم ہے قرأت کے سلسلے میں فاتحہ اور مانسراد کا ایک ہی حکم ہے امام اور منفرد کے لیے دونوں ہیں اور اور مقتدی کے لیے دونوں نہیں۔ اس لیے ترک قرأت للمقتدی ہی قیاس کے مطابق ہے۔

پانچویں دلیل: اگر ایک طرف کی حدیث مجرم اور دوسری طرف کی بیچ ہو تو مجرم کو ترجیح ہوگی۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے لکھتے ہیں کہ حضر مقدم باشد بر جانب اباحت (بدور الاول ص ۱۸) اور یہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاستمعوا له وانصتوا اور واذقوا غنائتوا وغیرہ امر کے الفاظ سے مقتدیوں کو قرأت سے منع کیا ہے اور خدا تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم اور امر کا خلاف کرنا یقیناً حرام ہے۔ اور حضرات صحابہ کرام اور تابعین کے جو تہدیدی الفاظ نقل ہو چکے ہیں (کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں چنگاری ہو، خاک ہو، نین ہوں، پتھر پڑا وغیرہ وغیرہ) وہ اس پر مستزاد ہیں۔ اس لیے مجرم کو بیچ پر ترجیح ہوگی۔ اور اس لحاظ سے بھی جہور کی دلائل کا پتہ بھاری رہے گا۔ مؤلف خیر الکلام کا ایجاب فاتحہ خلف الامام کا دعویٰ کر کے اور ترک قرأت کو تخیر سے تعبیر کر کے ترجیح دینا مردود ہے کیونکہ ایجاب فاتحہ خلف الامام کی جب سرے سے کوئی حدیث ہی صحیح نہیں تو پھر راجح و مرجوح کا کیا سوال؟ اور قرآن کریم و حدیث شریف سے ثابت ہے، کہ مقتدی کو خلف الامام استماع و انصات کا وجوبی حکم ہے پھر تخیر کہاں سے؟

چھٹی دلیل: اس امر پر تمام محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے جن میں خصوصیت حضرت امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ قابل ذکر ہیں کہ امام کا سترہ مقتدیوں کو کافی ہے اور ان کو الگ سترے

کی ضرورت نہیں ہے (دیکھئے بخاری جلد ۱ ص ۱ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۳۵۲) جب وہی امام، نماز اور مقتدی جمع ہیں تو امام کی قرأت مقتدیوں کو کیوں کافی نہیں ہے؟ جب کہ ماثر ادا علی الفاتحة کی قرأت میں سب کے نزدیک امام کفایت کرتا ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ سُترہ نماز کے ارکان اور شرائط سے نہیں قرأت نماز کے ارکان سے ہے... الخ صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسے سُترہ رکن نہیں اسی طرح مقتدی کے لیے قرأت بھی رکن نہیں مطلق نماز کا جگہ انہیں بات مقتدی کی ہو رہی ہے اور جیسے سُترہ آگے ہونے کی وجہ سے بقول مؤلف خیر الکلام بمنزلہ کعبہ ہے اور سب کے لیے ایک ہی کعبہ کافی ہے تو اسی طرح امام بھی سب کے آگے ہوتا ہے اور قرأت میں سب کی کفایت کرتا ہے۔ لہذا امام کی قرأت اور سُترہ سب کے لیے کافی ہے۔

ساتویں دلیل: صاحب امر کے آخری قول و فعل سے بظاہر ہی متبادر ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اور فعل مفسوخ قرار دیا جائے۔ اور اس سے کیا کم ہو سکتا ہے کہ اگر آخری عمل ناسخ نہ ہو۔ تب بھی ترجیح تو اس کو بہر حال ہوگی۔ جیسا کہ حضرت امام بخاریؒ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے وانما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبي صلى الله عليه وسلم (بخاری جلد ۱ ص ۱) لہٰذا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: الامام یحمل عن الصحابة ما یروونہ من قولہ و فعلہ

الجمہور (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱) امام سہو میں اور جوہر کے نزدیک قرأت میں مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک جنازہ پر بلند آواز سے قرأت کی۔ پھر ارشاد فرمایا: وانما جہزت لو علمکم انہا سنتہ والامام کفھا (منتقی ص ۲۱۲) میں نے جہز اس لیے قرأت کی ہے تاکہ تمہیں اس کا سنت یوں معلوم ہو جائے ورنہ امام کی قرأت کافی ہے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حدیث آتی ہے لا صلوة الا بخطبة کہ خطبے کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی، حالانکہ فریق ثانی بھی متفق ہے کہ خطبہ پڑھنا صرف امام کا کام ہے۔ (فیض الباری جلد ۲ ص ۷۷) بہر حال جب امام ماثر ادا علی الفاتحة سُترہ، سہو اور خطبہ وغیرہ میں کفایت کرتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ باقر فریق ثانی تو قرأت میں بھی یقیناً وہ کفایت کر سکتا ہے۔

یعنی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے آخری فعل ہی قابل عمل ہوگا۔ اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخری نماز میں باقرار قاضی شوکانی ۷ پوری سورۃ فاتحہ بجا لیا۔ اقتدار ترک کی۔ مگر آپ کی نماز صحیح ہو گئی اور آپ کے آخری فعل کے حجت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

مؤلف خیر الکلام کا حضور علیہ السلام کی ابتداء اقتدار کا اور پھر ترک فاتحہ کلاماً یا بعضاً کا حکم کرنا بالکل مکابرہ ہے جبکہ روایات سے ثابت ہے کہ آخر تو انکار کا کیا معنی؟ باقی نماز میں قیام وقوع اور نیابت وغیرہ میں عذر تو شریعت نے خود بتایا ہے مگر قرأت اور ترک قرأت میں عذر اور غیر عذر کا کوئی فرق نہیں کیا اس لیے قرأت یا ترک قرأت کو دیگر امور پر قیاس کرنا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے قیاس مع الفارق ہے جو قابل سماعت نہیں ہے۔

آٹھویں دلیل: آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الامام ضامن امام ضامن اور کفیل ہے ضامن اور کفیل جب قرض وغیرہ ادا کر دے تو اصل مقروض سبکدوش ہو جائے گا۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حضرات صحابہ کرام کے ابتداء اس لیے جنازے نہیں پڑھائے تھے کہ وہ مقروض تھے اور ان کے پاس قرض کی ادائیگی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور جب ان کے قرض کو ان حضرات صحابہ کرام نے اپنے ذمہ لے لیا جو زندہ تھے۔ اور ان کے کفیل اور ضامن بن گئے تو آپ نے اصل کو بری الذمہ سمجھتے ہوئے ان کا جنازہ پڑھا دیا۔

یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الامام ضامن امام مقتدیوں کا ضامن اور کفیل ہے۔ یہ روایت ابو داؤد جلد ۱ ص ۸۴، ترمذی جلد ۱ ص ۱۲۳، معجم صغیر طبرانی ص ۱۲۳، اور مسند احمد جلد ۲ ص ۴۱۹ وغیرہ میں موجود ہے۔ صاحب تنقیح کتبہ ہیں کہ مسند احمد کی تصحیح علی شرط مسلم صحیح ہے اور علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے (نصب الرأی جلد ۵ ص ۵۱) علامہ بیہقیؒ کہتے ہیں کہ بڑا زائد یہ روایت بیان کی ہے: ورجاله کلہم موثقون (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ روایت حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے بھی مروی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الامام ضامن (الحديث) علامہ بیہقیؒ کہتے ہیں کہ امام احمد نے اور طبرانیؒ نے مجموعہ میں یہ روایت بیان کی ہے ورجاله موثقون طبرانی کے سب راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱)

(دیکھیے بخاری و مسلم وغیرہ) باقی باریک فقہی تدقیقات کا یہ مقام نہیں ہے ہم ان کو یہاں نہیں چھیڑتے لہذا جب امام سورہ فاتحہ کی قرأت کر لے تو مقتدیوں کو کافی ہوگی جیسے کہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت بالاتفاق مقتدیوں سے ساقط ہے اور امام کی قرأت ہی کفایت کرتی ہے۔ مؤلف

خیر الکلام جلد ۵۳ میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا بہت سے آدمیوں نے سو سو روپیہ ادا کرنا ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کفیل ان سب کی اور اپنی طرف سے ایک سو روپے لے کر سب کی ذمہ داری سے بری ہو جائے۔۔۔ الخ

ابجواب: مگر یہ سب کچھ ان کی قلت فہم کا نتیجہ ہے کیونکہ یہاں ایک آدمی کا بہت سے آدمیوں نے نہیں دینا بلکہ کئی آدمیوں پر صرف سو روپیہ ہے اور اس کو کفیل ادا کر رہا ہے۔ کیونکہ قرأت جماعت کی نماز میں صرف ایک ہے اور ما زاد علی الفاتحۃ میں تو فریق ثانی کو بھی ستم ہے کہ امام اور کفیل سب کی طرف سے ادا کر رہا ہے۔ منفرد ہوتے تو ان کو خود پڑھنی ہوتی، لیکن یہاں بحث تو مقتدی کی ہو رہی ہے اور اس پر سرے سے قرأت ہی نہیں جو ہے وہ امام ادا کر رہا ہے۔

نویں دلیل: امام طحاویؒ نے ترک قرأت خلف الامام پر متعدد مرفوع حدیثیں اور آثار حضرت صحابہ کرام رضوانہ علیہم اجمعین وغیرہم نقل کرنے کے بعد اپنی عادت کے مطابق نظر فقہی اور عقلی دلیلیں بیان کی ہیں۔ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور سورہ فاتحہ اس سے کلیتہً چھوٹ چکی ہو تو جہور اہل اسلام کے نزدیک (جس کی تحقیق اپنے مقام پر آئیگی۔ اور دو مرفوع روایتیں اور متعدد حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال پہلے نقل بھی ہو چکے ہیں) اس کی وہ رکعت بالکل صحیح اور درست ہے۔ اگر تکبیر تحریمہ اور قیام (جس میں کم از کم تکبیر تحریمہ ادا ہو سکتا ہو) کی طرح مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی پڑھنی لازم اور فرض اور رکن ہوتی تو جیسے تکبیر تحریمہ اور قیام اس سے ساقط نہیں ہوتے اسی طرح اس پر سورہ فاتحہ کا پڑنا بھی فرض ہوتا اور بغیر اس کے اس کی نماز نہ ہو سکتی۔ حالانکہ جہور کے نزدیک اس کی یہ رکعت بالکل صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑنا ضروری نہیں ہے۔ وہو الم مطلوب (محصلاً طحاوی جلد ۱۷) مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ رکوع میں ملنے سے رکعت کا ہو جانا ان احادیث کے منافی نہیں جن میں آتا ہے کہ نماز میں ایک بار فاتحہ پڑھنی چاہیے جیسا کہ ہادیہ اور فتح الباری کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ ہاں ان احادیث کے منافی ہے

جن میں ہر رکعت میں فاتحہ کا ذکر آتا ہے اس صورت کو خاص کر لیا جائے گا یا عذر شرعی پر مخول ہوگا۔ (محصہ ص ۵۳۶)

الجواب: جس طرح یہ صورت رکوع والی رکعت کے منافی نہیں، اسی طرح یہ ان احادیث کے عین مطابق ہے جن میں قرأت صرف امام کا فریضہ بتلایا گیا ہے باقی مقتدی کے لیے ہر رکعت میں بلکہ کسی بھی رکعت میں قرأت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے نہ تو یہاں منافاة کا سوال ہے اور نہ تخصیص اور عذر شرعی پر عمل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

دشویں دلیل: بحر العلوم، حجت الاسلام اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحم (المتوفی ۱۲۹۷ھ) بانی دارالعلوم دیوبند نے عقلی رنگ میں یہ مسئلہ یوں سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ہر چیز کا صرف ایک طول اور ایک ہی عرض ہوتا ہے۔ سو باعتبار طول کے ایک رکعت ایک نماز ہے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ اور باعتبار عرض کے امام اور مقتدی کی نماز ایک ہے۔ تو یہاں بھی ایک ہی سورۃ فاتحہ کافی ہوگی جس کی امام ادا کر رہا ہے۔ اور اگر امام اور مقتدی کے لیے الگ الگ اور مجزا سورۃ فاتحہ ضروری ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایک چیز کے لیے ایک سے زیادہ عرض ثابت ہو اور یہ اصول موضوعہ کے خلاف ہے (توثیق الکلام ص ۹، تبخیر) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ہر رکن چونکہ امام اور مقتدی کو الگ الگ ادا کرنا پڑتا ہے پس قرأت بھی ہر ایک کو الگ الگ ادا کرنی چاہیے۔ (بلغفہ ص ۵۳۱)

الجواب: جب قرأت مقتدی کے لیے رکن ہی نہیں تو اس کے لیے الگ پڑھنے کا کیا سوال؟ مقتدی کا رکن تو صرف استماع وانصات ہے جس کو وہ ادا کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مانا زاد علی لفظ کی قرأت آپ حضرات کے نزدیک بھی مقتدی پر نہیں ہے۔

گیارہویں دلیل: مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ بسلسلہ قرأت امام اور مقتدی کی مثال ایسی سمجھ لیں جیسے سواری اور مسافر، مسافر کا کام صرف یہ ہے کہ وہ گاڑی، موٹر، بس، جہاز اور ٹانگہ وغیرہ میں اطمینان سے سوار ہو کر بیٹھ جائے۔ گاڑی وغیرہ حرکت کرے گی تو مسافر کی مسافت خود بخود طے ہوتی جائے گی اور مسافر کو ساتھ ساتھ دوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بالذات حرکت گاڑی کی ہے مگر بالعرض مسافر کی۔ اور باوجودیکہ مسافر آرام کے ساتھ گاڑی وغیرہ میں

بیٹھا رہتا ہے۔ یہ کہنا صحیح ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ مسافر نے اتنا راستہ طے کیا ہے۔ اسی طرح امام جو بمنزلہ گاڑی کے ہے قرأت کرتا جانے گا اور یہی قرأت مقتدی کو کافی ہوگی (توثیق الکلام، ص ۱۱۱ تبخیر) مولانا کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ہرگز نہ د علی الفلحہ کی قرأت میں فریق ثانی بھی متفق ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہے اور اگر سورہ فاتحہ کی قرأت مقتدیوں کو کافی نہ ہو تو اس مثال کے پیش نظر مطلب یہ ہو گا کہ ایک دو اشیش تک مسافر گاڑی کے ساتھ ساتھ بھاگتا چلا جائے اور پھر گاڑی میں بیٹھ جائے۔ جہاں تک گاڑی کا تعلق ہے اس کا سفر خود بخود طے ہوتا جائے گا۔ لیکن طبعی، شرعی اور دیگر ضروریات میں خود کو کوشش اور کاوش کرنی پڑیگی۔ اور بغیر اپنی ہمت اور حرکت کے دیگر ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی۔ مشہور ہے کہ حرکت ہی میں برکت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب گاڑی کی مسافت طے ہو جائے گی تو اپنے گاؤں محلہ اور گھر تک پہنچنے کے لیے خود عمل کی ضرورت ہے، اس لیے امام بمنزلہ گاڑی تو ہے لیکن صرف قرأت کی مسافت میں باقی رکوع و سجود، تسبیح و تہلیل وغیرہ میں مقتدی کو خود ہی کچھ کرنا ہو گا۔ مؤلف خیر الکلام کا امام کی نماز کو حقیقت اور مقتدی کی نماز کو مجاز سمجھ کر جواب میں دونوں کی نماز کو حقیقت سے تعبیر کرنا اور اس پر جواب کی بنیاد رکھنا بالکل غلط ہے نماز تو امام اور مقتدی دونوں کی حقیقت ہے، ہاں قرأت میں فرق ہے، امام حقیقی قرأت کرتا ہے اور مقتدی کی قرأت حکمی ہے اور ہم نے کتاب میں اس کی تصریح کر دی تھی کہ اس لیے امام بمنزلہ گاڑی تو ہے لیکن صرف قرأت کی مسافت میں... لہذا مؤلف مذکور کا ہماری عبارت سے مقتدی کی نماز کو مجاز سمجھنا غلط ہے۔

بارہویں دلیل: شمس العلماء مورخ اسلام علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۳۶۲ھ) نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں ایک واقعہ نقل کیا ہے (جس کا خلاصہ راقم کی عبارت میں یہ ہے) کہ چند آدمی مل کر مسئلہ خلف الامام پر امام صاحب سے بحث کرنے آئے، آپ نے فرمایا کہ میں

لہ یہ واقعہ مناقب موفی جلد ۱ ص ۱۱۱ میں مذکور ہے ان جماعۃ من اهل المینۃ جاؤا الی ابی حنیفۃ رحمہ اللہ فی القراءۃ خلف الامام احمد اور اسی طرح مناقب کدری جلد ۱ ص ۱۱۱ میں بھی ہے اور نواب صاحب بھی اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔ و حکایتی کہ از امام اعظم در بارۃ الزام خصم باختیار یکی برائے مناظرہ از میان جماعۃ و بدون الزام او الزام جماعۃ نقل کردہ اند (باقی اگلے صفحہ پر)

اکیلا اتنے آدمیوں سے کیسے بحث کر سکتا ہوں؟ ایک آدمی کو اپنا وکیل اور مختار بنا لو کہ اس کی فتح تمھاری فتح اور اس کی شکست تمھاری شکست متصور ہو، چنانچہ وہ سب اس پر راضی ہو گئے اور اپنا ایک وکیل انھوں نے انتخاب کر لیا۔ جب وکیل نے بحث شروع کی۔ تو حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ مسئلہ تو حل ہو چکا ہے۔ وہ بولا کیسے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تم اکیلے سب کی طرف سے وکیل ہو کر گفتگو کر رہے ہو اور تمھاری بات ان سب کی بات سمجھ جاتی ہے تو اسی طرح امام کی قرأت سب مقتدیوں کی قرأت سمجھ جائیگی وہ سب شکست تسلیم کرتے ہوئے لاجواب ہو کر چلے گئے۔ (سیرت النعمان ص ۵۱)

مبارک پوری صاحبؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام صاحبؒ کی طرف اس واقعہ کی نسبت غلط ہے۔ کیونکہ امام جب وکیل ہے تو قیام، رکوع، سجود، تشہد اور سلام وغیرہ جملہ امور میں امام کو وکیل ہونا چاہئے۔ (بمعنا تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱) لیکن مبارک پوری صاحبؒ کا یہ اعتراض محض بیج اور باطل ہے۔ اس کی پوری تشریح گزر چکی ہے کہ امام مقتدیوں کا وکیل صرف قرأت قرآن میں ہے، باقی امور میں ان کا وکیل نہیں ہے اور اس کو ایسا سمجھ لیں جیسے بادشاہ کے حضور میں ایک وفد اپنی معروضات پیش کرنے کے لیے حاضر ہو۔ گفتگو تو صرف وفد کا وکیل اور پارٹی لیڈر ہی کرے گا۔ لیکن ارکان وفد کی طرف سے پارٹی لیڈر کی تائید بھی ضروری ہے، قرأت قرآن کریم کو اصل معروضات اور تسمیحات و تشہد وغیرہ کو اس کی تائید سمجھ لیجئے۔

نواب صاحبؒ کی یہ عبارت نقل کی جا چکی ہے کہ منہی عنہ نزد قرأت امام ہمہ قرأت قرآن کریم است فقط (دلیل الطالب ص ۲۹) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ وقول نبویؐ اذا قرأ فانصتوا وقول من كان له امام فقرأه الامام له قراءة دال است بآنکہ امام متحمل قرأت است از سامع (بدور الابلہ ص ۵۱) اس لیے مبارک پوری صاحبؒ کا یہ اعتراض (باقی پچھلا صفحہ) لطیفہ شاعرانہ و مجرب و تجویز عقلی بیش نیست در مقام استدلال و احتجاج بنصوص قابل انتقاد نہیں تو اندیشہ ۱ (ہدایۃ السائل ص ۲۰۴) ہم نے بھی اس واقعہ کو قرآن و حدیث کے دلائل کی مدین پیش نہیں کیا بلکہ عقلی دلائل میں نقل کر کے نواب صاحبؒ کی عقلی تجویز کی تائید کی ہے۔

سراسر باطل ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد سونی صدی صحیح ہے۔ مؤلف
خیر الکلام ص ۵۳۷ میں لکھتے ہیں کہ امام وکیل نہیں بلکہ مقتدی ہے اور ہر نمازی صرف
اپنے لیے نماز پڑھتا ہے اور ہر نمازی رب سے باتیں کرتا ہے اور مناجات صرف فاتحہ
پڑھنے میں ہوتی ہے اور فاتحہ فرض ہے اور دعا ہے اور یہ امام اور مقتدی دونوں پر
لازم ہے۔ (محصلاً)

الجواب: جب صحیح حدیث میں الامام ضامن آتا ہے تو اس کی کفالت
اور ضمانت کا انکار کون سنا ہے؟ وہ مقتدی بھی ہے اور کفیل بھی ہے۔ مقتدی
تمام ارکان و افعال میں ہے اور کفیل صرف قرأت میں ہے اور نمازی نماز خدا تعالیٰ کے
لیے پڑھتا ہے جس کا ثواب نمازی کو ملتا ہے اور بے شک نمازی اللہ تعالیٰ سے مناجا
کرتا ہے مگر وہ مناجات صرف ثنا اور تسبیحات وغیرہ ہی میں ہے قرأت میں تو اس کو
صرف انصات و استماع کا حکم ہے جیسا کہ اس کے دلائل گزر چکے ہیں اور مناجات کو
صرف فاتحہ میں بند کر دینا عقلاً اور نقلاً باطل ہے۔ سارا قرآن کریم اللہ تعالیٰ سے مناجا
ہے اور سب تسبیحات اس سے سرگوشی ہے اور اقل سے آخر تک نماز اس سے ہم کلامی
ہے۔ باقی امور میں اصالتہ مقتدی خود عمل کرتا ہے اور قرآن میں اس کا امام و کالہ سرگوشی
کرتا ہے اور فاتحہ صرف امام پر لازم ہے۔ مقتدی کا فریضہ صرف انصات و استماع
ہے۔ مقتدی پر فاتحہ فرض نہیں ہے۔ فاتحہ دعا ہے، لیکن مقتدی حکماً دعا خواں ہے اور آمین
سے اس کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرات! ابھی ترجیح، عقلی اور قیاسی دلائل اور بھی پیش کیے جاسکتے ہیں مگر
ہمارا مقصد دلائل کا استقصار اور استیعاب نہیں ہے، بلکہ عامۃ المسلمین کو یہ بتلانا
مقصد ہے کہ ترک القراءۃ خلف الامام صرف احناف ہی کا مسلک نہیں ہے بلکہ جہود اہل
اسلام کا مسلک ہے اور جہود اپنے اس محقق مسلک پر قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار
حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؓ و تابعینؓ وغیرہم اور اجماع اُمت اور قیاس سے ٹھوس
وزنی اور صحیح معیاری دلائل اور براہین پیش کرتے ہیں اور وہ ہرگز بلا دلیل نہیں ہیں جیسا کہ

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب ہم بطور تبرک اس باب کو قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک حصہ پر ختم کرتے ہیں، جیسا کہ پہلا باب بھی قرآن کریم کی آیت ہی سے شروع ہوا تھا۔ کہ اَوَّلُ بَآخِرٍ نَسْبَةٍ وَارِدٍ اِنَّ عِلَّةَ الشَّهَادَةِ عِنْدَ اللّٰهِ اَشْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔ اور آخر میں نہایت اخلاص اور دلسوزی کے ساتھ فریقِ ثانی سے استدعا ہے کہ وہ اپنے اس غلو آمیز نظریہ سے باز آجائے۔ کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ اس پر ہی کتاب کو پیش نظر رکھ کر انصاف سے فرمائیں کہ کس کس کی نماز باطل، کالعدم، بیکار اور ناقص ہوگی؟ غور تو کیجئے کہ جہور امت کی نمازوں پر یہ حکم لگانا کیسی کھلی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اور گویا اس اعلان کے مطابق جہور امت نماز پڑھتے ہوئے بھی بے نماز ہی ٹھہرے اور تارکِ صلوٰۃ کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ کس مسلمان سے مخفی ہو سکتی ہیں؟ فریقِ ثانی نے اخلاف کے مقتدر علماء حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب و حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت شیخ العرب والعم مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی خدمت میں یہ اعلان پیش کیا ہے، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے۔ راقم الحروف دارالعلوم دیوبند کا خوش چین اور ان اکابر کے فضالہ علم اور پس خوردہ سے فیضیاب ہوا ہے۔ اس لیے اس حقیر پر یہ لازم تھا کہ اپنے محسن اکابر کا مسلک بیان کرتا اور ان سے نورِ ظن کو دور کرتا۔ نیز فقیر فروعی مسائل میں اپنے اکابر کی طرح حنفی ہے۔ اس لیے فریقِ ثانی کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔ مگر آج تک ہمارے کسی حنفی بھائی کو یہ توفیق نہ ہوئی۔ کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی ایک ہی صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کر کے انعام لے (بلفظہ فصل الخطاب ص ۱) اور انعام کی بابت وہ یوں لکھتے ہیں اور مخالفین کو ایک ہزار روپے کا انعامی کھلا چیلنج دیتے (بلفظہ فصل الخطاب ص ۱) اب فریقِ ثانی کو دیا نہ از خود ہی یہ انعام دے دینا چاہئے۔ ورنہ اگر ہم چاہیں تو قانونی اور آئینی طور پر لے سکتے ہیں اور انہیں دینا پڑے گا۔ اور اس سے کیا کم ہے کہ۔ ع: شام کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی حضرات! آپ دیکھ چکے کہ ہمارا مسلک کیا ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ ع:

قیاس کن زنگستان من بہار مرا

آخری التماس۔ مجھے اس کا پورا احساس ہے کہ جس طرح جہود اہل اسلام کے دلائل اور براہین پیش کرنے کا صحیح حق تھا، میں ادا نہیں کر سکا۔ اہل علم حضرات سے التماس اور التجار ہے کہ وہ مجھے میری کوتاہیوں اور لغزشوں پر مطلع فرماتے رہیں۔ کیونکہ ایک نوعمر آدمی سے جس کو اپنی بے بضاحتی اور کم علمی کا بھی پورا احساس اور اقرار ہو۔ اور ایسے اہم مسئلہ میں جس میں حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام بیہقیؒ وغیرہ ائمہ حدیث اور فرسان علم نے خامہ فرسائی کی ہو، لغزشوں کا صادر ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ سے نہایت اخلاص اور صدق دل سے دعا ہے کہ وہ حقیر کو جملہ جسمانی و روحانی ظاہری اور باطنی بیماریوں سے محفوظ رکھے۔ اور کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ، محدثین اور فقہاء اور جہود اہل اسلام کی محبت اور اطاعت کا صحیح جذبہ عطا فرمائے جن کا ذکر موجب رحمت خداوندی ہے۔

پینے میں آگیا کہاں لپٹی ہیں اڑ کے مستیاں

اتنی سچے ٹنڈے یہاں مست ہوں اور پی نہیں

جلد دوم میں فریق ثانی کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان کی حقیقت کیا

وصلی اللہ تعالیٰ علی الخیر خلقہ محمد وعلی

ہے؟

آلہ واصحابہ ومنتحبہ اجمعین۔

ابوالزاہد محمد سر فراز خاں صدقہ

خطیب جامع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

۳۰ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق

۲۵ اپریل ۲۰۰۵ء

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزان السنن تقریر ترمذی	احسن الکلام مسئلہ فاتحہ عقبہ الامام کی مدلل بحث	تسکین الصدور مسئلہ جراحہ تہی پر مدلل بحث	الکلام المفید مسئلہ تہلیل پر مدلل بحث	ازالۃ الریب مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث
راہِ سنت رد و جوابات پر لا جواب کتاب	مقام ابی حنیفہ	اسماء مہینہ	طاقفہ منصورہ اجابت پانچواں گروہ کی غلطی	ارشاد الشیعہ غیر نظریات کا مدلل جواب
آنکھوں کی ٹھنڈک مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث	عبارات اکابر اسرار علویہ ہندی مہارت پر ۳۰ صفحات کے جوابات	صرف ایک اسلام	گلدستہ توحید مسئلہ توحید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ عقائد کی مدلل بحث
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	احسان الباری بھاری شریف کی ابتدائی ابحاث	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مختصر بحث	چراغ کی روشنی سراج النجم کے ارد میں گامیانی اور گروہ کے اعتراضات کے جوابات	مسئلہ قربانی قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث
عیسائیت کا پس منظر اساتذہ کرام کا رد	مقالہ ختم نبوت فرانسیسیات کی روشنی میں	بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد امجد علی دہلوی کے حالات اور گروہ میں ہونے والی اصلاحات کے حالات	راہ ہدایت کلمات و دعوات کے بارے میں کچھ عقیدہ کی وضاحت	سینا بیج غیر مقلد عالم مولانا نظام رسول کے رسائل تراویح کا اردو ترجمہ
آئینہ محمدی سیرت پر مختصر رسالہ	تفریح الخواطر بجواب تنویر الخواطر	انعام البہان روایت صحیح البیان	علیہ المسلمین ادامی کا مسئلہ	توضیح المرام نیزول مسکا علیہ السلام
ثبوت جہاد	الکلام الحاموی سادات کے لئے ذکاوت وغیرہ کی مدلل بحث	ملا علی قاری الذہبی کا مسئلہ حاضر و ناظر	المسلک المنفرد	الشہاب المسبین بجواب اشہاب الثقب
ثبوت حدیث حجیت حدیث پر مدلل بحث	افکار حدیث کی روشنی مکرمین حدیث کا رد	سورودی صاحب کا غلط فتویٰ	چالیس دعائیں	اختفاء الذکر ذکر اہستہ کرنا چاہیے
حکم الذکر بالجہر	اظہار العیب بجواب اثبات علم العیب	اطیب الکلام لخص احسن الکلام	چہل مسئلہ حضرات بریلویہ	مولانا ارشاد الحق امری صاحب مہودا داندہ
عمر اکادمی کی مطبوعات	خزان السنن جلد دوم کتاب السنن	بخاری شریف غیر مقلدین کی تقریریں	حمید یہ مناظرہ کی کتاب و شیعہ کا اردو ترجمہ	جنت کے نظارے علامہ ابن قیم کی کتاب حامی الارواح کا اردو ترجمہ
علامہ کوثری کی تائید الخطیب کا اردو ترجمہ امام ابو حنیفہ کا عادلانہ دفاع		تین طلاقیں کے مسئلہ پر مقالہ کا جواب مقالہ		